سلسلۂ نصابات علمیۂ جامعۂ عثمانیہ

برطانوی حکومت ہند

(انڈرسن صاحب کی کتاب برٹش اڈمنسٹریشن ان انڈیا کا اردو ترجمہ)
انٹرمیڈیٹ کے لئے

مُترجمۂ
مولوی محمد الیاس برنی صاحب ایم ۔ اے ۔ ال ال ۔ بی (علیگ)
(سابق پروفیسر اکنامکس علیگڈہ کالج)
پروفیسر معاشیات کلیۂ جامعۂ عثمانیہ

سنہ ۱۳۴۲ھ سنہ ۱۳۳۳ف سنہ ۱۹۲۴ء
(طبع ثانی)
مطبوعۂ دارالطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

یہ کتاب میکلن کمپنی کی اجازت سے
جن کو حقوق کاپی رائٹ حاصل ہیں
طبع کی گئی ہے۔

برطانوی حکومت ہند

فہرست مضامین

صفحہ

پہلا باب ۔ تاریخی مقدمہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱ تا ۲۱
دوسرا باب ۔ وزیر ہند اور اس کی کونسل ۔۔۔۔۔۔۔ ۲۲ تا ۳۶
تیسرا باب ۔ وائسرائے اور اس کی کونسل ۔۔۔۔۔۔ ۳۷ تا ۴۷
چوتھا باب ۔ صوبوں کی حکومتیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۸ تا ۵۵
پانچواں باب ۔ حکومت اضلاع ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۶ تا ۶۱
چھٹا باب ۔ بلدیات اور مجالس مقامی ۔۔۔۔۔۔۔ ۶۲ تا ۷۲
ساتواں باب ۔ محکمۂ قانون ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۷۳ تا ۹۳
آٹھواں باب ۔ محکمۂ عدالت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۹۴ تا ۱۰۴
نواں باب ۔ پولس اور محبس ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۰۵ تا ۱۱۱
دسواں باب ۔ مالیات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۱۲ تا ۱۲۶
گیارھواں باب ۔ مالگزاری ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۲۷ تا ۱۳۵
بارھواں باب ۔ تعلیم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۳۶ تا ۱۵۱
تیرھواں باب ۔ طبی امداد و صفائی ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۵۲ تا ۱۵۸
چودھواں باب ۔ تعمیرات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۵۹ تا ۱۶۴
پندرھواں باب ۔ امداد قحط ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۶۵ تا ۱۷۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا باب

تاریخی مقدمہ

تقسیم دور

جب سے انگریز ہندوستان آئے۔ یہاں کی تاریخ میں تین دور نمودار ہوچکے ہیں۔ سترھویں صدی کے شروع سے اٹھارویں صدی کے وسط تک "ایسٹ انڈیا کمپنی" تاجروں کی ایک باقاعدہ جماعت تھی جو دیسی حکومتوں کی مرضی سے ہندوستان میں کاروبار کرتی تھی۔ اس زمانے میں یہاں ہالینڈ اور فرانس کی تجارتی کمپنیاں بھی موجود تھیں۔ اس کے بعد انیسویں صدی کے وسط تک یعنی سو برس تک انگریزی کمپنی یہاں سلطنت کے قیام اور استحکام میں مصروف رہی۔ یہاں کی حکومت میں وہ زیادہ دخل دینے لگی اور اس میں اس قدر منہمک ہوئی کہ بالآخر اس کے تجارتی حقوق اور کاروبار کا خاتمہ ہوگیا۔ اس دوران میں شاہ انگلستان کا دخل بڑھتا رہا حتیٰ کہ ۱۸۵۷ء کی شورش کے بعد کمپنی کے رہے سہے حقوق بھی شاہ انگلستان نے لے لئے۔ شاہ انگلستان کے زیر حمایت آجانے سے ہندوستان میں ایک کایا پلٹ ہوگئی اور ترقی کا نیا دور شروع ہوا۔

ان تین دور میں اب ایک چوتھے دور کا اور اضافہ ہوا جس کی ۲۰ اگست ۱۹۱۷ء کے مشہور اعلان سے ابتدا ہوتی ہے۔ اس روز ملک معظم کی سرکار نے دیوان عام میں یہ اعلان کردیا کہ سلطنت ہند کی آئندہ ترقی میں مدنظر رہنے کے واسطے یہ اصول تسلیم کئے جاتے ہیں کہ نظم و نسق کے ہر شعبہ میں ہندوستانیوں کا تعلق اور دخل بڑھایا جائے۔

اور خود اختیاری حکومت کے ادارات کو بتدریج ترقی دی جائے۔ تاکہ ہندوستان کو ذمہ دار حکومت روز افزوں طور پر حاصل ہو اور ہندوستان سلطنت برطانیہ کا ایک جزو لاینفک بھی بنا رہے۔

ہندوستان میں دستور کا نشو ونما کیونکر ہوا؟ اس بحث کے سلسلے میں اوّل تو اُن چارٹروں یا منشوروں کا مختصر ذکر ضروری ہے۔ جو ابتدائی زمانے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو وقتاً فوقتاً ملتے رہے۔ اس کے بعد یہ بیان ہوگا کہ ہندوستان کے متعلق پارلیمنٹ میں کیا کیا قانون پاس ہوتے رہے اور ہر بیس سال بعد جو منشور پر نظر ثانی ہوئی تو کیونکر کمپنی کے حقوق و اختیارات بہ تدریج سلب ہونے سے ہندوستان کے معاملات پر پارلیمنٹ کا اقتدار بڑھتا گیا پھر یہ تفصیل پیش ہوگی کہ ۱۸۵۷ء کے بعد کو پارلیمنٹ نے وہ کیا کیا قانون نافذ کیے جن میں اس امر کی کوشش کی گئی کہ ہندوستانیوں کو حکومت میں حصہ لینے کا کم و بیش موقع دیا جائے۔ اور سب سے آخر وہ تبدیلیاں بیان ہونگی جو ۲۰ اگست ۱۹۱۷ء کے اعلان کے بموجب عمل میں آئیں۔

نئی دنیا کی دریافت اور جدید یورپ کی نشو ونما۔

(۱) ۱۵۹۹ء تا ۱۷۶۵ء ایسٹ انڈیا کمپنی دور اوّل۔

قسطنطنیہ ترکوں کے ہاتھ آنے اور امریکہ اور کیپ آف گڈ ہوپ دریافت ہونے کے بعد ہی یورپ کی تاریخ میں کایا پلٹ ہو گئی۔ دول کی دلچسپی کا مرکز بحر روم کے مشرقی ساحل سے ہٹ کر بحر اوقیانوس پر آرہا۔ گویا بحر اوقیانوس نئی دنیا کا بحر روم بن گیا۔ مغربی یورپ کی اقوام نے کچھ تو اپنے جغرافی موقع محل کے طفیل سے اور کچھ اپنے من چلے ملّاحوں اور جہازرانوں کی اولوالعزمیوں کی مدد سے ہندوستان اور امریکہ سے تجارت شروع کرنے میں سبقت پیشقدمی کی۔ ۱۴۹۹ء کا ذکر ہے کہ واسکوڈی گاما کالیکٹ آکر اترا۔ اور تھوڑے ہی عرصے کے اندر ہندوستان میں ایک پرتگالی حکومت قائم ہوگئی۔ چند سال بعد پرتگال تو اسپین کی بڑی سلطنت میں ضم ہوگیا۔ لیکن اسپین کو جو تجارتی اجارہ حاصل تھا انگلستان اور ہالینڈ پہلے ہی سے اُس کے توڑنے کی فکر میں تھے۔ انگلستان کی تاریخ میں یہ زمانہ نہایت اہم گزرا ہے جبکہ لنکسٹر خاندان کے کمزور بادشاہوں کا سلسلہ ختم ہوا اور ٹیوڈر خاندان

سے کے بادشاہوں نے ان کے جانشین بنکر حکومت میں ایک نئی قومی روح پھونکدی۔ جبکہ انگلستان اور اسکاٹلینڈ کے اتحاد کی بنا پڑی۔ جبکہ حکومت نے قوم کے واسطے ایک خاص مذہب قرار دیا۔ (یعنی مذہب پراٹسٹنٹ جو کہ مذہب عیسوی کی ایک شاخ ہے) اور جبکہ سلطنت برطانیہ کی بنیاد رکھی گئی۔ اسی زمانے میں ہالینڈ نہایت دلیری کے ساتھ اسپین کے ساتھ مصروف پیکار تھا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ اسپین کی طاقت ٹوٹ گئی اور ہالینڈ کو اسپین والوں کی چیرہ دستی سے نجات ملی۔

منشور یافتہ کمپنیاں

اب اسپین اور پرتگال کو مشرقی تجارت کا اجارہ اپنے ہاتھ میں رکھنا محال تھا اس لئے جلد ان کی حکومت اور اقتدار پر زوال آنا شروع ہوگیا۔ انگلستان اور ہالینڈ کے جو لوگ ایک ہی مذہب پراٹسٹنٹ کے پیرو تھے کچھ روز تو یورپ میں بہت دوست بنے رہے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد پتہ چلا کہ مشرق میں ان کے اغراض و مفاد باہم مخالف ہیں۔ چنانچہ سترھویں صدی میں دونوں قوموں کے تاجر حصول منفعت کی غرض سے خوب خوب مقابلہ کرتے رہے۔ غریب تاجروں کی حالت بہت خطرناک تھی۔ یورپ میں سیاسیات بین الاقوام کی حالت کچھ ہی کیوں نہ ہو سمندر پر امن و امان نہ تھا۔ تجارت کے واسطے مسلح طاقت بھی لازمی تھی اور فتح ہمیشہ زبردست کا حصہ تھی۔ انہیں خرابیوں کی بدولت منشور یافتہ کمپنیاں ظہور میں آگئیں جس زمانے میں ولندیزوں یعنی ہالینڈ والوں نے ایک ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کی ملکہ الیزبتھ نے بھی لندن کے کچھ تاجروں کو جزائر شرق الہند سے تجارت شروع کرنے کا منشور عطا کیا۔ منشور کیا تھا گویا کمپنی کو بطور خود جنگ کرنے کا اجازت نامہ تھا۔ بادشاہ اور کمپنی کے باہمی تعلقات مبہم چھوڑ دئے گئے۔ کیونکہ جن سلطنتوں سے یورپ میں دوستی ہو انکے مقابل کسی علانیہ جنگ میں شریک نظر آنا انگلستان کے واسطے خلاف مصلحت تھا۔ انگلستان نے تو بس اپنی طرف سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو تجارت کرنے کا اجارہ دیدیا تھا۔ اور اس خاص حق کے معاوضہ میں کمپنی بادشاہ کو منافع میں سے وقتاً فوقتاً حصہ دیتی رہتی تھی۔

کمپنیوں کی نشوونما

منشور ملنے کے بعد کمپنی نے مشرق سے تجارت کرنے کے واسطے بسہولت بہت سی رقم فراہم کرلی اور رفتہ رفتہ ہیر پھیر کی ترکیبوں سے ہندوستان اور

باب ۱

انگلستان کے درمیان وہ تعلقات قائم کر دیئے جو آگے چل کر قریب تر ہوتے گئے ملکہ الزبتھ نے جو منشور عطا کیا تھا۔ بعد کے بادشاہ وقتاً فوقتاً اس کی تجدید کرتے رہے۔ اور ۱۶۸۸ء کے انقلاب کے بعد منشور کی تجدید باقاعدہ پارلیمنٹ کے قانون سے ہونے لگی منشور دینے اور منافع میں حصہ بانٹنے کے سوا حکومت برطانیہ کو کمپنی کے معاملات سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اور نہ وہ کسی طرح پر ذمہ وار تھی۔ اول اول تو اختیارات اور نگرانی ایک گورنر اور ایک کونسل کے ہاتھ میں تھی۔ بعد کو اس کام کے واسطے کمپنی کے مالکوں اور ناظموں کی جدا جدا مجلسیں بن گئیں مالکوں کا شمار ہونے کے لئے کمپنی کے دو سو پونڈ کے اسٹاک یا حصہ کی خریداری کافی تھی۔ لیکن ناظموں کی جماعت میں شریک ہونے کے واسطے کم از کم دو ہزار پونڈ کا اسٹاک خریدنا لازمی تھا۔ ہر سال کل مالک یا شرکاء اپنے آپس میں سے ناظم منتخب کرتے تھے۔ مالکوں اور ناظموں کی مجلسوں میں بہ لحاظ اختیارات جو تعلقات تھے ان کی کبھی صراحت اچھی طرح نہیں ہوئی تھی۔ البتہ یہ صاف ظاہر ہے کہ مالکوں کو ناظموں کے فیصلے منسوخ کرنے کا برابر اختیار تھا۔ تجارتی اجارہ کے علاوہ کمپنی کو منشور میں یہ بھی حق مل گیا تھا کہ وہ چاہے تو اراضیات حاصل کرے۔ اپنے مقامات کی قلعہ بندی کرے، مسلح طاقت سے اپنے مال و جائداد کی حفاظت کرے، سکہ چلاوے، اور اپنی بستیوں میں عدالتیں قائم کرکے انصاف جاری کرے

اگرچہ ہالینڈ اور پرتگال والے بہت جلد تجارت کو چھوڑ کر موقع ملتے ہی ملک گیری پر اتر آئے، لیکن انگریزوں نے اول اول تجارتی رعایات اور سہولتیں حاصل کرنے کی کوشش کی اور چند تجارتی مقامات کے قبضہ پر قانع رہے۔ سب سے پہلا تجارتی مقام تو سورت تھا۔ جہاں شاہنشاہ جہانگیر کی طرف سے چند خاص رعایتیں مرحمت ہوگئی تھیں۔ ۱۶۱۶ء میں کمپنی نے ایک کارخانہ مسولی پٹم میں جاری کیا۔ اور ۱۶۴۰ء میں کمپنی نے ایک راجہ سے کچھ زمین خرید کر فورٹ سینٹ جارج تعمیر کیا، جو اب بھی بمقام مدراس موجود ہے۔ دریائے ہگلی پر بھی ایک کارخانہ کھولا جو ۱۶۹۰ء میں کلکتہ کو منتقل ہوگیا۔ ۱۶۶۲ء میں پرتگالیوں نے بمبئی کا مقام چارلس دوم کو دے ڈالا۔ چارلس نے چند ہی سال بعد اس کو دس پونڈ سالانہ

لگان پر کمپنی کے ہاتھ اُٹھا دیا وہ یہی مقام ہے جہاں اب بمبئی جیسا شہر آباد ہے۔

کمپنی ایک حکمراں جماعت بنتی ہے

اٹھارھویں صدی کے شروع شروع ہندوستان میں بہت بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔ مغلیہ خاندان کے آخری فرمانروا یعنی اورنگ زیب عالمگیرؒ نے ۱۷۰۷ء میں رحلت کی۔ اسلامی سلطنت کو اس سے پہلے ہی گھن لگ چکا تھا۔ مرہٹے، مسلمان شہزادے اور ہندو راجہ سب کے سب سلطنت مغلیہ کے حصے بخرے کرنے میں کشمکش کر رہے تھے انگریزوں کی تجارت معرض خطر میں آگئی، اور کمپنی کو ہندوستان کے سیاسیات میں دخل دئے بغیر کوئی چارہ نہیں رہا۔ ولندیزوں پر جو اُن کے ملک ہالینڈ میں مصیبت آئی تو ان کی طاقت ٹوٹ گئی اور ان میں سے بیشتر لوگ جزائر شرق الہند میں آبسے جہاں اب تک ان کی حکومت جاری ہے۔ اس دوران میں ایک اور یورپی جماعت داخل میدان ہوئی۔ ۱۶۶۴ء کا ذکر ہے کہ لوئی چہاردہم کے طولانی عہد حکومت میں ایک شخص کولبرٹ کے خاص اہتمام اور اور نگرانی میں ایک فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی قائم ہوئی۔ لیکن شاہ لوئی نے غلطی یہ کی کہ فضول یورپ میں جنگ کا سلسلہ باندھ دیا، اپنی نہایت محنتی اور صناع رعایا یعنی ہوگیناٹ لوگوں کو مذہبی سخت گیری سے پریشان کر دیا۔ اپنی حکومت کو زائد از ضرورت مرکزی بنا دیا۔ یعنی محکموں کے بہت سے اختیارات سلب کر کے اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ یہی اسباب تھے جن سے مستقل فتنہ و فساد کی بنا پڑی اور جنھوں نے فرانسیسیوں کے منصوبوں کو مشرق میں کبھی سرسبز ہونے دیا۔ البتہ جب اٹھارویں صدی میں کا بہت سا زمانہ گزر گیا اور لوئی بھی رخصت ہو چکا تو فرانسیسیوں کی قسمت نے مشرق میں پلٹا کھایا۔ ۱۷۱۵ء میں جزیرہ ماریشس پر قبضہ ہوگیا اور بحر شرقی میں فرانسیسی بیڑے کا وہی صدر مقام قرار پایا۔ پانڈیچری اور چندر نگر میں جو قدم جمے تو وہاں سے اندرون ملک میں پاؤں پھیلانے کی کارروائیاں شروع ہوئیں۔ ۱۷۴۱ء میں ڈوپلے گورنر بنکر پانڈیچری آیا کہ تاریخ ہندوستان میں ایک نیا دور شروع ہوگیا۔ اس نے خوب اندازہ کر لیا کہ ہندوستان میں یورپ والوں کی ترقی و اقتدار کے واسطے بہت وسیع میدان موجود ہے۔ چنانچہ اس نے پالیسی یہ قرار دی کہ ہندوستانی حکمرانوں کے باہمی جھگڑوں میں دخل دے

اور ہندوستانی فوجوں کو یورپ کے طریق پر قواعد سکھائے - دم کے دم میں اس کو کامیابی حاصل ہوگئی - اور کچھ روز کے واسطے جنوبی ہندوستان میں فرانس کا سب پر سکہ بیٹھ گیا - مگر اب ایک طرف کلایو جیسے اولوالعزم جنرل کا مقابلہ اور دوسری طرف فرانس کی دل آزار بے توجہی اور بے التفاتی اور سب پر طرہ یہ کہ انگلستان کا سمندر پر پورا پورا تسلط قائم تھا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈوپلے کی امیدوں پر پانی پھر گیا اور بنگال اور جنوبی ہندوستان میں انگریزی کمپنی کو وہ ذمہ داریاں قبول کرنی پڑیں جس کا اس کو وہم وگمان بھی نہ تھا ۔ ۱۷۶۵ء میں کلائیو نے کمپنی کی طرف سے بنگال، بہار اور اوڑیسہ کی دیوانی شاہ دہلی سے اپنے ہاتھ میں لے لی - اور اسی قابل یادگار واقعہ پر دور اول کا خاتمہ سمجھنا چاہیئے -

دوسرا دور

(۲) ۱۷۶۵ - ۱۸۵۸ عیسوی - دوہری حکومت دور دوم -

۱۷۷۳ء کا ذکر ہے - جبکہ لارڈ نارتھ کی وزارت برسر اقتدار تھی - انگلستان ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا جہاں ایک نئی صورت پیدا ہوگئی تھی - ایک تجارتی کمپنی نے عجیب وغریب حالات سے مجبور ہوکر ہندوستانی سیاسیات میں دخیل ہونا شروع کر دیا تھا - اور وہ کروڑہا مخلوق پر حکومت کرنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے چکی تھی - ہندوستان کے اصلی حالات کے متعلق انگلستان کی عام رائے میں بہت مغالطہ پھیلا ہوا تھا - یہ سچ ہے کہ کمپنی کے بعض ملازم بیحد دولت گھسیٹ رہے تھے لیکن ساتھ ہی کمپنی کی مالی حالت کچھ اچھی نہ تھی - قرضہ کا بار بہت بڑھ گیا تھا - فوجیں تیار رکھنے کی ضرورت تھی - لڑائیوں میں اس کو شکست بھی اٹھانی پڑتی تھی - بالخصوص جنوبی ہندوستان میں حیدر علی کو کمپنی کے مقابلہ میں ایک بڑی کارگر فتح حاصل ہو چکی تھی - اور قحط نے بنگال میں سخت افلاس پھیلا رکھا تھا - بایں ہمہ ہر سال بڑھ بڑھ کر مقسوم نکلتا تھا اور حصہ دار پھر بھی زیادہ ہی زیادہ کا مطالبہ کرتے تھے - مزید براں انگریزوں کے ظلم وتشدد کے افسانے برابر ہندوستان سے انگلستان پہنچتے رہے - بہت سے لوگوں کا خیال ہوگیا کہ اس پیچیدگی کا ایک ہی حل ہے وہ یہ کہ حکومت برطانیہ کمپنی کے مقبوضات کے انتظام میں عملاً زیادہ مداخلت کرے اور کمپنی کے سیاسی اختیارات کی حتی الوسع صاف صاف تشریح کر دے -

باب
قانون تنظیم
۱۷۷۳ء

ان دقتوں کو رفع کرنے کی غرض سے ایک قانون تنظیم پاس ہوا جس کا مشہور انگریزی نام ریگولیٹنگ ایکٹ ہے۔ کمپنی اس وقت جن سخت مالی دشواریوں میں مبتلا تھی۔ ان سے نجات دلادی گئی اور ساتھ ہی ایسے قواعد بنادیئے گئے کہ مقدار مناسب سے زائد مقسوم شرکا میں تقسیم نہ ہوسکے۔ لیکن لارڈ نارتھ کی حکومت کا کام صرف یہی نہ تھا کہ کمپنی کو دیوالہ نکالنے سے بچالیا، بلکہ اس سے کہیں زیادہ اہم معاملات کا تصفیہ کردیا اور کمپنی نے جو ہندوستان میں حکومت قائم کررکھی تھی اس کے کل پہلوؤں پر غور اور توجہ کی۔ اول تو انگلستان میں ناظموں اور مالکوں کی مجلسوں کا دستور بدل دیا گیا۔ ناظموں کے عہدہ کی میعاد ایک سال کے بجائے چار سال مقرر ہوئی اور مالکوں کی مجلس میں رائے دینے کا حق صرف ان لوگوں کے واسطے مخصوص ہوگیا جو کم از کم ایک ہزار پونڈ قیمتی حصہ کے بارہ ماہ تک مالک رہ چکے ہوں دوسرے ہندوستان میں سول گورنمنٹ اور ملکی انتظام کے واسطے قوانین و قواعد بناکر جاری کرنا دیسی حکمرانوں سے اتحاد اور معاہدے کرنا، یہ سب اختیارات گورنر بنگال کے سپرد ہوگئے۔ اور اس کی مدد کے واسطے تین مشیروں کی ایک کونسل مقرر ہوگئی۔ گورنر باجلاس کونسل کو مدراس اور بمبئی کی حکومت پر بھی اختیارات نگرانی حاصل تھے۔ پہلا گورنر جنرل یعنی وارن ہیسٹنگس اور نیز اس کے تینوں مشیر تو خود قانون تنظیم کے ذریعہ سے مقرر ہوئے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی طے پا گیا کہ پانچ سال کے بعد سے تقررات کا اختیار ناظمان کمپنی کے ہاتھ میں رہے گا۔ اسی قانون نے کلکتہ میں ایک عدالت العالیہ کی بنا ڈالی۔ سرالی جا امپی سب سے پہلے چیف جسٹس یعنی میر مجلس عدالت العالیہ مقرر ہوئے اور ان کی مدد کے واسطے تین مزید جج مقرر کئے گئے۔

فاکس
ایسٹ انڈیا بل

دور ثانی کی خصوصیت یہی دوہری حکومت تھی کہ انتظام سلطنت میں کمپنی اور شاہ انگلستان دونوں شریک تھے اور مندرجہ بالا ریگولیٹنگ ایکٹ یا قانون تنظیم کا نفاذ اس دور کی سب سے پہلی اہم کارروائی تھی۔ چند ہی سال میں صاف معلوم ہوگیا کہ ہندوستان کے معاملات کی حالت اب بھی قابل اطمینان نہیں ہے۔ وارن ہیسٹنگس کو اپنے دس سال کے عہد حکومت میں بے شمار دقتیں پیش آئیں۔ جنوب میں حیدر علی نے اور مغرب میں مرہٹوں نے فرانسیسیوں سے اتحاد کر رکھا تھا۔

باب ۱

بہر حال، چھوٹے بڑے خطرے اور زیادتیاں برداشت کر کے کہیں ہیسٹنگز نے انگریزوں کے قدم جمائے رکھے۔ مشکلیں ایک طرف تو خود گورنر جنرل سے اس کی کونسل کے ممبر دست و گریباں رہتے تھے دوسری طرف انگریزی حکام اور عدالت العالیہ میں خوب چل رہی تھی اور برابر شدید جھگڑے پیش آتے تھے کہ کمپنی کے لوگوں نے ہندوستانیوں پر بے حد ظلم ڈھائے۔ فاکس اور نارتھ کی وزارت برسر اقتدار تھی اور فاکس نے ہندوستان کے معاملات کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا چنانچہ ۱۷۸۳ء کا ذکر ہے کہ اس نے دیوان عام میں اپنا مسودہ قانون پیش کیا اسکو اصلاح کی یہ صورت نظر آئی کہ کمپنی کی حکومت ہند میں شاہی اختیارات بڑھائے جائیں چنانچہ ایک مجلس قائم ہوئی جس کے سات رکن خود مسودہ میں نامزد کر دیئے گئے ان کا کام یہ تھا کہ ہندوستان کے معاملات کی خاص نگرانی کریں۔ تجارت اور کاروبار کے انتظام کے واسطے پارلیمنٹ نے بڑے بڑے حصہ داروں میں سے نو ناظم علیحدہ مقرر کر دیئے۔ اس مسودہ کی مخالفت میں ولیم پٹ پیش پیش رہا۔ سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ ہندوستانی مربی گری یعنی ہندوستان میں عہدے دینے کا اختیار کمپنی کے ناظموں کے ہاتھ سے نکل کر شاہی وزرا کے قبضہ میں آجائیگا۔ اور اس طرح پر وزرا کا اقتدار اور رسوخ بڑھنا خالی از خطرہ نہیں۔ جارج ثالث اور اس کے دوستوں نے پہلے ہی سے انگلستانی مربی گری سے کام لیکر بیشتر لوگوں کو عہدے دے دیکر پارلیمنٹ میں ایک پارٹی یا گروہ بنا رکھا تھا جو انکے ممنون احسان ہونے کی وجہ سے لازماً انھیں کا ساتھ دیتا تھا۔ بہت سے لوگوں کے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ کہیں ہندوستانی مربی گری سے بھی اسی گروہ بندی کا کام نہ لیا جائے۔ بالآخر دیوان خاص میں وہ مسودہ رد ہو گیا اور دونوں وزیروں یعنی فاکس اور نارتھ کو استعفا داخل کرنا پڑا۔

پٹ کا انڈیا ایکٹ

اتحادی وزارت ٹوٹنے کے بعد جب خود ولیم پٹ برسر حکومت آیا تو اس کو بھی ہندوستانی حکومت کی اصلاح کے واسطے ایک بل پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لیکن یہ احتیاط رکھی کہ مسودہ میں فاکس کی غلطیوں کا اعادہ نہ ہونے پائے۔ اور مربی گری اور کل معاملات کاروبار خود کمپنی کے ناظموں کے ہاتھ میں چھوڑ دیئے۔ خاص خاص اصولوں میں البتہ اس کی پالیسی وہی تھی جو فاکس کی

تھی - مثلاً حکومت کی نگرانی اور دیکھ بھال کمپنی کے بجائے پارلیمنٹ کے سپرد ہوگئی - قانون نے چھ رکن کی ایک نگران مجلس قائم کردی - ان کا کام بالفاظ قانون یہ تھا کہ ہندوستان میں جو برطانوی مقبوضات ہوں ان کے محاصل اور انکی حکومت کے سول اور فوجی محکموں سے جس قدر امور متعلق ہوں - اور جو کچھ کارروائیاں عمل میں آئیں ان پر اپنی نگرانی رکھیں اور بندوبست کریں - ایک وزیر مال اور ایک وزیر سلطنت یہ دونوں اس نگران مجلس میں شریک تھے - اور ان کے بعد جو رکن سینیر یعنی اعلےٰ ہوتا تھا وہ مجلس نگران کا صدر کہلاتا تھا - اس کی حیثیت اور مرتبہ بہت اہم شمار ہوتا تھا - گویا قریب قریب وہی تھا جو آج کل وزیر ہند کو حاصل ہے - اگرچہ ناظموں اور دیوان خاص نے بہت کچھ زور ڈالا لیکن مالکان کمپنی کی مجلس نے وارن ہسٹنگس کو ہندوستان سے واپس بلانے سے انکار کردیا - آخر کار اس مجلس کے اختیارات توڑ دیئے گئے اور اس کو ناظموں کا ماتحت بنا دیا تاکہ وہ انتظامات میں اس قسم کا دخل نہ دے سکے - اور ناظموں کی رائے پر عمل ہو - پٹ کا یہ قانون ۱۸۵۸ء تک نافذ رہا - البتہ اس میں کچھ فرعی تبدیلیاں ہوتی رہیں -

تجدید منشور ۱۷۹۳ء میں جب پرانے چارٹر کی تجدید کا وقت آیا تو پٹ کا ایک نہایت گہرا دوست ڈنڈس نگران مجلس کا صدر تھا اس کے ذریعے سے بہت کچھ تفصیلی کام انجام پایا - اور اسی سال مشروط سول سروس کے قواعد و ضوابط مرتب ہوئے - ۱۸۱۳ء میں اور بھی زیادہ معاملات طے ہوئے - اس دوران میں ہندوستان میں بہت کچھ کایا پلٹ ہوچکی تھی - لارڈ ویلزلی کو جنگ میں اس قدر کامیابیاں ہوئیں کہ کمپنی کی حکومت ملک میں بہت کچھ پھیل گئی - مشرقی تجارت کا یہ منافع دیکھ دیکھ کر دوسرے تاجروں نے بھی اس کی شرکت کا حق طلب کیا - اور ایسی حالت میں کمپنی کا قدیم تجارتی اجارہ بیجا نظر آنے لگا - اپنے تجارتی حقوق بحال رکھنے کے واسطے کمپنی نے بھی خوب زور لگایا - تجربہ کار انگریزوں نے جو ہندوستان میں بطور ملازم حکومت کرچکے تھے - اور جن میں خود وارن ہسٹنگس بھی جس کو واپس آئے عرصہ گزر چکا تھا، شامل تھا، یہ خیال ظاہر کیا کہ اگر تجارت کی اجازت عام اور غیر مخصوص کردی گئی تو بڑی دقتوں کا سامنا ہوگا - کمپنی کے ملازموں اور ہندوستانیوں کے تعلقات کی

باب اول

نگرانی میں پہلے ہی سے جس قدر دشواری پیش آرہی تھی انھوں نے اس کو خاص طور بڑھا دیا۔ آخر ایک سمجھوتہ ہو گیا ہندوستانی تجارت کے خاص حقوق کمپنی سے واپس لے لئے گئے، صرف چاء کی تجارت کا اجارہ اس کے پاس رہ گیا۔ البتہ چین کی تجارت اب بھی تمام و کمال اسی کے ہاتھ میں رہی ہندوستانی تجارت کے واسطے ایک لائسنس یا اجازت نامہ کا طریق جاری کر دیا گیا۔ تاکہ من چلے انگریزی تاجر ہندوستانیوں پر چیرہ دستی نہ کر سکیں۔ کمپنی کی مربی گری یعنی ملازم رکھنے کے اختیارات اور دیگر سیاسی حقوق ویسے ہی برقرار رہے۔ البتہ اعلےٰ عہدہ داروں کے تقرر میں شاہی منظوری لازم قرار پا گئی۔

۱۸۳۳ء میں جو منشور کی تجدید ہوئی تو چین سے تجارت کرنے کا اور چاء کی تجارت کا اجارہ بھی جو اب تک کمپنی کے واسطے محفوظ چلا آتا تھا اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اگرچہ کمپنی کے تجارتی حقوق ختم ہو گئے، پھر بھی اسکی سیاسی ذمہ داریاں برقرار رہیں۔ البتہ ۱۸۵۳ء والے منشور کی عبارت صاف بتلا رہی ہے کہ کمپنی کی حکومت کے بہت تھوڑے دن باقی رہ گئے تھے۔ چنانچہ اس میں یہ بھی صراحت نہیں کی گئی کہ کتنی مدت تک چارٹر یا منشور بحال رہے گا۔ اسی زمانہ میں حق مربی گری بھی ناظموں سے لے لیا گیا اور مجلس نگراں کے مقررہ قواعد کے بموجب اس کا عملدرآمد ہونے لگا۔

تیسرا دور

(۳) ۱۸۵۸ء ہندوستان تاج و نگین برطانیہ کے تحت میں۔

۱۸۵۸ء میں دوسری حکومت کے طریق کا خاتمہ ہو گیا اور حکومت ہند کمپنی کے ہاتھ سے نکل کر تاج و نگین برطانیہ کے تحت میں آ گئی۔ ایک وزیر ہند سابق نگران مجلس کا جانشین قرار پایا۔ اس کی مدد کے واسطے ایک کونسل یا مجلس مقرر ہوئی اور خاص اہم عہدوں کا تقرر بھی اسی کے ہاتھ میں چھوڑ دیا گیا۔ سول عہدہ داروں کے عملدرآمد کے متعلق جو قواعد و قوانین ۱۸۵۳ء میں نافذ ہوئے ۱۸۶۱ء تک وہی جاری رہے۔ اس کے بعد سول سروس کا قانون پاس ہو گیا ایسے عہدوں کی ایک فہرست تیار ہوئی جو منشور شدہ سروس یا عہدیداران والوں کے واسطے مخصوص کر دیئے گئے۔ اور صرف خاص خاص حالتوں میں بہ منظوری وزیر ہند با جلاس کونسل بیرونی لوگ ان عہدوں پر مقرر ہو سکتے تھے۔ حکومت ہند بیشتر سابق حالت پر قائم رہی۔

تاریخی مقدمہ

باب ۱

۱۸۵۸ء کے بعد سے ۱۹۱۷ء تک برطانوی پارلیمنٹ نے ہندوستان کے متعلق بہت کم ایسے قانون پاس کئے جن کو اول درجہ کی اہمیت حاصل ہے۔ گورنر جنرل کی کونسل میں اضافہ کرنے کے اختیارات مل چکے ہیں وقتاً فوقتاً نئے نئے صوبے بنے اور موجودہ حدود کی ترمیم کی گئی، اور سول سروس کے قواعد بھی تبدیل ہوتے رہے ہیں ۔ ۱۸۶۱ء کے قانون مجالس ہند نے محکمہ قانون کی نئی بنیاد ڈالی اور بہ پابندی چند شرائط مدراس اور بمبئی کی حکومتوں کو پھر قانون بنانے کا حق مل گیا ۔ نیز یہ اہتمام ہوا کہ بنگال، صوبہ متحدہ اور پنجاب میں جدا جدا مجالس وضع قوانین قائم ہوں ۔ ۱۸۹۲ء کے قانون کی بدولت ہندوستان کی مجالس وضع قوانین میں اور توسیع ہوئی ۔ ۱۸۶۱ء میں ہائی کورٹ ایکٹ یا قانون عدالت العالیہ پاس ہوا تو محکمہ عدالت کی بہت سی پیچیدگیاں رفع ہوگئیں کمپنی کی اور نیز شاہی عدالتیں منسوخ ہو کر کلکتہ، مدراس اور بمبئی میں ہائی کورٹ قائم ہوگئے ۔

کونسل ایکٹ یا قانون مجالس ۱۹۰۹ء ۔

لارڈ مارلے نے لارڈ منٹو ویسرائے ہند کے زمانہ میں ۱۹۰۹ء کا انڈین کونسلز ایکٹ یعنی قانون مجالس ہند دیوان خاص میں پیش کیا جسکو پارلیمنٹ نے پاس کر دیا ۔ اس سے جو تبدیلیاں عمل میں آئیں ۔ بعض لوگ اس وقت ان کو انقلاب آمیز خیال کرتے تھے ۔ لیکن گرچہ ان سے ایک اہم پیش قدمی نمودار ہوئی تاہم انہیں کوئی جدید پالیسی یا مسلک مضمر نہ تھا ۔ خود لارڈ مارلے نے صاف طور پر اس خیال کی تردید کر دی تھی کہ یہ انتظامات کسی معنی میں پارلیمنٹی حکومت کی طرف پیشقدمی ہیں ۔ جدید اصلاحات کا سنگ بنیاد یہی اصول تھا کہ تمام امور کا آخری فیصلہ محکمہ انتظامی کے ہاتھ میں رہنا چاہیئے ۔ البتہ مجالس وضع قوانین میں غیر سرکاری اراکین کی تھوڑی تھوڑی کثرت پیدا کر کے صوبوں میں محکمہ قانون پر نگرانی عامہ کسی حد تک قائم کر دی گئی ۔

مارلے منٹو اصلاحات کا خاص مقصد یہ تھا کہ لوگوں کا سرکار کے کاموں سے زیادہ ربط ضبط پیدا ہو اس مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے مجلسی حکومت کے طریق کو بطور ذیل رواج دیا گیا ۔ اول تو وائسرائے کی مجلس انتظامی میں ایک ہندوستانی رکن مقرر کیا گیا ۔ دوسرے مدراس اور بمبئی کی مجالس انتظامی میں توسیع ہوئی اور وہاں بھی ایک ایک ہندوستانی کے تقرر کا موقع نکالا گیا ۔ اسی قسم کی مجلسیں دوسرے صوبوں میں بھی جہاں جہاں

لفٹنٹ گورنر رہتا ہے خصوصاً بنگال میں قائم کرنے کا اختیار دیدیا گیا۔ساتھ ہی امپیریل یعنی شاہی اور نیز صوبہ وار مجالس وضع قوانین کی توسیع ہوئی اور انتخابی عنصر میں اضافہ ہوا۔یعنی منتخب شدہ اراکین کی تعداد بڑھ گئی۔ ان مجالس کو مفاد عامہ کے معاملات پر بحث کرنے کا حق بھی حاصل ہوگیا

دلی دربار سنہ ۱۹۱۱ء

سنہ ۱۹۱۱ء میں شاہ معظم جارج پنجم مع اپنی ملکہ کے ہندوستان تشریف لائے اور بذات خود دہلی میں ایک شاہی دربار منعقد کیا۔تاریخ ہند میں یہ ایک انوکھا موقع تھا کہ انگریزی بادشاہ نے پہلی مرتبہ سرزمین ہند پر قدم رکھا۔اس تشریف آوری کے موقع پر ہندوستان کے لوگوں نے اپنی گہری وفاداری کا پورا ثبوت دیا اور شاہ معظم کے امید افزا مستقبل کے پیام نے اسپر مہر لگا دی ۔ دربار یوں بھی قابل یادگار تھا کہ شاہ معظم نے نہایت اہم تبدیلیوں کا اعلان فرمایا مدت سے کلکتہ دارالسلطنت چلا آتا تھا اب تاریخی شہر دہلی کو یہ شرف عطا ہوا۔ اور بنگال کے صوبوں میں بھی کچھ رد و بدل ہوا۔اگلے سال پارلیمنٹ میں ایک قانون پاس ہوا جس کے ذریعہ سے ان میں سے بعض تبدیلیوں پر عملدرآمد ہوگیا۔

ہندوستانی اور سرکاری خدمات

جنگ شروع ہونے تک کئی سال سے لارڈ ہارڈنگ اس کوشش میں تھے کہ گو قدیم طرز حکومت برقرار رہے۔ایک دوسرے طریق پر راست حکومت سے ہندوستانیوں کا ربط ضبط بڑھایا جائے ۔ وہ یہ کہ ہندوستانیوں کی بیشتر تعداد سرکاری خدمات اور عہدوں میں شریک کی جائے ۔ بیشک راہ راست میں پیشقدمی ہوئی لیکن گو اس طرح سرکار کی پالیسی پر ہندوستانی اثر کسی قدر بڑھ گیا ہو۔تاہم اس جدید ترکیب سے ہندوستانیوں کو ذمہ دار حکومت کے طریق سے کوئی مزید قرب حاصل نہیں ہوا کہ وہ اپنے انتخاب شدہ نمایندوں کے ذریعے سے سرکار کی پالیسی قرار دیتے اور محکمہ انتظامی کی نگرانی رکھتے ۔

(۴) ہندوستان اور جنگ ۔ ۲۰ اگست سنہ ۱۹۱۷ء کا اعلان ۔

یورپ کی جنگ عظیم میں ہندوستان نے سب کی خاطر جان ومال سے مدد کی فرانس اور فلنڈرس میں۔مصر اور فلسطین میں۔عراق عرب اور مشرقی افریقہ میں ہندوستانی فوجیں ہر جگہ لڑیں۔ ہندوستانی سپاہیوں نے

وکٹوریا کراس کے تمغے جیتے اور ہندوستانیوں کو فوج میں کمیشن ملے۔ ہندوستان کے مدبران سلطنت جنگ کی کونسل میں شریک ہوئے اور انہوں نے بھی ورسیلز کے شرائط صلح پر دستخط کئے۔ برطانیہ عظمی اور اس کے اتحادیوں نے تو حقوق اقوام کے واسطے متوسط یورپ کی سلطنتوں سے جنگ کی تھی پس یہ قدرتی امر تھا کہ ان حوادث و انقلابات کے زمانے میں ہندوستان کی مستقبل حکومت پر بھی غور کیا جائے۔ چنانچہ ۲۰ راگست ۱۹۱۷ء کو مسٹر مانٹیگو وزیر ہند نے دیوان عام میں حسب ذیل اعلان کیا۔

"شہنشاہ معظم کی حکومت کا مسلک جس سے سرکار ہند کو بھی پورا اتفاق ہے یہ ہے کہ نظم و نسق کے ہر شعبہ سے ہندوستانیوں کا ربط و ضبط بڑھایا جائے اور خود حکم ران جماعتوں کو بتدریج ترقی دی جائے تاکہ ہندوستان سلطنت برطانیہ کا جز ولاینفک ہونے کی حیثیت سے ذمہ دار حکومت کے حصول میں ترقی کرتا رہے۔ سرکار برطانیہ نے فیصلہ کر لیا ہے کہ جلد از جلد اس معاملہ میں معقول کارروائی شروع کر دی جائے اور نیز یہ کہ کارروائی کی نوعیت قرار دینے سے قبل یہ از حد ضروری ہے کہ برطانیہ اور ہندوستان کے حکام میں صاف اور بے تکلف تبادلہ آرا ہو جائے۔ چنانچہ شہنشاہ معظم کی اجازت اور پسندیدگی سے سرکار برطانیہ نے یہ طے کیا ہے کہ وائسرائے نے ہندوستان آنے کی جو دعوت دی ہے میں اس کو قبول کر لوں تاکہ ان معاملات میں وائسرائے اور سرکار ہند سے گفتگو ہو جائے۔ وائسرائے کے ساتھ مقامی حکومتوں کی رایوں پر بھی غور کر لیا جائے اور نیابتی جماعتوں وغیرہ کی تجاویز بھی وصول ہو جائیں۔"

"میں یہ اور کہنا چاہتا ہوں کہ اس مسلک میں ترقی صرف تدریجی طور پر ہو سکیگی۔ سرکار برطانیہ اور سرکار ہند جن کے کاندھوں پر ہندوستان کے تمام لوگوں کی بہبودی اور ترقی کا بار ہے۔ صرف وہی اس امر کا فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ترقی کے مدارج اور اوقات کیا ہونگے۔ یعنی وہ کس رفتار سے بڑھے گی۔ اور جن لوگوں کو کام کرنے کے لئے موقعے دیئے جائیں گے وہ کس حد تک کام میں ہاتھ بٹاتے ہیں اور کس حد تک ان کا احساس فرض شناسی اعتماد کے قابل نکلتا ہے۔

یہ امور بھی فیصلہ میں ان کے پیش نظر رہیں گے "

"تجاویز جو ضابطہ کے بموجب پارلیمنٹ میں پیش کی جائیں گی ان پر کافی بحث مباحثہ کرنے کا عام موقع دیا جائیگا "

اسی سال کے آخر مسٹر مانٹیگو وزیر ہند ہندوستان آپہنچے اور لارڈ چیمسفورڈ وائسرائے کی شرکت سے ایک رپورٹ تیار کی جو دوسرے ہی سال شائع ہوگئی ۔ دیوان عام میں جو اعلان کیا گیا تھا اس کی بابت رپورٹ میں لکھا گیا کہ ہندوستان کی افسانہ تاریخ میں یہ اعلان سب سے زیادہ قابل یادگار رہیگا ۔ اس نے سرکار برطانیہ سے قول و قرار لیا کہ تئیس کروڑ لوگوں کے ساتھ ایک نئی پالیسی یا مسلک اختیار کیا جائیگا ۔ جہاں تک مغربی اقوام کا تعلق ہے ۔ یہ پالیسی پرانی ہے اور خوب تجربہ میں آچکی ہے ۔ انگریزوں کو یقین ہے کہ جہاں تک ان کو علم ہے ذمہ دار حکومت سے بہتر حکومت کی کوئی شکل نہیں ۔ اور اب ہندوستان کی استدعا پر انھوں نے بہ پابندی چند شرائط جو اعلان میں مذکور ہیں وہی طرز حکومت ہندوستان میں پھیلانے کا وعدہ کرلیا ہے ۔

رپورٹ شائع ہونے سے ہندوستان کی رائے عامہ پر بہت گہرا اثر پڑا ۔ اب تک زیادہ تر اس قدیم طرز حکومت کی ترمیم کے متعلق بحث چلتی رہی جس کی رو سے ہندوستانی معاملات کے نظم و نسق کی تمامتر ذمہ داری وائسرائے اور اس کی انتظامی کونسل پر رہتی تھی ۔ البتہ وہ وزیر ہند اور برطانوی پارلیمنٹ کے تحت میں رہتے تھے ۔ ایسی ترمیموں کی صورت یہ ہوسکتی تھی اور یہی رہی کہ حکومت پر ہندوستانی اثر بڑھانے اور ہندوستانیوں کی امنگوں سے اتحاد پیدا کرنے کی خاطر سرکاری ملازمتوں میں ہندوستانیوں کی تعداد بڑھادی ۔ مجالس وضع قوانین اور اس کے اختیارات میں توسیع کردی لیکن اس رپورٹ نے بات بہت دور پہنچادی ۔ اور ایسے خیالات ظاہر کئے جن سے ہندوستان میں حکومت کا مفہوم ہی بدل جائیگا ۔ اس لئے لفظ "ذمہ داری" کے مفہوم اور منشا پر بحث چھڑ گئی ۔ ذمہ دار حکومت دو شرطیں تسلیم کرنے پر منحصر ہے ۔ اول یہ کہ انتظامی محکمہ تمام کاموں میں ملک کے لوگوں کے سامنے ذمہ دار رہے اور وہ اس وقت تک برسرکار رہے جبتک

باب ۱

مجلس وضع قوانین میں اس کو کثرت رائے کی تائید حاصل ہو۔ دوسرے یہ کہ لوگ اپنے انتخاب کردہ نائبوں کے توسط سے مجلس وضع قوانین میں اپنے اختیارات کام میں لائیں۔

ذمہ دار حکومت کے لوازمات

ذمہ دار حکومت کو وہیں خوب کامیابی حاصل ہو سکتی ہے جہاں چند خاص حالات موجود ہوں۔ اول یہ کہ وہاں کے باشندوں کی کثیر جماعت اپنی تعلیم اور معاشرت کی بدولت اس قابل ہو کہ بغیر طرفداری اور تعصب کے اپنے نمایندوں کو منتخب کر سکے۔ ذمہ دار حکومت میں نسل اور ذات کی موروثی کا قاعدہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ خدمت عامہ کے شائق اور تجربہ کار لوگوں کی ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو خدمات عامہ کے واسطے مستعد ہوں اور اس میں اپنا وقت صرف کر سکیں۔ اور تیسری بات یہ جو غالباً سب سے اہم ہے کہ ملک کے لوگ اپنی حکومت کے اسقدر فدائی ہوں کہ ضرورت پڑے تو اس کی خاطر میدان جنگ میں اپنی جانیں بخوشی قربان کر دیں اور امن وامان قائم رکھنے میں اس کی ہر طرح مدد کریں۔ ایسے ملک میں جہاں بیشتر لوگ یا تو وفاشعاری کے قابل نہ ہوں یا اس کے واسطے آمادہ نہ ہوں ذمہ دار حکومت کو کامیابی نہیں ہو سکتی۔

رپورٹ کے مصنفوں نے دیوان عام کے اعلان سے اتفاق کیا کہ اگرچہ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہندوستان کو پورے پیمانے پر ذمہ دار حکومت دیدی جائے۔ تاہم یہ موقع ضرور آگیا ہے کہ ایک ترقی پذیر مسلک تجویز کر لیا جائے جسکے ذریعہ سے اصلی مقصد یعنی ذمہ دار حکومت بتدریج حاصل ہو سکے۔ ان کی رائے یہ تھی کہ اول صوبہ دار حکومتوں میں ذمہ دار حکومت کا طریق شروع کرنا سب سے بہتر ہوگا۔ بعض امور میں جو مفوضہ امور کہلائیں گے۔ وزرا کو اختیارات دیئے جائیں اور وہ مجالس وضع قوانین کے سامنے اپنے کام کے ذمہ دار رہیں۔ مفوضہ امور بالعموم ایسے امور ہوں گے جن میں مقامی حالات کی واقفیت زیادہ درکار ہو جن میں تمدنی خدمت انجام دینے کا بہت کچھ موقع ہو۔ جن میں ہندوستانیوں نے خاص دلچسپی ظاہر کی ہو اور جن میں ترقی دکھانے کی سخت ضرورت ہو۔ تاکہ یہ نیا طریق جاری ہو سکے رپورٹ کے مصنفوں نے یہ مشورہ دیا کہ سرکار ہند صوبہ دار حکومتوں کو سب سے زیادہ

خود مختاری عطا کرے اور مفوضہ امور کی نگرانی کے اختیارات سے پارلیمنٹ دست برداری کے لئے تیار ہو جائے - اس کے ساتھ ہی سرکار ہند ملک میں امن و امان قائم رکھنے اور عمدہ نظم و نسق کے واسطے پارلیمنٹ کے سامنے ذمہ دار رہے - اسی اثنا میں سرکار ہند کی مجلس وضع قوانین میں توسیع کر کے اس کی نیابت بڑھائی جائے - اور اسکو زیادہ موقع دیا جائے کہ حکومت پر اثر ڈال سکے -

سنہ ۱۹۱۸-۱۹ء کے موسم سرما میں دو کمیٹیاں ہندوستان میں لارڈ ساؤتھ برو کے زیر صدارت مقرر ہوئیں - ایک اس کام کے واسطے کہ حق انتخاب میں توسیع کرنیکی تدابیر بتائے - دوسری یہ تجویز کرنے کے لئے کہ کون سے امور ان وزرا کو تفویض کر دیئے جائیں جو مجالس وضع قوانین کے سامنے ذمہ دار ہیں - کون سے امور صوبوں کی مجالس انتظامی کی نگرانی کے واسطے مخصوص کر دے جائیں - اور کونسے امور سرکار ہند کی نگرانی میں چھوڑ دیئے جائیں -

قانون اصلاحات سنہ ۱۹۱۹ء

سنہ ۱۹۱۹ء میں مسٹر مانٹیگو وزیر ہند نے ایک بل کا مسودہ تیار کر کے دیوان عام میں پیش کیا - سب جماعتوں نے اس کو خندہ پیشانی سے دیکھا - اس کے بعد وہ دیوان عام اور دیوان خاص کی ایک منتخب کمیٹی کے سپرد ہوا اور لارڈ سیلبرن اس کے صدر قرار پائے - کمیٹی نے شہادت لی - بہت سے اعلےٰ حکام اور ملک کے سربرآوردہ لوگ کمیٹی کو رائے دینے کے واسطے ہندوستان سے ولایت پہنچے کمیٹی نے یہ تو مان لیا کہ بل میں ۲۰ / اگست سنہ ۱۹۱۷ء کے اعلان کا مفہوم بڑی احتیاط سے واضح کیا گیا ہے - پھر بھی اس منصوبہ کی بہتری کے واسطے بعض تبدیلیوں کا مشورہ دیا - کمیٹی نے دو اصول پر زیادہ زور دینا چاہا - اور وہ تھے بھی بہت ہی اہم - ایک تو یہ کہ جس حد تک گورنر جنرل باجلاس کونسل جدید بل کی تبدیلیوں کی رو سے ذمہ داری سے بری کر دیا گیا ہے وہ تو خیر - لیکن اس کے علاوہ اس کو بلا مداخلت غیرے پارلیمنٹ کے سامنے پورا ذمہ دار رہنا چاہیئے - دوسرے کمیٹی نے کچھ ایسی تجاویز نکالیں کہ مفوضہ امور کے بارہ میں وزرا کی اور مجالس وضع قوانین کی ذمہ داریاں بالکل صاف اور واضح ہو جائیں - کمیٹی لکھتی ہے کہ شروع ہی سے لوگوں کو موقع ملنا چاہیئے اور سیاسی دانشمندی اس کو بہت فیاضانہ موقع بتاتی ہے کہ حکومت کا

باب ۱

عملی کام سیکھیں اور اس کو چلا کر آئندہ پارلیمنٹ کو ثابت کر دکھائیں کہ اختیارات میں مزید توسیع کرنے کا وقت آن پہنچا ہے۔ مستقبل کے متعلق کمیٹی نے یہ قرار دیا کہ پارلیمنٹ ملک معظم کی سرکار برطانیہ اور سرکار ہند کے مشورہ سے اس امر کا فیصلہ کرے گی کہ وقتاً فوقتاً کب اور کتنی ترقی ہونی چاہیئے۔ اور فیصلہ میں اس امر کو بھی ملحوظ رکھے گی کہ جن لوگوں کو خدمت کے جدید موقعے دیئے گئے انہوں نے کہاں تک مل کے کام کیا۔ اور کس حد تک ان کی فرض شناسی پر بھروسا کرنا درست ثابت ہوا۔ سال کے آخر دیوان عام میں بل پاس ہو گیا اور تھوڑے دنوں کے بعد دیوان خاص میں بھی پاس کر دیا گیا۔ وہاں وہ لارڈ سنہا نائب وزیر ہند کے سپرد تھا۔

ملک معظم کا فرمان

بل پر اظہار رضامندی کرتے وقت ملک معظم نے اپنی ہندوستان کی رعایا کے نام حسب ذیل فرمان شائع کیا جس سے پھر بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ملک معظم کو ان کی ترقی سے کس درجہ دلچسپی اور ہمدردی ہے۔ وہو ہذا۔

"ہندوستان کی تاریخ میں آج سے پھر ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ میں نے ایک ایسے قانون کو شاہانہ رضامندی عطا کی ہے۔ جس کا ان عظیم الشان تاریخی انتظامات میں شمار ہوگا جنکو اس سلطنت کی پارلیمنٹ نے نظم و نسق ہند کی بہتری اور وہاں کے لوگوں کی مزید خاطر جمعی کے خیال سے اب تک جاری کیا ہے۔ ۱۷۷۳ء اور ۱۷۸۴ء کے قوانین کا مقصد یہ تھا کہ آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کے تحت میں نظم و نسق اور انصاف کا ایک باقاعدہ نظام قرار پا جائے۔ ۱۸۳۳ء کے قانون سے ہندوستانیوں کے لئے سرکاری عہدوں اور ملازمت کا دروازہ کھل گیا۔ ۱۸۵۸ء کے قانون نے ہندوستان کے نظم و نسق کو کمپنی سے لیکر تاج برطانیہ کی تحویل میں دیدیا۔ اور آج ہندوستان میں جو عام چہل پہل نظر آتی ہے۔ اسی زمانہ میں اسکی بنا پڑی۔ ۱۸۶۱ء کے قانون نے نیابتی جماعتوں کا بیج بویا اور ۱۹۰۹ء کے قانون نے اس میں جان ڈالدی۔ جو قانون اب پاس ہوا ہے اس نے لوگوں کے انتخاب کردہ نائبوں کو بقدر معین نظم و نسق میں حصہ دیدیا ہے اور بعد کو پوری ذمہ دار حکومت حاصل کرنے کا راستہ بھی بنا دیا۔ اگر جیسی کہ مجھکو امید واثق ہے۔ جو سلسلہ اب اس قانون نے جاری کیا ہے وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا تو اس کے نتائج بنی نوع انسان کی ترقی کی تاریخ میں قابل

یادگار رہیں گے اور یہ نہایت برمحل اور مناسب ہوگا کہ میں آج تم کو دعوت دوں کہ ماضی پر غور کرو اور میری مستقبل کی امیدوں میں شریک ہو جاؤ ۔

جب سے کہ ہندوستان کی بہبودی ہمارے سپرد ہوئی ۔ ہمارے شاہی گھرانے اور خاندان نے اس کو ایک مقدس امانت سمجھا ہے ۔ ۱۸۵۸ء میں ملکہ وکٹوریا آنجہانی نے باقاعدہ اعلان کر دیا کہ وہ اپنی ہندوستانی رعایا کے ساتھ انہی پابندی فرائض سے وابستہ ہیں جن سے اپنی باقی تمام رعایا کے ساتھ ۔ انہوں نے انکو پوری مذہبی آزادی اور مساوی اور بے لوث قانونی حفاظت کا اطمینان دلا دیا ۔ میرے والد بزرگوار ملک اڈورڈ ہفتم نے بھی ۱۹۰۳ء میں جو اپنی ہندوستانی رعایا کے نام پیام لکھا اس میں اعلان کر دیا کہ ان کا مصمم ارادہ ہے کہ وہی انصاف اور انسانیت کے اصول بلا کم و کاست حکومت میں برقرار رکھیں ۔ بعد کو ۱۹۰۸ء کے اعلان میں انہوں نے پھر وہی اطمینان دلائے جو پچاس سال قبل دلائے جا چکے تھے ۔ اور اس ترقی کا بھی نقشہ کھینچا جسکا ولولہ اطمینان نے دلوں میں پھونک دیا ۔ اپنی تخت نشینی کے موقع پر ۱۹۱۰ء میں میں نے بھی ہندوستان کے رئیسوں اور لوگوں کے نام ایک پیام بھیجا ۔ جس میں انکی وفاداری اور اطاعت شعاری کو تسلیم کیا اور ساتھ ہی وعدہ کیا کہ ہندوستان کی مرفہ الحالی اور خوشی میرے لیئے بنہایت دلچسپی اور توجہ کی بات ہوگی ۔ دوسرے ہی سال ملکہ معظمہ کو لیکر میں خود ہندوستان آیا ۔ اور لوگوں کے ساتھ مجھکو جسقدر ہمدردی ہے اور ان کی بہبودی کی مجھکو جسقدر آرزو ہے ۔ میں نے اسکا ثبوت دیا ۔

یہ ہی وہ محبت اور خلوص کے جذبات ہیں جو میرے اور میرے بزرگو نکے دلوں کو گرماتے رہے ہیں ۔ اور ساتھ ہی پارلیمنٹ اور اس ملک کے لوگ اور ہندوستان میں میرے عہدہ دار ۔ سب کے سب ہندوستان کی اخلاقی ترقی میں سرگرمی سے کوشاں رہے ہیں ۔ ہم نے ہندوستان کے لوگوں کو وہ تمام برکتیں پہنچانے کی کوشش کی ہے جو قسمت نے ہمکو عطا فرمائی ہیں ۔ لیکن ابھی ایک عطیہ باقی ہے اور جس کے بغیر کسی ملک کی ترقی درجہ کمال کو نہیں پہنچ سکتی ۔ وہ یہ کہ ہندوستان کے لوگونکو اپنے ملک کے معاملات کی کارروائی اور اس کے مفاد کی

نگہداشت کا حق مل جائے ہندوستان کو خارجی حملوں سے محفوظ رکھنا۔ یہ ایسا فریضہ ہے جو معمولاً شاہی ذمہ داری اور تفاخر کا باعث ہے۔ البتہ اندرونی معاملات کی دیکھ بھال ایک بار ہے جسکو ہندوستان خود اپنے کاندھے پر اُٹھانے کی ہمت کرے تو بجا ہے۔ پورا بار ایک بار گی اُٹھانا تو اس کی قوت و طاقت سے باہر ہے۔ البتہ کچھ عرصہ میں تجربہ سے کافی طاقت آجائے تو یہ ممکن ہے۔ لیکن ابھی سے موقع دیا جائیگا کہ تجربہ بڑھے اور ذمہ داری پورا کرنے کی جب جسقدر قابلیت پیدا ہو آئیں اضافہ ہوتا رہے۔

میری ہندوستانی رعایا میں جو نیابتی جماعتوں کی خواہش بڑھ رہی ہے میں اس کو اچھی طرح سمجھکر ہمدردی کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ چھوٹی چھوٹی ابتداؤں سے چل کر یہ امنگ اتنی بڑھی کہ ملک کے دل و دماغ پر حاوی ہو گئی۔ یہ امنگ خلوص اور ہمت کے ساتھ آئینی راستوں پر جادہ پیما رہی ہے۔ حب وطن کے پردہ میں بعض لوگوں نے کبھی کبھی اور کہیں کہیں قانون سے تجاوز کر کے زیادتیاں دکھائیں اور اس امنگ پر اسکا الزام آیا لیکن بالآخر یہ اس سے بری ثابت ہوئے برطانوی جمہوریت جن مقاصد کے واسطے جنگ عظیم میں نبرد آزما ہوئی۔ انہوں نے اس امنگ میں اور بھی جان ڈالدی ہے۔ اور اس بنا پر یہ امنگ بجا طور سے تائید کی طالب ہے کہ ہندوستان ہماری مشترک جد و جہد تردد ات اور فتوحات میں برابر شریک رہا ہے۔ حقیقتاً سیاسی ذمہ داری کی خواہش کا منبع خود ہندوستان کے برطانوی تعلقات ہیں۔ ان تعلقات کی بدولت جو ہندوستان کے لوگوں کو انسانی خیالات اور تاریخ کے زیادہ گہرے اور وسیع مطالعہ کا موقع ملا اسی سے خود بخود یہ خواہش پیدا ہوئی۔ اگر یہ بات پیدا نہ ہوتی تو برطانوی لوگوں کا کام ہندوستان میں ادھورا رہتا۔ پس یہ بہت عاقلانہ فیصلہ تھا کہ اب سے سالہا قبل یہاں نیابتی جماعتوں کی ابتدا کر دی گئی۔ درجہ بدرجہ ان کی وسعت بڑھتی گئی حتیٰ کہ آج ذمہ دار حکومت کے راستہ پر ہم باقاعدہ قدم رکھتے ہیں۔

اس راہ میں جو ترقی ہوگی میں اس کا ایسی ہی ہمدردی اور دو چند دلچسپی سے نگران رہوں گا۔ راستہ کچھ ایسا آسان نہ ہوگا۔ اور منزل مقصود کی طرف بڑھنے میں

استقلال اور میری ہندوستانی رعایا کے تمام فرقوں اور قوموں کے درمیان باہمی مروت اور درگزر کی ضرورت ہوگی ۔ مجھے یقین ہے کہ یہ اعلےٰ صفات موجود ہو جائیں گی ۔ مجھے اعتماد ہے کہ جدید عمومی جماعتیں ان لوگوں کی خواہشوں کو عاقلانہ طور سے سمجھ کے واضح کر دیں گی ۔ جن کی وہ نائب ہو کے آئی ہیں ۔ اور ان لوگوں کے مفاد کا بھی خیال رکھیں گی جو پس ماندگی کی وجہ سے ابھی انتخاب میں شریک نہیں ہو سکے ۔ مجھے اعتماد ہے کہ ملک کے سرگروہ اور آئندہ وزراء ذمہ داری اٹھائیں گے اور غلط بیانیوں کی برداشت کریں گے ۔ سلطنت کی خاطر سے بہت کچھ ایثار گوارا کرینگے اور یاد رکھیں گے کہ سچی حب وطن کا مقام فرقوں اور ذاتوں کی حد سے بالاتر ہے ۔ اور مجالس وضع قوانین کا اعتماد برقرار رکھتے ہوئے بہبود عامہ کے واسطے میرے عہدہ داروں کے ساتھ مل کے کام کرینگے تاکہ غیر ضروری اختلافات مٹ جائیں اور انصاف پسند اور فیاض حکومت کے صحیح معیار قائم رہیں ۔ اسی طرح مجھے اپنے عہدہ داروں پر بھروسا ہے کہ وہ اپنے نئے ساتھیوں کی عزت کرینگے اور ان کے ساتھ نرمی سے کام کرینگے ۔ لوگوں کو اور انکے نمایندوں کو مدد دینگے تاکہ وہ آزاد جماعتیں قایم کرنے میں ترقی کریں ۔ اور ان نئے کاموں میں انکو ایک تازہ موقع مل جائیگا کہ حسب سابق میری رعایا کی خدمت گزاری کا سب اعلےٰ مقصد پورا کریں ۔

میری دلی خواہش ہے کہ اس وقت جہاں تک ممکن ہو اگر میری رعایا اور میری حکومت کے ذمہ دار لوگوں میں کوئی تلخی کا شائبہ ہو تو رفع کر دیا جائے ۔ جنھوں نے سیاسی ترقی کے جوش میں اب سے پہلے قانون کی خلاف ورزی کی ان کو بھی چاہیئے کہ آئندہ قانون کی پابندی کریں ۔ ایسا ہونا چاہیئے کہ جو لوگ باامن اور باقاعدہ حکومت قائم رکھنے کے ذمہ دار ہیں وہ بھی ان زیادتیوں کو بھلا سکیں جو انھیں دبانی پڑیں ۔ ایک نیا دور شروع ہو رہا ہے ۔ اس کی ابتدا یوں ہونی چاہیئے کہ میری رعایا اور میرے عہدہ دار یکساں تہیہ کر لیں کہ دونوں مل کر غرض مشترک کے واسطے کام کریں گے ۔ اسی نظر سے میں اپنے وائسرائے کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ میرے نام سے اور میری طرف سے سیاسی مجرموں پر اس قدر شاہی رحم ظاہر کرے جتنا اس کے نزدیک حفاظت عامہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے مناسب ہو ۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ مذکورہ بالا شرط کے ساتھ اس کو

باب ۱

ان تمام لوگوں کے ساتھ کام میں لائے جو سیاسی جرائم کی وجہ سے یا کسی خاص یا ہنگامی قانون کے تحت میں محبوس ہیں یا جن کی آزادی روک دی گئی ہے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ جن لوگوں کو اس نرمی سے فائدہ پہنچے گا وہ آیندہ اپنے طرزِ عمل سے اس کو بجا و درست ثابت کریں گے۔ اور میری کل رعایا اس طرح رہیگی کہ آیندہ ایسے جرائم کے واسطے قانون نافذ کرنے کی ضرورت پیش نہ آئیگی۔

برطانوی ہند میں نیا آئین جاری کرنے کے ساتھ ساتھ میں نے ایک ایوانِ رؤسا قائم کرنے کی بھی بخوشی رضامندی دی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اسکے مشوروں سے رؤسا کو اور خود ریاستوں کو دائمی فائدہ پہنچے گا۔ جو مفاد کہ دیسی ریاستوں اور برطانوی ہند میں مشترک ہیں ان کو ترقی ہو سکے گی اور بحیثیت مجموعی سلطنت کے واسطے مفید ہوگا۔ میں اس موقع پر ہندوستان کے رؤسا کو پھر یقین دلاتا ہوں کہ میرا پکا خیال ہے کہ ان کے امتیازات، حقوق اور رتبے پورے پورے محفوظ رکھے جائیں۔

میرا ارادہ ہے کہ اگلے موسم سرما میں اپنے نورِ چشم شاہزادہ ویلز کو ہندوستان بھیجوں تاکہ وہ میری طرف سے نئے ایوانِ رؤسا کا اور برطانوی ہند میں جدید آئین کا افتتاح کرے۔ خدا کرے وہ وہاں جائے تو اسکو ان لوگوں میں باہمی خوش دلی اور اعتماد نظر آئے جن پر ملک کی آیندہ خدمت کا دارومدار ہوگا۔ تاکہ ان کی کوششوں پر کامیابی کا تاج رکھا جائے اور ان کے نظم و نسق میں روز افزوں روشن خیالی نمودار ہو۔ اپنی تمام رعایا کے ساتھ میں بھی خدائے قادر کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ وہ اپنی حکمتِ بالغہ سے اور اس کے زیر ہدایت ہندوستان کو روز افزوں مرفہ الحالی اور فارغ البالی عطا کرے تاکہ وہ سیاسی آزادی کے کمال تک ترقی کرے۔

جارج شہنشاہ

دوسرا باب

وزیر ہند اور اسکی کونسل یا مجلس

مجلس نظما اور مجلس نگراں

اس سے قبل واضح ہوچکا ہے کہ پٹ کے ۱۷۸۴ء کے قانون نے حکومت ہند پر دوہری نگرانی قائم کردی تھی۔ ناظموں کی مجلس تو کمپنی کی طرف سے حکومت کی نگرانی کرتی تھی اور نگران مجلس پارلیمنٹ کی طرف سے نگرانی رکھتی تھی۔ اس مجلس میں دراصل چھ رکن شریک تھے۔ لیکن اس کے بعد وقتاً فوقتاً ان کی تعداد میں تخفیف ہوتی گئی حتیٰ کہ ۱۸۴۱ء کے بعد صرف صدر ہی ایک رکن رہ گیا۔ میزان اقتدار اسی مجلس کے ہاتھ میں تھی۔ اور زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی ذمہ داریاں بھی بڑھتی گئیں۔ ناظم اس مجلس میں پیش کئے بغیر کوئی مراسلہ ہندوستان نہیں بھیج سکتے تھے۔ اس کے علاوہ نگران مجلس کو یہ بھی حق حاصل تھا کہ اصرار کرکے جو مراسلہ چاہے ناظموں سے تیار کرالے۔

وزیر ہند کے اختیارات

۱۸۵۸ء میں جب حکومت ہند کی تمام و کمال ذمہ داری تاج برطانیہ نے لے لی۔ تو مجلس نگران کے صدر کا عہدہ ٹوٹ کر اس کے بجائے ایک پانچواں سکرٹری آف اسٹیٹ مقرر ہوا۔ سکرٹری آف اسٹیٹ کو بہت بڑے اختیارات حاصل تھے۔ ان کی سرسری تفصیل حسب ذیل ہے۔ ہندوستان کی حکومت اور ذرائع کے باب میں جس قدر اختیارات اور فرائض سابق میں مجلس نگران یا کمپنی یا ناظموں اور خفیہ کمیٹی سے متعلق تھے وہ عموماً سب وزیر ہند کے حصہ میں آگئے۔ سلطنت متحدہ میں سرکار ہند کے تمام کاروبار اسی کے ذریعہ سے انجام پانے لگے۔ مطالبات وطن جن کی مقدار سرکار ہند کے مجموعی مخارج کا پانچواں حصہ تھا۔ اسی کی نگرانی میں آگئے۔ ان مطالبات میں فوجی ساز و سامان۔ وظائف رخصتی بھتے وغیرہ جیسے اخراجات شامل تھے۔ ہندوستان کے تمام امور میں تاج برطانیہ کا وہی آئینی مشیر بن گیا۔ تمام تقررات جو تاج برطانیہ کے ہاتھ میں تھے وزیر ہند کے مشورے سے عمل میں آتے تھے۔

البتہ وائسرائے کے تقرر میں وزیر اعظم کی سفارش مانی جاتی تھی۔ وزیر ہند کو سرکارِ ہند پر بھی بہت کچھ اختیارات حاصل تھے۔ اور اس کو وزیر ہند کے احکام کی تعمیل کرنی پڑتی تھی وضع قانون کی تمام تجویزوں کے لیے خواہ وہ ہندوستان کی خواہ کسی صوبہ کی مجلس وضع قوانین میں پیش ہونے والی ہوں اول وزیر ہند کی منظوری کی ضرورت تھی اور محاصل کی تمام تبدیلیاں اول اس کے ملاحظہ میں پیش کرنی ہوتی تھیں۔ سچ پوچھیے تو تمام معاملات جن سے عام مسالک میں کوئی تبدیلی پیدا ہو یا مخارج میں اضافہ ہو اور نیز نظم ونسق کا بہت سا تفصیلی کام اسکی منظوری کے ماتحت رہتا تھا۔

پارلیمنٹ کے سامنے وزیر ہند کی ذمہ داری

اگرچہ اختیارات بہت کچھ تھے۔ تاہم اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وزیر ہند کوئی مطلق العنان اور خود سر حکمران تھا کہ بیٹھے بیٹھے حکم احکام جاری کیا کرتا اور وہ بھی ان کروڑہا انسانوں کے واسطے جنکو اس نے کبھی دیکھا بھی نہ تھا اور جن کے طریق زندگی کا اس کو بہت ہی کم علم ہوسکتا تھا نہ صرف اپنے کاموں کے لیے بلکہ ان حکومتوں اور حکام کے کاموں کے واسطے بھی جن کو اس نے اپنی ذمہ داریاں تفویض کر دی تھیں۔ وہ پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ سمجھا جاتا تھا۔ ہر دو ایوان میں حکومت ہند کے متعلق سوالات ہوسکتے تھے اور قواعد ایوان کے بموجب ہر رکن بحث اٹھانے اور تحریک پیش کرنے کا مجاز تھا۔ وزیر ہند خود بھی پارلیمنٹ کا رکن تھا۔ وزیر کابینہ تھا اور پریوی کونسل کا بھی رکن تھا۔ لہذا اس کو دارالعوام میں کثرت کی تائید اپنے ساتھ رکھنی ضرور تھی۔ اور انگلستان کی فرقہ بند حکومت کے نشیب و فراز کے مطابق اسکو اپنا عہدہ قبول کرنا اور اس سے مستعفی ہونا پڑتا تھا۔

وضع قوانین کے معاملہ میں گرچہ پارلیمنٹ کی سیادت کا اقتدار قوی ہے تاہم اس نے کوئی ایسا قانون پاس نہیں کیا جسکا ہندوستان کے اندرونی معاملات پر اثر پڑتا ہو۔ یہ کام اس نے ہندوستان کی متعدد مجالس وضع قوانین پر چھوڑ رکھا ہے البتہ وزیر ہند کے توسط سے ان کے وضع کیے ہوئے قوانین پر نگرانی ضرور رکھتی ہے چنانچہ وزیر ہند سے ان کے متعلق جواب طلب کیا جاسکتا ہے۔ اور اسکو ایسے قوانین کی توجیہہ اور جوابدہی کرنی پڑتی ہے۔ لیکن پارلیمنٹ کو ہندوستان کی

دستوری ترقی پر نگرانی رکھنے کا جو اختیار حاصل ہے وہ اس نے کبھی کسی کو منتقل نہیں کیا۔ گزشتہ فصل میں پارلیمنٹ کے بعض ایسے قوانین کا ذکر آ چکا ہے جنہیں محکمہ انتظامی۔ محکمہ قانون اور محکمہ عدالت کی تعریف اور جواز درج ہے۔ صرف پارلیمنٹ ہی خود ان قوانین میں تغیر و تبدل کرنے کی مجاز ہے اس کے برعکس بڑی بڑی اہم تبدیلیاں جو پارلیمنٹ کے قوانین کی ماتحت نہیں ہیں۔ مثلاً دارالسلطنت کا کلکتہ سے دہلی منتقل ہونا۔ ان کا قانون بناتے وقت پارلیمنٹ میں پیش ہونا ضرور نہیں۔ مارلے منٹو اصلاحات کے مطابق جس طرح ہندوستانی غیر سرکاری اراکین کا تقرر عمل میں آتا ہے اس سے یہ فرق بخوبی ظاہر ہو سکتا ہے۔ گورنر جنرل کی کونسل میں ایک مقررہ نسبت ایسے اراکین کی رکھی گئی ہے جو ہندوستان میں تاج برطانیہ کے ملازم رہ چکے ہوں۔ اس طرح مزید قانون وضع کیے بغیر لارڈ مارلے غیر سرکاری ہندوستانی کا تقرر کر سکتے تھے۔ اس کے برعکس مدراس اور بمبئی کی کونسلوں میں گورنر کے علاوہ دو دو ارکان اور شریک رہتے تھے۔ لیکن ان کے واسطے قانوناً ضرور تھا کہ ایک مدت معینہ تک انھوں نے ہندوستان میں تاج برطانیہ کی خدمت گزاری کی ہو۔ چونکہ اس سے قانون میں تبدیلی لازم آتی تھی اس لیے کسی قوم کا غیر سرکاری رکن مقرر کرتے وقت براہ راست پارلیمنٹ سے استصواب کرنا ضرور تھا۔

مالی معاملات میں بھی پارلیمنٹ کے اختیارات نگرانی کسی قدر محدود رکھے گئے ہیں۔ جدید اصلاحات سے قبل وزیر ہند کی حیثیت وزیر نو آبادیات سے مختلف تھی۔ وزیر نو آبادیات کی تنخواہ اور اس کے عملہ دفتر کے اخراجات سرکار برطانیہ کے خزانہ سے وصول کیے جاتے ہیں اور اس وجہ سے وہ ہر سال موازنہ کے ساتھ دارالعوام میں پیش ہوتے ہیں۔ جب یہ مدات زیر بحث ہوں تو وزیر نو آبادیات کے عام مسلک یا اس کے کام کی تفصیل پر مباحثہ ہو سکتا ہے۔ اور دارالعوام کی طرف سے اس کے مالی تخمینوں میں ترمیمات ہو سکتی ہیں۔ لیکن وزیر ہند کے معاملے میں یہ بات نہ تھی۔ وزیر ہند اور کونسل یا مجلس کی تنخواہ اور اس کے عملۂ دفتر کے اخراجات ہندوستان کے خزانہ سے وصول ہوتے ہیں نہ کہ برطانیہ کے خزانہ سے۔ ہندوستان

کے مداخل اور مخارج پر پارلیمنٹ کی کوئی نگرانی نہیں ہے ۔ اگر ہے تو صرف اس قدر کہ پارلیمنٹ کی منظوری بغیر نہ تو سرکاری قرضہ میں کوئی اضافہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہندوستان کی حدود سے باہر جنگی مہمات کے اخراجات عمل میں آسکتے ہیں ۔ ایک مالی کیفیت جو عام طور پر ہندوستانی موازنہ کہلاتی ہے جسکی ایک سب سے تعلق ناظر حسابات جانچ پڑتال کرتا ہے اور جس میں سال ماسبق کے محاصل و مخارج درج ہوتے ہیں ۔ اور اس کے ساتھ برطانوی ہند کی اخلاقی و مادی ترقی کی ایک تفصیلی کیفیت یہ سب کچھ ہر سال پارلیمنٹ میں پیش ہوتا ہے ۔ لیکن ان کیفیتوں کے پیش ہونے پر صرف ایک باضابطہ تحریک پاس کردی جاتی ہے جس میں ہندوستان کے محاصل و مخارج درج ہوتے ہیں ۔

ہندوستان کے معاملات میں پارلیمنٹ کی دلچسپی گنڈے دار (گاہ باشد وگاہ نباشد) رہی ہے ۔ چند سال سے دارالعوام کی نسبت دارالامرا ہندوستان کے معاملات میں زیادہ سرگرمی سے دلچسپی لے رہا ہے ۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ دارالامرا میں بہت سے سابق وائسرائے گورنر اور ایسے لوگ شریک ہیں، جنکو ہندوستان کا کافی تجربہ حاصل ہے ۔ بعض لحاظ سے پارلیمنٹ کی بے عملی کا یہ طریق ہندوستان کے حق میں مفید ثابت ہوا ۔ حکومت ہند کے پیچیدہ معاملات میں پارلیمنٹ کا ہمیشہ دخل دینا خراب نتائج پیدا کرتا ۔ اور خصوصاً ہندوستان کا نظم ونسق وہاں کی سیاسی فرقہ بندی کے جھگڑوں میں پڑجاتا ۔ لیکن اس کی نوبت نہیں آئی ۔ چنانچہ لارڈ مارلے کے اصلاحات فرقہ بندی کے معاملات سے الگ سمجھے گئے اور اس زمانہ کے دونوں بڑے سیاسی فرقوں نے ان کو قبول کرلیا ۔ مسٹر مانٹیگو کے اصلاحات بھی اسی طور پر سمجھے گئے ۔ اور سب تسلیم کرتے ہیں کہ پارلیمنٹی کمیٹی نے جس میں تینوں سیاسی فرقوں کے رکن شریک تھے اس تجویز میں بہت سی اصلاحیں کردیں ۔ اور قانون اصلاحات کو فرقہ بندی کا معاملہ نہیں بنایا ۔ لیکن گرچہ پارلیمنٹ نے من حیث الجماعت ہندوستان کے معاملات میں بہت کم دخل دیا ۔ تاہم سوالات کے ذریعہ سے وزیر ہند کو ہمیشہ یاددہانی کیجاتی ہے کہ وہ پارلیمنٹ کے روبرو جواب دہ ہے ۔ اور اسکو نہ صرف صحیح معلومات بہم پہنچانے

بلکہ حکومت ہند کا مسلک درست ثابت کرنیکے واسطے ہمیشہ تیار رہنا چاہیئے۔ پس لامحالہ اسکو نگرانی کے وہ مخصوص اختیارات جو قانون حکومت ہند کی رو سے حاصل ہیں کسی قدر سختی سے برتنے پڑتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہندوستان کے معاملات پر وزیر ہند کی تفصیلی نگرانی رہنے سے کارروائیوں میں تاخیر اور تصادم ہوتا ہے اور اس کی بدولت نہ تو سرکار ہند کو معقول اختیارات مل سکے۔ اور نہ علی ہذا سرکار ہند صوبوں کی اور دوسری ماتحت حکومتوں مثلاً مقامی مجالس اور بلدیات کو کچھ اختیارات تفویض کر سکی۔ لیکن چونکہ ہندوستان میں عوام کی نیابت سے ذمہ دار مجالس وضع قوانین قائم نہ تھیں وزیر ہند کی روک ٹوک کچھ مفید ہی رہی اور وزیر ہند خود بھی پارلیمنٹ کے روبرو جوابدہ تھا۔ جب کسی حکومت کو اپنے افعال بجا اور درست ثابت کرنے کی ضرورت پیش آتی رہے تو اندیشہ ہے کہ وہ اس امر کو بھلا دے کہ وہ ملک کے لوگوں کو جوابدہ ہے۔

پارلیمنٹ سے کیونکر ذمہ داری ہندوستانی مجلس وضع قوانین کیطرف منتقل ہوئی

۲۰ اگست ۱۹۱۷ء کے اعلان سے سرکار ہند کی ذمہ داری کا مسئلہ نمایاں ہو گیا ملک معظم کی حکومت نے اس وقت اپنے اس ارادہ کا اعلان کیا اور بعدہ پارلیمنٹ نے بھی اس سے اتفاق کیا کہ تدریجی طور پر خود اختیاری حکومت کے ادارات کو ترقی دی جائے تاکہ ہندوستان میں ذمہ دار حکومت کا مقصد روز افزوں طور پر حاصل ہو اور ہندوستان سلطنت برطانیہ کا جزو لاینفک بنا رہے پارلیمنٹی کمیٹی نے بیان اور اضافہ کیا کہ ملک معظم کی حکومت کا مسلک پورا ہونے سے قبل یہ بھی ضرور ہے کہ ملک میں انتخاب کا طریقہ پھیلے اور لوگوں میں امور عامہ کے انتظام کی قابلیت بڑھے۔ پس یہ عجیب مشکل مرحلہ تھا کہ پارلیمنٹ کی سیادت اور ہندوستان کی مجالس وضع قوانین کی سیادت کے بین بین کوئی وسطی منزل قرار دی جائے۔ جب تک کہ ایک طرف پارلیمنٹ اور وزیر ہند کے اختیارات میں ڈھیل نہ پڑتی نیابتی ذمہ دار ادارات کبھی نہ ابھرتے۔ کیونکہ غلطیاں کرنا اور ان کے نتائج بھگتنا صرف یہی ایک ایسا طریق ہے جس سے تجربہ اور ذمہ داری کا سچا احساس حاصل ہوتا ہے۔ دوسری طرف پارلیمنٹ کی نگرانی جو بیشتر وزیر ہند کے توسط سے عمل میں آتی ہے قبل از وقت نرم

ہو جاتی اور اس وقت تک عوام کے نائب اور ذمہ دار ادارات قائم نہ ہوتے کہ جن کو نئے فرائض اور کارروائیوں کا کچھ تجربہ ہوتا تو اس صورت میں اندیشہ تھا کہ محکمہ انتظامی کو بڑا غلبہ حاصل ہو جاتا۔ محکمہ انتظامی خواہ وہ انگریزی ہو یا ہندوستانی اس کو اپنے افعال کے واسطے عوام کی ایک نائب مجلس کے روبرو جوابدہ ہونا ضرور ہے۔ لارڈ چیمسفورڈ اور مسٹر مانٹیگو نے یہ اصول تجویز کیا تھا کہ ہندوستانی محکمہ انتظامی کو بعض معاملات میں تو برطانوی پارلیمنٹ کے روبرو اور بعض میں جدید ہندوستانی مجلس وضع قوانین کے روبرو جوابدہ رہنا چاہیئے۔

ہندوستانی دستور کی ترقی میں پارلیمنٹ کی ذمہ داری

گویا پارلیمنٹ کو دوہرا کام درپیش تھا ایک طرف تو ہندوستان کی باقاعدہ حکومت کے واسطے اپنی ذمہ داری برقرار رکھنا بلکہ قوی کرنا۔ اور اس کے ساتھ ہی بعض معاملات میں اپنی گرفت ڈھیلی کر دینا۔ پارلیمنٹی کمیٹی نے اس واسطے یہ بہت ضروری سمجھا کہ پارلیمنٹ صاف صاف جتا دے کہ ہندوستان میں خود اختیاری حکومت کی ترقی کے پیہم مدارج کی ذمہ داری تنہا پارلیمنٹ پر عاید ہوتی ہے اور یہ ایسی ذمہ داری تھی کہ اس کو منتقل کرنا تو درکنار اس میں ہندوستان کی جدید منتخبہ مجالس وضع قوانین کی شرکت بھی پارلیمنٹ گوارا نہیں کر سکتی۔ پارلیمنٹ کو اس معاملہ میں مدد دینے کے واسطے کمیٹی نے یہ تجویز پیش کی کہ دس سال گزرنے پر نہ کہ اس سے پیشتر ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا جاوے جو دستور کے عمل کو جانچے اور یہ مشورہ دے کہ خود اختیاری حکومت کے جو اختیارات پہلے سے دیئے جا چکے ہیں ان میں کس حد تک توسیع تجدید یا ترمیم ہونی چاہیئے۔ پارلیمنٹی کمیٹی نے ایسی تدابیر بھی تجویز کیں جنکے ذریعہ سے پارلیمنٹ ہندوستان کے معاملات سے زیادہ قریبی تعلقات رکھ سکے

اول تو وزیر ہند کا مشاہرہ اور اس کے دفتر کے سیاسی اخراجات اب برطانوی موازنہ میں شریک کیئے جاتے ہیں نہ کہ حسب سابق ہندوستانی موازنہ میں۔ اس صورت میں دارالعوام چاہے تو وزیر ہند کا مشاہرہ گھٹا کر اسکو ملامت کر سکتا ہے جس کے معنی یہ ہونگے کہ گویا وزیر ہند پر بے اعتمادی کی تحریک پاس کر دیگئی۔ کمیٹی نے یہ بھی تجویز پیش کی کہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی طرف سے ایک مشترک کمیٹی مقرر رہے جو پارلیمنٹ کو ہندوستان کے معاملات سے بمقابل

سابق زیادہ باخبر رکھ سکے۔ اس کمیٹی کا کام محض صلاح و مشورہ دینا ہے چنانچہ اصلاحات کی جدید تجویز کے متعلق جو قواعد و ضوابط بنے ان میں وزیر ہند کو اس کمیٹی سے بھی مشورہ کرنا پڑا۔ اور ہمیشہ ہندوستان کے معاملات پر متوجہ رہ کر یہ کمیٹی ایک ہندوستانی مسلک کی حقیقی ترقی میں پارلیمنٹ اور برطانوی عوام کی دلچسپی پیدا کر سکے گی۔ کمیٹی نے تیسری بات یہ تجویز کی کہ سرکار ہند کے اعمال اور مسلک کے متعلق معلومات اور توجیہات بہ مقابل حال زیادہ مستعدی سے مہیا ہونے چاہئیں۔ انگلستان میں سرکار اپنا مسلک انتخاب کنندوں کو سمجھاتی رہتی ہے ورنہ اس کا دور اقتدار معرض خطر میں آجاتا ہے۔ سرکار اپنی جواب دہی نہ صرف پارلیمنٹ میں تقریروں کے ذریعہ بلکہ عوام کے روبرو خطبات میں پیش کرتی ہے۔ لارڈ چیمسفورڈ اور مسٹر مانٹیگو نے توجہ دلائی کہ حکومت ہند کے اراکین کو بھی کچھ ایسا طریق اختیار کرنا ضرور ہے۔ یہ طریق نہ صرف حکومتوں کے مفاد کے واسطے ضروری ہے بلکہ اس سے انتخاب کنندوں کو اور عامہ میں تعلیم و تربیت حاصل ہوگی۔ ذمہ دار حکومت کی پہلی شرط یہ ہے کہ ایک وسیع اور باخبر حلقہ انتخاب ہو۔ اسلئے اس دوران میں جبکہ ہندوستان بتدریج مکمل ذمہ دار حکومت کی طرف بڑھ رہا ہے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہندوستان کے عوام کو سیاسی معاملات مطالعہ کرنے کی کافی سہولتیں حاصل ہوں منجملہ دیگر وجوہ کے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جس کے لحاظ سے یونیورسٹی کے نصاب میں علم سیاسیات داخل کیا گیا اور ہندوستان کے برطانوی نظم و نسق کا تھوڑا بہت علم طلبہ کے واسطے لازمی قرار دیا گیا حال میں سرکار ہند نے اس بارہ میں ایک اور ترقی دکھائی ہے۔ وہ یہ کہ ایک محکمۂ اطلاعات خاص افسر کے زیر نگرانی قائم کیا گیا ہے جس کا ایک فرض یہ بھی ہے کہ ہندوستان کی ترقی کی بابت ایک سالانہ کیفیت تیار کر کے پیش کرتا ہے۔ یہ کیفیت گویا پہلے زمانے والی اخلاقی اور مادی ترقی کی کیفیت کی جانشین ہے جو پارلیمنٹ میں پیش ہوتی تھی۔

دیگر معاملات میں پارلیمنٹ کی نگرانی میں ڈھیل

ہندوستان کے بارے میں پارلیمنٹ کی ذمہ داری جتانے کے بعد پارلیمنٹری کمیٹی نے چند امور میں اس کی نگرانی ڈھیلی کر دی۔ اس کی خواہش یہ تھی کہ امور متذکرہ میں وزرا و اضعان قوانین اور انتخاب کنندوں کی ذمہ داری صاف طور پر معین ہو جائے

باب ۲

یہ انتخاب کنندوں کا کام ہے کہ متعدد صوبوں کی مجالس وضع قوانین میں اپنے اہل نائب انتخاب کر کے بھیجیں اور وزرا اپنے افعال کے واسطے انھی کو جوابدہ ہونگے۔ اگر وہ نااہل نائب مقرر کریں اور کام خراب ہو تو اس کا الزام انھی پر آئے گا اور اسکا یہی علاج ہوگا کہ آئندہ موقع پر لائق نائب انتخاب کیے جائیں۔ اس لئے پارلیمنٹری کمیٹی نے یہ طے کر دیا کہ امور مفوضہ پر سرکار ہند اور وزیر ہند کی نگرانی حتی الوسع مختصر کر دینی چاہیئے اور اسکے حدود ان قواعد میں بیان کر دیئے گئے ہیں جو جدید قانون کے ذیل میں تیار ہوئے ہیں۔ کمیٹی کی یہ بھی تجویز تھی کہ محفوظ امور میں بھی نگرانی کسی قدر ڈھیلی کر دینی چاہیئے۔ چنانچہ اس نے یہ اصول قرار دیا کہ جب مجلس وضع قوانین اور صوبہ کی حکومت کسی امر میں متفق ہو جائے تو عموماً انھیں کی رائے کو چلنے دیا جائے۔

رہے سرکار ہند کے فرائض ان کی بابت پارلیمنٹری کمیٹی نے یہ رائے ظاہر کی کہ ایک ایسی مجلس وضع قوانین قائم ہونے سے جس میں انتخاب شدہ اراکین کی کثرت ہوگی یہ ضرور ہے کہ سرکار ہند کے اختیارات کا حلقہ عمل وسیع کیا جائے۔ اس لیئے صرف خاص خاص صورتوں میں یہ مناسب ہوگا کہ خالص ہندوستانی مفاد کے معاملات میں جہاں سرکار ہند اور مجلس وضع قوانین متفق ہو وزیر ہند سے مداخلت کے واسطے خواہش کی جائے۔ جن تجاویز کا اس بارے میں ذکر آیا اور جن کو پارلیمنٹ منظور کر چکی ہے وہ درحقیقت ذمہ دار حکومت کی طرف اچھی خاصی ترقی ظاہر کرتی ہیں۔

ہندوستان کا ہائی کمشنر

کمیٹی نے زیر صدارت لارڈ کریو جو تجویز پیش کی تھی کہ ہندوستان کا ہائی کمشنر مقرر ہونا چاہیئے۔ پارلیمنٹری کمیٹی نے اس تجویز کی بھی تائید کی۔ یہ عہدہ دار گویا سرکار ہند کا ایجنٹ ہے اور سرکار کے واسطے ہر قسم کا ضروری سامان خریدتا ہے۔ یہ کام پہلے وزیر ہند کی نگرانی میں انجام پاتا تھا۔ اس عہدے کے قائم ہونے سے ہندوستان کا رتبہ بھی لندن میں خود اختیار حکومت والی نوآبادیات کا سا ہو گیا۔ نوآبادیات کے ہائی کمشنر اپنی اپنی حکومتوں کے نائب ہونے کے علاوہ اپنے ملکوں کے متعلق بہت کچھ معلومات پھیلاتے ہیں اور اپنے ہم وطنوں کو سلطنت متحدہ میں ان کے دوران قیام میں ہر طرح کی مدد دیتے ہیں۔

انڈیا کونسل

۱۸۵۸ء سے وزیر ہند کے ساتھ ایک جماعت چلی آتی ہے جو انڈیا کونسل

کہلاتی ہے۔ اس سال جو تغیر و تبدل عمل میں آیا اسی سلسلہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ناظموں نے دارالامرا میں ایک گزارش پیش کی جس میں اس امر پر زور دیا گیا کہ معاملات ہند کو لندن میں طے کرنے کے واسطے ماہر اور تجربہ کار لوگوں کے مشورے کی بہت ضرورت ہے۔ نتیجہ یہ کہ انڈیا کونسل قائم کی گئی۔ وزیر ہند اس کونسل کا صدر ہے وزیر ہند خود ہی نائب صدر مقرر کرتا ہے اور اس کو جب چاہے الگ کرسکتا ہے۔ وزیر ہند ہی کونسل کے اراکین مقرر کرتا ہے ان لوگوں کو رہنا لازم ہے لیکن ان لوگوں کے واسطے پارلیمنٹ کی کمیٹی قانوناً ممنوع ہے تاکہ یہ فرقہ ہند سیاسیات میں کوئی عملی شرکت نہ کرسکیں۔ وقتاً فوقتاً اراکین کی تعداد مختلف رہی ہے۔ جدید قانون کے مطابق تعداد حسب صوابدید وزیر ہند کم از کم آٹھ اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہو سکتی ہے۔ نصف اراکین کے واسطے لازم ہے کہ کم از کم دس دس سال ہندوستان میں رہ چکے ہوں۔ اور تقرر کے وقت ان کو ہندوستان چھوڑے ۵ سال سے زیادہ زمانہ نہ گزرا ہو ۱۹۱۹ء میں تین ہندوستانی اراکین کونسل میں شریک تھے۔ لیکن پارلیمنٹی کمیٹی کی رائے ہوئی کہ مزید ہندوستانیوں کی شرکت اور بھی مفید ہوگی ۱۹۱۹ء کے قانون میں میعاد تقرر ۷ سال سے گھٹا کر ۵ سال مقرر کردی گئی۔ پارلیمنٹی کمیٹی کا خیال تھا کہ اس طریق سے ہندوستان کا تازہ ترین تجربہ کونسل تک پہنچتا رہے گا اور ہندوستانی اراکین کو ۷ سال کی طولانی مدت ولایت میں بسر کرنے کی ضرورت بھی نہ رہے گی وزیر ہند کونسل کی کمیٹیاں بنا سکتا ہے اور بالعموم ہدایت کرسکتا ہے کہ کس طرح وزیر ہند یا وزیر ہند باجلاس کونسل کا کام چلنا چاہیئے صرف حضور شہنشاہ پارلیمنٹ کے ہر دو ایوان کی عرضداشت پیش ہونے پر کونسل کے کسی رکن کو اس کے عہدہ سے الگ کرسکتے ہیں۔

انڈیا کونسل کے اختیارات اور فرائض۔

کونسل کے کیا کیا اختیارات ہیں اور ہندوستان کے مسائل پر ان کا کس قدر اثر پڑتا ہے۔ یہ بحث اور بھی زیادہ دشوار ہے۔ اس کے اختیارات صرف چند امور تک محدود ہیں مثلاً ہندوستان کے محاصل یا جائداد کی تملیک۔ فوجی اور سول عہدہ داروں کی برطرفی۔ سول سروس کے امتحان کے قواعد اور ہندوستان میں سول سروس کے عہدوں پر لوگوں کا تقرر ان معاملات میں کونسل میں کثرت رائے کی ضرورت ہے۔ دیگر معاملات میں کونسل محض ایک مشیر کے طور پر رہتی ہے۔ ہر ماہ

باب ۲

کونسل کا کم از کم ایک اجلاس ہونا ضرور ہے۔ کونسل کے اجلاس میں جو معاملہ طے ہوا ہو اگر اس سے اختلاف ہو تو کوئی رکن جو اس جلسہ میں شریک رہ چکا ہو اپنی رائے کو روئداد میں جداگانہ درج کرا سکتا ہے۔ ہندوستان کو احکام اور مراسلات بھیجنے کا طریق وزیر ہند باجلاس کونسل اپنے حکم سے مقرر کرتا ہے۔

انڈیا کونسل کا اثر

عام طور پر تو انڈیا کونسل کے اختیارات محدود ہیں اور زیادہ تر مشورہ کی نوعیت رکھتے ہیں۔ لیکن اس کا اثر بالواسطہ بہت خاصا پڑتا رہا ہے۔ گرچہ لارڈ لینسڈون۔ لارڈ نارتھ بروک۔ لارڈ رپن اور لارڈ کرزن جیسے لوگ ہندوستان کی خدمت سے فارغ ہو کر کابینہ کے رکن رہ چکے ہیں۔ لیکن اب تک کوئی وزیر ہند ایسا نہیں گزرا جو پہلے ہندوستان میں کسی عہدہ پر رہ چکا ہو۔ پس جن امور کا نظم و نسق اسکے سپرد ہوتا ہے وہ ان کا کوئی عملی تجربہ نہیں رکھتا اور لامحالہ اپنی کونسل کے ان اراکین کی رائے سے متاثر ہوتا ہے جو اپنی زندگی کا بہترین حصہ ہندوستان کی خدمت میں بسر کر چکے ہوں۔

وزیر ہند اور سرکار ہند

وزیر ہند اور سرکار ہند کے واقعی تعلقات کیا ہیں۔ ابھی یہ بیان باقی ہے۔ قانوناً تو معاملہ بالکل صاف ہے یعنی یہ کہ گورنر جنرل باجلاس کونسل پر واجب ہے کہ وزیر ہند کے جو حکم احکام پہنچیں ان کی پوری تعمیل کرے۔ لیکن عملی طور پر وقتاً فوقتاً حیثیت مختلف رہی ہے۔ بہت کچھ دارومدار اس امر پر ہے کہ کسی خاص زمانہ میں پارلیمنٹ ہندوستان کے معاملات میں کس قدر دلچسپی لیتی ہے۔ اگر یہ دلچسپی زیادہ ہے تو وزیر ہند کو سرکار ہند کے کاموں پر سخت نگرانی رکھنی پڑتی ہے۔ اگر دلچسپی کم ہے تو وزیر ہند ممکن ہے یہی بہتر سمجھے کہ معاملات سرکار ہند کی صوابدید پر چھوڑ دے۔ علاوہ بریں جیسا کہ لارڈ چیمسفورڈ اور مسٹر مانٹیگو اشارہ کر چکے ہیں شملہ اور وہائٹ ہال کے تعلقات ذاتی خصوصیات کے مطابق مختلف رہتے ہیں۔ اگر یہ شکایت کبھی ہندوستان میں پیدا ہوئی کہ وائسرائے محض سرکار برطانیہ کے ایجنٹ اور گماشتے سمجھے جاتے ہیں تو یہ بھی بتانا بیجا نہ ہوگا کہ بعض زمانوں میں وائسراؤں نے وزراء ہند کو محض اپنا آلۂ نطق سمجھا کہ وہ انکا مسلک پارلیمنٹ میں واضح کرتے رہیں۔ عمل درآمد جو کچھ رہا ہو اور وہ مختلف رہا ہے۔ ٹھیک یہی ہے کہ وزیر ہند سرکار ہند

سکے کاموں پر کچھ نگرانی ضرور رکھے سب سے پہلے تو وہ برطانوی پارلیمنٹ کو جوابدہ رہتے - دوسرے یہ کہ آب وہوا اور دیگر وجوہات سے ہندوستان کے حکام جلد جلد بدلتے رہتے ہیں - اور بڑے بڑے حاکم ۵ سال سے زیادہ شاذونادر برسر عہدہ رہتے ہیں، ایک حد تک ہر حکومت میں ضرور ہے کہ مسلک میں کوئی یکرنگی قائم رہے - اور خصوصاً ہندوستان میں جہاں لوگ جلد جلد بڑی تبدیلیاں ہونے سے گھبراتے ہیں - وزیرہند اور اسکی کونسل کے تجربہ کار اراکین ایک حد تک مسلک کی یکرنگی برقرار رکھتے ہیں - تیسرے جبکہ مقابلۃً عوام کی نگرانی غائب ہو تو یہ مفید ہے کہ سرکار ہند اپنے کاموں کے واسطے کسی اعلیٰ حاکم کو جوابدہ ہو وہ حکمران جو اس مفید دستور سے مستثنےٰ رہے ہوں ممکن ہے جلد اس مضر خیال میں پڑ جائیں کہ کسی معاملہ میں صرف اپنے آپ کو اس کی خوبیوں سے مطمئن کر لینا کافی ہے

وزیرہند کے اختیارات میں ڈھیل

اس سے قبل بھی بیان ہوچکا ہے کہ ۱۹۱۹ء کے قانون اصلاحات کے وقت پارلیمنٹ رضامند تھی کہ پارلیمنٹ کی نگرانی ہندوستان کے معاملات میں کسی قدر کم کر دی جائے چنانچہ قانون میں ایک ایسے جملہ کا اضافہ کیا گیا جسکی رو سے وزیرہند کی نگرانی میں بھی تخفیف ہو گئی - قانون کے ذیل میں جو قواعد وضوابط بنائے گئے ہیں یہ انتظام بھی شامل ہے - امور مفوضہ کے علاوہ جو امور ہیں ان کے قواعد وضوابط کے واسطے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں سے منظوری حاصل کرنی ضرور ہے - رہے امور مفوضہ کے قواعد سو انکو بھی ہر دو ایوان میں پیش کرنا ضرور ہے اور جو ایوان چاہے تیس دن کے اندر اندر ملک معظم سے استدعا کر سکتا ہے کہ قواعد یا ان کا کوئی جزو منسوخ کر دیا جائے -

ہندوستانی تقرریات

ایک اہم معاملہ اور باقی ہے جس کا کچھ ذکر ضرور ہے - یعنی ہندوستانی تقرریات کا سوال - یہ وہ چٹان ہے جس پر فاکس اور نارتھ کی اتحادی وزارت پاش پاش ہو گئی - اور پٹ نے عقلمندی سے ہندوستان کی مربی گری کمپنی ہی کے ہاتھ میں چھوڑ دی - ۱۸۶۳ء میں گورنر جنرل - گورنروں کا اور کمانڈر انچیف کا تقرر تاج برطانیہ کے تحت میں آ گیا -

آج کل وزیرہند کو مربی گری کچھ زیادہ حاصل نہیں ہے حتیٰ کہ بمقام

وہائٹ ہال خود اپنے دفتر میں نہیں ہے - وہاں دو نائب وزیر اس کے مددگار ہیں ایک سرکاری عہدہ دار اور ایک پارلیمنٹ کا رکن یہ دستور ہے کہ اگر وزیر ہند دارالامرا کا رکن ہو تو پارلیمنٹی نائب وزیر دارالعوام کا رکن ہونا چاہیئے اور علیٰ ہذا اس کے برعکس ہوتا ہے آج کل (سنہ ۱۹۲۰ء) مسٹر مانٹیگو وزیر ہند دارالعوام کے رکن ہیں اور لارڈ لٹن نائب وزیر دارالامرا کے اس طرح پارلیمنٹ کے ہر دو ایوان میں ہندوستان کے معاملات پر ایک ایک مقرر (اسپیکر) موجود ہے - سنہ ۱۸۵۸ء میں مجلس نگراں اور مجلس نظما کے ملازموں کو وزیر ہند نے پھر اپنے دفتر انڈیا آفس کے عملہ میں داخل کر لیا محرری کے اعلےٰ شعبہ میں داخل ہونے کے وہی قواعد اور امتحانات ہیں جو ہندوستان اور نوآبادیات کی سول سروس کے واسطے مقرر ہیں تحتانی شعبہ کے عہدے جو دوم درجہ کی محرریاں اور مددگار محرریاں کہلاتے ہیں - ان امیدواروں سے پُر ہوتے ہیں جو دوسرے مقابلہ کے امتحانات پاس کر چکے ہوں دفتر کے اندر تمام ترقیاں وزیر ہند کے ہاتھ اختیار ہیں - سوائے ترقی ناظر حسابات کے کہ اس کا تقرر کا حکم تاج برطانیہ کی طرف سے جاری ہوتا ہے اور اس پر وزیریاں کے بھی دستخط ثبت ہوتے ہیں -

ہندوستان کے تقررات اور ترقیوں میں وزیر ہند کا بہت کم دخل ہے - گورنر جنرل کو تو وزیر اعظم کے مشورہ سے بادشاہ مقرر کرتا ہے اور کمانڈر انچیف صوبوں کے گورنروں مجلس انتظامی کے اراکین ان سب کو وزیر ہند اور گورنر جنرل کے مشورہ سے - ایسے مختلف صوبوں میں امور مفوضہ جن وزرا کے سپرد ہیں ان کو گورنر یا صوبہ کا اعلےٰ حاکم مجلس وضع قوانین کے منتخب اراکین میں سے انتخاب کرتا ہے - ہائی کورٹوں کے ججوں کا تقرر جن قواعد کے بموجب عمل میں آتا ہے - انکی تشریح آئندہ کی جائیگی -

ہندوستانی سول سروس

مجلس انتظامی کی رکنیت کے نیچے جو اہم عہدے ہیں ان کے متعلق دو امر قابل ذکر ہیں - سنہ ۱۷۹۳ء میں معاہدی یا ہندوستانی سول سروس کی جماعت قائم ہوئی جس کے اراکین نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے معاہدہ کیا کہ نہ تو وہ تحفے تحائف وصول کریں گے نہ تجارت میں شرکت کرینگے - ان لوگوں کے واسطے ازروئے منشور

باب ۲

کچھ عہدے مخصوص کر دیئے گئے ۔ ۱۸۵۳ء تک تو ناظم ان عہدوں پر لوگوں کو نامزد کرتے رہے اس کے بعد سے داخلہ کے واسطے امتحان مقابلہ جاری ہو گیا نتیجہ یہ ہوا کہ بلا تفریق قوم و مذہب ان خدمات کا دروازہ تمام برطانوی رعایا کے واسطے کھل گیا امیدواروں کی عمر اور دیگر اوصاف کے متعلق جو قواعد ہیں ۔ اور امتحان کے واسطے جو مضامین مقرر ہیں ۔ یہ سب وزیر ہند نے باجلاس کونسل طے کئے ہیں ۔ لیکن انمیں اگر کوئی تغیر و تبدل منظور ہو تو اول اسکو پارلیمنٹ میں پیش کرنا لازم ہے ۔ سول سروس کمشنر امتحان کا انتظام کرتے ہیں ۔ بحیثیت مجموعی یہ طریق بہت خوب نکلا ترقیات کے تمام معاملات سرکارات ہند پر چھوڑ دیئے جاتے ہیں ۔ اس طرح سول سروس فرقہ بند سیاسیات کے مضر اثرات سے محفوظ رہتی ہے ۔ اور رشتہ داری و جانبداری کی رعایت مروت کا اعتراض بھی عاید نہیں ہو سکتا ۔

سالہائے گزشتہ میں ایک لحاظ سے یہ طریق البتہ شکایت کا باعث رہا ۔ سول سروس میں ہندوستانیوں کی تعداد بہت کم رہی اور اب بھی کم ہے ۔ کچھ اس وجہ سے بھی لوگ سروس میں شریک نہ ہو سکے کہ امتحان داخلہ لندن میں ہوتا ہے ۔ ۱۸۷۹ء سے آئینی سول سروس کا سلسلہ نکلا جس میں مسلمہ لیاقت اور قابلیت کے ہندوستانی شریک ہو سکتے تھے ۔ مقامی حکومتیں انکو نامزد کرتی تھیں ۔ اور وزیر ہند باجلاس کونسل کی منظوری لازمی تھی یہ طریق کچھ کامیاب ثابت نہیں ہوا ۔ اور ۱۸۸۶ء میں دوسرا انتظام عمل میں آیا جس کو پبلک سروس کمیشن نے بصدارت سر چارلس ایچیسن لفٹنٹ گورنر پنجاب بطور تجویز پیش کیا تھا ۔ سرکاری ملازمت تین درجوں میں تقسیم کی گئی اور یہ تقسیم اب تک قائم ہے ہندوستانی سول سروس ، صوبہ داری سروس ، اور ماتحت سروس ۔ صوبہ داری سروس اور ماتحت سروس میں داخلہ کے واسطے صوبوں کی حکومتوں نے قواعد ضابطہ بنا رکھے ہیں ۔ انہی کے مطابق عمل ہوتا ہے ۔ عموماً اہل امیدوار نامزد کئے جاتے ہیں ماتحت سروس کے لوگ صوبہ داری سروس تک ترقی پا سکتے ہیں اور صوبہ داری سروس کے لوگ چند "مندرجہ" عہدوں تک ترقی حاصل کر سکتے ہیں ۔ اگرچہ بالعموم یہ عہدے بھی ہندوستانی سول سروس کے اراکین کے واسطے مخصوص ہیں ۔

باب ۳

ہندوستان میں کچھ اور سروسیں یعنی خدمات بھی ہیں، مثلاً تعمیرات - تار اور ڈاک - جنگلات اور تعلیمات و طبابت ان میں سے ہر ایک میں وہی تین درجے قائم ہیں جو اوپر بیان ہوئے - امپیریل سروس میں لوگ انگلستان سے بھرتی کئے جاتے ہیں - بعض صورتوں میں امتحان لیکر اور بعض میں وزیرِ ہند کی نامزدگی سے جو لوگ مقرر ہوئے ان میں یورپین لوگوں کی کثرت ہے - لیکن کچھ ہندوستانی بھی مقرر ہوئے اور ہو سکتے ہیں -

۱۹۱۲ء کا پبلک سروس کمیشن

۱۹۱۲ء میں بہ فرمان شاہی ایک پبلک سروس کمیشن مقرر ہوا - لارڈ اسلنگٹن جو حال تک نیوزی لینڈ کے گورنر تھے اس کے صدر قرار پائے - امیدوار بھرتی کرنے کے طریق - سروس کے شرائط موجودہ طریق کہ خدمات دو درجوں یعنی شاہی اور صوبہ وار میں تقسیم ہیں - ان کا عمل درآمد - اور سرکاری خدمات کی عام ضروریات - ان تمام امور پر غور کرنا کمیشن کا منشا اور مقصد تھا - کمیشن کی رپورٹ ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی - کمیشن نے یہ تجویز پیش کی کہ بعض خدمات میں لوگ تمام و کمال اور بعض میں جزواً ہندوستان سے بھرتی ہونے چاہئیں اور ہندوستانی عنصر کو زیادہ بڑھانا چاہیئے - اب یہ تسلیم کیا جا رہا ہے کہ کمیشن کی تجاویز موجودہ ضروریات پورا کرنے کے واسطے ناکافی ہیں - ۲۰/ اگست ۱۹۱۷ء کے اعلان میں یہ ضرورت بیان کی گئی ہے کہ نظم و نسق کے ہر شعبہ میں ہندوستانیوں کا ربط ضبط بڑھانا چاہیئے - پارلیمنٹی کمیٹی نے اس اصول کے انصاف و مصلحت پر زور دیا اور پارلیمنٹ نے بھی اس سے اتفاق کیا - چنانچہ ۱۹۱۹ء کے قانون کی رو سے وزیرِ ہند ایسے لوگوں کا ہندوستانی سول سروس میں تقرر کر سکتا ہے جو ہندوستان میں بود و باش رکھتے ہیں - البتہ اس کے واسطے وزیرِ ہند کو باجلاس کونسل - انڈیا کونسل میں اراکین کی کثرت رائے سے قواعد و ضوابط بنا لینے ضرور ہیں - یہ قواعد اس وقت نافذ ہو سکیں گے جبکہ تیس روز تک پارلیمنٹ کے ہر دو ایوان میں پیش رہ چکے ہوں ایک پبلک سروس کمیشن بھی مقرر ہوا ہے جو ہندوستان میں سرکاری خدمات کی بھرتی کا نگراں رہتا ہے -

سول سروس کی حیثیت

۱۹۱۹ء کے قانون میں سول سروسوں کے مفاد کی حفاظت کا بھی انتظام کر دیا

باب ۲

گیا ہے - جو کوئی ہندوستان میں شاہی سول سروس میں شریک ہے وہ ملک معظم کی خوشنودی تک تعینات ہے - اور جس حاکم نے اس کو مقرر کیا تھا اس کا کوئی ماتحت اس کو برطرف نہیں کر سکتا - غالباً بتدریج ذمہ وار حکومت کی طرف جس حد تک قدم بڑھتا جائے گا - حکومت کے تعلق سے سروسوں یعنی خدمات کی حیثیت بدل جائیگی - اب تک ہندوستانی طریق حکومت میں اراکین خدمات بالتخصیص ہندوستانی سول سروس کے اراکین براہ راست مسلک قرار دینے میں پیش پیش رہے ہیں - لیکن ذمہ وار حکومت کے دور میں یہ فرض وزرا کے تحت میں آ جائیگا جو عوام کے منتخبہ نائبوں کے روبرو ذمہ وار شمار ہوتے ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ بعض پیشہ ور خدمات ایسے لوگوں کو جگہ دیدیں جو غیر سرکاری حیثیت سے کام کرتے ہیں - انگلستان ایسے ممالک میں جہاں ذمہ دار حکومت کا دور دورہ ہے - حیات عامہ میں باعلم پیشوں کے اراکین مثلاً معلم - ڈاکٹر - انجینیر وغیرہ خاص طور سے شریک رہتے ہیں - اور جو راستہ ہندوستان کے واسطے نکالا گیا ہے اسپر ہندوستان کا کامیابی سے گامزن ہونا تقریباً ناممکن ہے - اگر ایسے لوگ پیشہ ور خدمات میں شریک ہو کر حیات عامہ کو اپنی شرکت سے محروم کردیں -

تیسرا باب

وائسرائے اور اُسکی کونسل یا مجلس

گورنر جنرل

قانون تنظیم کی رو سے گورنر بنگال گورنر جنرل مقرر ہوا اور اس کو مدراس اور بمبئی کی حکومتوں پر نگرانی رکھنے کا اختیار تفویض ہوا۔ مزید براں اول توپٹ کے قانون سنہ ۱۷۸۴ء نے اُس کے اختیارات بڑھا دئے اور بعد کو سنہ ۱۷۹۳ء میں مزید اضافہ ہوا۔ سنہ ۱۸۳۳ء میں گورنر جنرل بنگال کا خطاب گورنر جنرل ہند قرار پایا۔ لیکن سنہ ۱۸۵۴ء کے بعد ہی یہ نوبت آئی کہ بنگال کا ایک جداگانہ لفٹنٹ گورنر مقرر ہوا۔ اور گورنر جنرل اسکی براہ راست ذمہ داری سے سبکدوش ہوگیا۔ اس کے بعد سے حکومت ہند کا کسی خاص صوبے سے تعلق نہیں رہا۔ اس کا صدر مقام تو کلکتہ ہی رہا البتہ لارڈ لارنس کے زمانہ سے یہ قاعدہ چلا آتا ہے کہ موسم گرما میں گورنر جنرل اور اُس کے عملہ کے خاص خاص عہدہ دار شملہ پر رہتے ہیں۔ سنہ ۱۹۱۲ء میں دارالسلطنت کلکتہ سے دہلی منتقل ہوگیا۔ اور ساتھ ہی دہلی اور اس کی نواح ایک چیف کمشنر کے تحت میں آگئی۔ سنہ ۱۸۵۸ء میں جب حکومت ہند کمپنی کے ہاتھ سے نکل کر شاہ انگلستان کے تحت میں آئی تو گورنر جنرل کا خطاب وائسرائے یعنی نائب شاہ قرار پایا۔ لیکن پارلیمنٹ کی تحریرات میں اب تک لفظ گورنر جنرل ہی مستعمل ہے۔

اول اول تو گورنر جنرل کا تقرر ناظمان کمپنی کے ہاتھ میں تھا لیکن سنہ ۱۸۱۳ء میں شاہی منظوری بھی لازمی قرار پاگئی۔ اب گورنر جنرل کا تقرر بسفارش وزیر اعظم خود بادشاہ کی طرف سے ہوتا ہے اور عہدہ کی معمولی میعاد پانچ سال ہے۔ یہ طے شدہ امر ہے کہ گورنر جنرل پر وزیر ہند کے احکام کی تعمیل لازمی ہے۔ اس پابندی سے قطع نظر گورنر جنرل کے اختیارات بہت وسیع ہیں۔ ہندوستان میں وہ بادشاہ کا قائم مقام تصور ہوتا ہے۔ حکومت کا سرگروہ بھی وہی ہے۔ اصلاحات جدیدہ سے قبل

مجلس وضع قوانین کا صدر وہی تھا اور اس کو رحم اور عفو کے شاہی اختیارات بھی حاصل ہیں۔

گورنر جنرل کی کونسل

قانون تنظیم کی رو سے گورنر جنرل کی مدد کے واسطے ممبروں کی مجلس یا کونسل قائم ہوئی تھی۔ شروع میں ممبروں کا انتخاب ناظمان کمپنی کے ہاتھ میں تھا لیکن اب وہ بہ مشورۂ وزیر ہند بادشاہ کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں۔ اور اُن کے عہدہ کی میعاد بھی پانچ سال ہے۔ ممبروں کی تعداد میں وقتاً فوقتاً کمی بیشی ہوتی رہی ہے پٹ کے قانون کے بموجب کونسل میں صرف تین ممبر شریک تھے۔ اور ان میں سے بھی ایک کمانڈر انچیف ہوتا تھا۔ ۱۹۱۹ء میں ممبروں کی تعداد آٹھ تھی مع وائسرائے اور کمانڈر انچیف کے۔ جو بطور ایک غیر معمولی ممبر کے شریک کونسل رہتا ہے۔ کونسل کی ممبری کے لئے جو اوصاف مقرر ہیں وہ بھی اہم ہیں۔ حسب قانون کم از کم تین ممبر ایسے ہونے چاہئیں جو قبل تقرر دس سال یا اس سے زیادہ عرصہ تک کوئی شاہی خدمت ہندوستان میں انجام دے چکے ہوں۔ ان کے علاوہ ایک ایسا ممبر بھی ضروری ہے جو انگلستان یا آئرلینڈ میں بیرسٹری کا امتحان پاس کر چکا ہو۔ یا جو اسکاٹلینڈ کی مجلس وکلا کا رکن ہو۔ اور اس کی قدامت کم از کم پانچ سال ہو۔ ۱۹۱۹ء میں تین ممبر ایسے تھے جو ہندوستانی سول خدمات پر رہ چکے تھے۔ ایک ممبر لندن میں سول خدمات میں شریک رہ چکا تھا لیکن اس کو پہلے ہندوستان کی سرکاری زندگی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ پانچواں ممبر ایک بیرسٹر تھا جس میں تمام ضروری اوصاف موجود تھے اور چھٹا ممبر ایک ہندوستانی بیرسٹر تھا۔

گورنر جنرل اور ممبران کونسل کے تعلقات

وارن ہیسٹنگس جو سب سے پہلا گورنر جنرل تھا اس کو اپنی کونسل کی کثرت کی مخالفت سے برابر دقتیں پیش آتی رہیں۔ اس کی کونسل کے ممبروں نے اکثر موقعوں پر اس کی رائے منسوخ کر دی۔ اب بھی گورنر جنرل اپنی کونسل کی کثرت رائے کا پابند ضرور ہے مگر نہ ایسے معاملات میں کہ جن کا اثر گورنر جنرل کی رائے میں برطانوی ہندوستان کی حفاظت اور امن و امان پر پڑتا ہو کثرت کے فیصلہ کی منسوخی کا اختیار جو مذکورہ بالا خاص خاص حالتوں میں گورنر جنرل کو حاصل ہے اس سے کام لینے کی شاذ و نادر نوبت آتی ہے لیکن یہ بھی قابل یاد داشت ہے کہ محصول

درآمد و برآمد کے مسئلہ پر لارڈ لٹن نے اپنی کونسل کے فیصلہ کو منسوخ کر دیا تھا۔ ایسی حالت میں مخالف ممبروں کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے اختلافات کے وجوہات تحریر کر دیں تاکہ وزیر ہند کے سامنے پیش ہوں۔ کچھ روز سے مجلسی حکومت کا طریق بہت کچھ بدل گیا ہے۔ پہلے حکومت کے متعلق کل معاملات پر کونسل میں بحث ہوتی تھی۔ ایک سابق ممبر کونسل لکھتا ہے کہ اس زمانہ میں اس قدر طول طویل روئدادیں لکھنی پڑتی تھیں کہ اب یقین آنا دشوار ہے۔ آج سے بیس سال قبل جس قدر کام گورنر جنرل اور اس کی کونسل ملکر کرتی تھی آج اس کو ایک نائب معتمد انجام دیتا ہے۔ لارڈ ڈلہاوزی نے جس کا بہت کچھ وقت نہایت اہم معاملات کے انصرام میں صرف ہوتا تھا بالآخر یہ نتیجہ نکالا کہ گورنر جنرل کے واسطے اس طریق پر کام کرنا ممکن نہیں۔ پس ۱۸۶۱ء کے قانون مجلس نے گورنر جنرل کو اختیار دیدیا کہ کام کی سہولت کے واسطے جو قواعد ضروری اور مناسب معلوم ہوں مقرر کر لئے جاویں۔ چنانچہ اس دفعہ کے مطابق لارڈ کیننگ نے اپنی کونسل کے ہر ایک ممبر کو ایک نہ ایک صیغہ سونپ دیا اور اپنے اپنے صیغہ کے معمولی کاروبار کا ہر ممبر ذمہ دار بن گیا۔ خاص خاص اہم معاملات البتہ کونسل میں پیش ہوتے رہے۔ سر ولیم ہنٹر نے لارڈ میو کی جو سوانح عمری لکھی ہے اس میں کونسل کا طریق کاروبار حسب ذیل بیان کیا ہے۔ اور بالعموم اب تک یہی حال ہے روزمرہ کی معمولی کارروائیاں تو وہی ممبران کونسل چلاتے جن کے صیغہ سے ان کا تعلق ہوتا تھا۔ اہم کاغذات البتہ مجوزہ ممبر کی رائے کے ساتھ وائسرائے کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ جو یا تو اتفاق کرتا تھا یا کوئی مناسب ترمیم کر دیتا تھا۔ اگر وائسرائے نے اتفاق کر لیا تو بس معاملہ طے ہو گیا۔ معتمد نے لیا اور ممبر کی رائے کو ایک چٹھی یا تحریک کی شکل میں تحریر کر دیا اور وہ بطور احکام گورنر جنرل باجلاس کونسل جاری ہو گئی۔ لیکن جو معاملات اہم ہوتے تھے اُنکے باب میں وائسرائے مجوزہ ممبر سے اتفاق کرتے ہوئے بھی اکثر کاغذات کو یا تو کل کونسل میں گشت کراتا تھا یا ایسے خاص خاص ممبروں کے پاس بھجوا دیتا تھا جن کی رائے کو وہ معاملات زیر بحث میں ضروری اور قابل لحاظ خیال کرتا تھا۔ جب کہ وائسرائے ممبر کی رائے سے اتفاق نہیں کرتا تھا تو بالعموم کاغذات یا تو کل ممبروں

میں گشت ہوتے تھے یا حسبِ حکم وائسرائے کونسل میں پیش ہو جاتے تھے۔ اشد ضروری معاملات صیغہ متعلقہ کے معتمد براہِ راست وائسرائے کے سامنے پیش کرتے تھے اس پر یا تو وائسرائے خود ہی کوئی حکم صادر کر دیتا تھا یا ابتدائی رائے کے واسطے اس ممبر کونسل کے پاس بھیج دیتا تھا جس کے صیغہ سے اس معاملہ کا تعلق ہوتا۔

محکمہ خارجیہ

محکمہ خارجیہ و سیاسیہ اُن بیرونی تعلقات کی نگہداشت کرتا ہے جو حکومت ہند سے متعلق ہوں اور نیز بدرجہ مختلف ہندوستانی ریاستوں پر نگرانی رکھتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ شاہی حقوق جو کسی ہندوستانی حکمراں کو حاصل ہیں اس کی مثال اعلیٰحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ کی حکومت ہے کہ اپنا سکہ چلاتے ہیں، رعایا سے محاصل وصول کرتے ہیں اور سزا دیتے ہیں جس کا کوئی مرافعہ نہیں ہو سکتا۔ سب سے کم شاہی اختیارات کی مثال کاٹھیاواڑ کے زمیندار ہیں جو صرف چند ایکڑ زمین کے مالک ہیں سرکاری ٹیکس معاف ہے اور کچھ برائے نام ذاتی اختیارات بھی حاصل ہیں۔ محکمہ خارجیہ کے نائب جو دیسی ریاستوں میں موجود رہتے ہیں رزیڈنٹ یا ایجنٹ کہلاتے ہیں۔ اُنکا انتخاب یا تو ہندوستانی سول خدمات کے زمرہ سے ہوتا ہے یا فوجی عہدہ داروں میں سے جن کا سیاسی محکمہ سے تعلق رہ چکا ہو دیسی ریاستوں میں ایسی چیزوں کی نگرانی بھی انہیں کے ذمہ ہوتی ہے۔ جیسے رؤسا کے کالج یا شاہی خدمات کے رسالے۔ (امپیریل سروس ٹروپس) صوبہ سرحدی اجمیر مارواڑ اور برطانوی بلوچستان ان حصوں کا عام انتظام بھی محکمہ خارجیہ کے تحت میں ہے۔

محکمہ داخلیہ و تعلیمات

محکمہ داخلیہ برطانوی ہند کے عام نظم و نسق پر نگرانی رکھتا ہے جس کا تعلق ہندوستانی سول سروس۔ سیاسیات داخلہ۔ محابس۔ پولس۔ سول میڈیکل سروس۔ قانون وادرسی اور عدالتوں کے معاملات سے ہو۔ ۱۹۱۰ء میں تعلیمات۔ صفائی اور مقامی خود اختیاری حکومت کے اہم صیغوں کی نگرانی کے واسطے کونسل میں ایک جداگانہ ممبر مقرر ہو گیا۔

مالگزاری و زراعت

مالگزاری و زراعت کے محکمہ کو بیشتر زمین کے معاملات سے سروکار رہتا ہے جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا۔ ہندوستانی محاصل کا بہت بڑا حصہ زمین سے بشکل مالگزاری یا لگان سرکار کو وصول ہوتا ہے۔ اس محکمہ کا کام یہ ہے کہ تحصیل مالگزاری

کی نگرانی کرے اور نیز اس بات کا خیال رکھے کہ تشخیص مالگزاری بہت مناسب اور قرین انصاف ہو۔ دیگر اہم فرائض یہ ہیں کہ امداد قحط کے واسطے مقامی حکومتیں جو کچھ انتظام کریں اُس کی دیکھ بھال رکھے اور حتی الامکان اصول سائنس کے مطابق زراعت پھیلانے اور جنگلات بڑھانے میں مدد دے اسی محکمہ کی نگرانی میں تعمیرات کا انتظام بھی رہتا ہے۔

ممبر قانون — ۱۸۳۳ء میں یہ قرار پایا کہ کونسل میں ایک قانونی ممبر بھی شامل رہے اور دوسرے ہی سال لارڈ میکالے سب سے پہلے ہندوستان پہونچ گئے۔ اس ممبر کے فرائض یہ ہیں۔ جو مسودات قانون مجلس وضع قوانین میں پیش ہونے والے ہوں اُن کی تیاری میں بحیثیت ماہر کار مدد دینا۔ اگر مجلس وضع قوانین کسی مسودہ قانون کو تفصیلی غور کے واسطے کسی منتخب کمیٹی کے سپرد کرے تو اسکی صدارت کرنا اور تمام قانونی معاملات کے متعلق سرکار کو صلاح و مشورہ دینا۔

ممبر مال — آگے کسی باب میں واضح ہوگا کہ ممبر مال کے بہت سے کام صوبہ دار اور مقامی حکام اور نیز میونسپلٹیوں یعنی بلدیات کو تفویض ہو گئے ہیں لیکن بعض صیغوں کا انتظام اب بھی تمام و کمال اسی کے ہاتھ میں ہے۔ مثلاً افواج تحفظ سلطنت، سرکاری قرضہ، دارالضرب، محصول درآمد و برآمد، دیسی ریاستوں کے خراج، ڈاک، تار، افیون کی تجارت، ان صیغوں کے متعلق کل معاملات مرکزی حکومت کے زیر انتظام ہیں۔

تجارت و صنعت — مدت تک حکومت ہند کاروباری دنیا سے بے خبر رہی۔ ایک طرف تو کاروبار والوں کے دلوں میں عہدہ داروں کی طرف سے بے اعتباری پیدا ہو گئی تھی اور دوسری طرف عہدہ دار کاروبار والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ المختصر ان دونوں فرقوں کے درمیان کشیدگی پیدا ہو گئی۔ لارڈ کرزن سب سے پہلا وائسرائے ہے جس نے کاروباری لوگوں کے ذہن نشین کر دیا کہ وہ ان کی مدد کرنا چاہتا ہے اور وہ ان کو سلطنت ہند کے قصر کا رکن تصور کرتا ہے۔ مختلف کاروباری مرکزوں میں جو چیمبرس آف کامرس یا ایوان تجارت قائم ہیں، ان کے ذریعہ سے سرکار کو معلوم ہوتا رہتا ہے کہ ملک کی تجارت کے باب میں کاروباری لوگوں کی رائے کیا ہے۔ لیکن لارڈ کرزن کے زمانہ حکومت میں یہاں تک نوبت پہونچی کہ تجارت و صنعت کا

باب ۳

ایک محکمہ ہی جدا قائم ہوگیا اور اس کے اعلےٰ عہدہ دار کو مجلس انتظامی میں جگہ دی گئی۔ اسکو بہت سے کام تفویض ہوئے۔ ہندوستان میں تمام صنعتی منصوبوں کی نگرانی کرنا، کاروباری معلومات فراہم اور شائع کرنا علاوہ بریں ڈاک، تار، محصول درآمد و برآمد، بندرگاہ تجارتی جہازوں کانوں، کارخانوں ان تمام چیزوں کی دیکھ بھال اسی کے سپرد ہے۔ ریلوں کی نگرانی کرنا اور ریلوں کی پالیسی کو ترقی دینا یہ کام ایک بورڈ کے تحت میں آگیا۔ بورڈ میں تین ممبر شامل ہیں اور مجلس انتظامی میں ممبر تجارت وصنعت ان کا نائب شمار ہوتا ہے۔ اس محکمہ سے یہ بھی توقع کی جاتی ہے کہ ملک کی تجارت کا بندوبست رکھے اور بشرط ضرورت صنعت اور رفاہ عام کی خاطر مداخلت کرے۔ کارخانے اور مزدور معائنہ کرنے کا کام پہلے سست تھا لیکن امپیریل کونسل یعنی مجلس شاہی میں ایک قانون منظور ہوگیا ہے جس کی رو سے کام کرنے کا وقت معین ہوگیا، کارخانے بہت زیادہ توجہ اور اہتمام سے معائنہ ہونے لگے اور بعض بعض کام کرنے کی مستورات اور بچوں کو قطعاً ممانعت ہوگئی۔ ہندوستان میں مزدوروں کی حالت خاص کر جو کارخانوں میں کام کرتے ہیں ان کے مکانات کی خرابی بہت قابل تردد معلوم ہوتی ہے۔ یہ حالت بمبئی میں خاص طور پر نظر آتی ہے جہاں معاشرتی اصلاحات صنعتی ترقیات کے ساتھ ساتھ نہ چل سکیں۔

معتمدی کے عہدہ دار — ہر محکمہ کا اعلیٰ عہدہ دار انتظامی مجلس کا ایک رکن ہوتا ہے۔ اس کے تحت میں معتمد ہے، نائب معتمد، مددگار معتمد اور معمولی منصدیوں کا عملہ، ماتحت عملہ محکمہ سے مستقل تعلق رکھتا ہے۔ محکمہ تعمیرات کے سوا کل محکموں کے معتمد اور نائب معتمد ہندوستانی سول سروس کے ممبر ہوتے ہیں۔ حکومت ہند کے واسطے سول سروس والوں کا کوئی زمرہ مخصوص نہیں، بلکہ جو عہدہ دار صوبوں کی حکومتوں کے تحت میں کام کرتے ہیں انہیں کو حکومت ہند مستعار لے لیتی ہے اور حکومت ہند کے ہاں معتمدی کی میعاد بالعموم تین سال ہے۔

سرکار ہند ایک منفرد حکومت ہے — گزشتہ باب میں ان تعلقات کا تجزیہ کیا گیا جو پارلیمنٹ اور وزیر ہند کے مابین بنا بر حکومت ہند قائم ہیں۔ اب ضرور ہے کہ سرکار ہند اور صوبوں کی حکومتوں کے درمیان ہندوستان میں جو تعلقات ہیں ان پر غور کیا جائے۔ پارلیمنٹی کمیٹی نے لکھا

باب

کہ ہندوستان ابھی حقیقی متحدہ حکومت کے واسطے تیار نہیں ہے - اور لارڈ چیمسفورڈ اور مسٹر مانٹیگو نے تو اپنی رپورٹ میں اسپر اور بھی زیادہ زور دیا - متحدہ دستور گویا ایک مفاہمت ہے جسکے ذریعے چند ریاستیں مشترکہ مفاد اور مشترکہ حفاظت کی غرض سے متحد ہونے پر رضامند ہو جائیں اور اس لئے اپنے کچھ اختیارات ایک جدید مرکزی حکومت کے تفویض کر دیں - جو اختیارات اس طرح تفویض نہوں وہ انہی ریاستوں کے ہاتھ میں رہتے ہیں اور ان کے عمل درآمد پر مرکزی حکومت اپنی نگرانی تک نہیں رکھتی - ریاستوں میں اتحاد کی جیسی جیسی خواہش ہو اسی کے مطابق متحدہ دستور کے مختلف طرز ہیں - مثلاً آسٹریلیا میں باہمی فصل کی زیادتی اور قدیم روایات کی وجہ سے ریاستیں اس امر کی مؤید ہیں کہ حتی الوسع ہر ایک کی خود مختاری برقرار رہے اور غیر ضروری مرکزیت پیدا نہو - دولت عامہ آسٹریلیا کی مرکزی حکومت کے ہاتھ میں اس لئے صرف وہی اختیارات ہیں جو دولت عامہ آسٹریلیا کے قانون میں درج ہیں اور جو مشترک حفاظت سے اغراض کے واسطے درکار ہیں - اور جو اختیارات اس میں درج نہیں ہیں وہ سب ریاستوں کے سپرد ہیں اور ان کے استعمال سے مرکزی حکومت کو کچھ سروکار نہیں ہے - جنوبی افریقہ میں حکومت کی اس سے زیادہ متحدہ شکل اختیار کی گئی ہے - اس کی وجہ یہ تھی کہ قومی اور صوبوں کی باہمی رقابتوں کی بدولت ریاستوں میں اس قدر کم ربط اور تعلق تھا کہ اس کو حتی الامکان قوی کرنا ضروری معلوم ہوا - چنانچہ چاروں متعاہد ریاستوں نے اپنے تقریباً کل اختیارات ایک مرکزی حکومت کے سپرد کر دئے جو اتحاد جنوبی افریقہ کہلائی - اس سبب سے جنوبی افریقہ میں صوبوں کی حکومتوں کو بہت کم اختیارات حاصل ہیں - اور جو کچھ ہیں وہ بھی خاصکر ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے انتظام سے متعلق ہیں - یہ اس لئے کہ زبانوں کے اختلافات کی وجہ سے ریاستوں کو یہ اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھنے ضروری معلوم ہوئے - کناڈا کا دستور آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ کے بین بین ہے وہاں ان اختیارات کے سوا جو قانوناً صوبوں کی حکومتوں کے سپرد کر دئے گئے ہیں - باقی کل اختیارات ملک کی پارلیمنٹ کو حاصل ہیں -

ہندوستان میں صورت حال کچھ اور ہے اول اول جیسا کہ بیان ہو چکا ہے -

باب

تین احاطہ وار حکومتیں تھیں جن کو یکساں اختیارات حاصل تھے اور کوئی حکومت ہند نہ تھی۔ لیکن ۱۷۷۳ء میں مدراس اور بمبئی کی حکومتیں بنگال کے گورنر جنرل کی عام نگرانی کے تحت میں لائی گئیں اور وہ بعد کو ہندوستان کا گورنر جنرل بن گیا۔ اسلئے مدراس اور بمبئی کی حکومتیں۔ اور وہ جو بعد کو قائم ہوئیں ان کے پاس وہ اختیارات ہی نہیں جو قابل تفویض ہوں۔ جیساکہ آسٹریلیا۔ جنوبی افریقہ اور کناڈا کی ریاستوں کو اپنے کچھ کچھ اختیارات مرکزی حکومت کے تفویض کرنے پڑے۔ لہذا یہاں صورت بالکل ہی مختلف ہے۔ ان تینوں ملکوں میں طریق یہ ہوا کہ صوبوں کی حکومتوں نے اختیارات دیئے اور مرکزی حکومتوں نے لیئے۔ لیکن ہندوستان میں اسکے برعکس سرکار ہند کو کچھ اختیارات دینے ہیں اور صوبوں کی حکومتوں کو لینے ہیں۔ سالہائے گزشتہ میں سرکار ہند کا یہ دستور رہا ہے کہ وزیر ہند کی رضامندی سے وہ صوبوں کی حکومتوں کو کچھ کچھ اختیارات اور فرائض تحویل کرتی رہتی تھی۔ بالفاظ دیگر بعض معاملات میں صوبوں کی حکومتیں سرکار ہند کے ایجنٹ یا گماشتہ کی حیثیت سے کام کرتی تھیں۔ سرکار ہند نے وزیر ہند اور پارلیمنٹ کی نگرانی کے تحت میں خاص خاص کام اپنے ہی ہاتھ میں رکھے یعنی حفاظت ملک۔ عام محصول زر قرضہ۔ محصول در آمد و برآمد۔ تار اور ڈاکخانہ۔ ریلیں اور تنقیح حسابات رہا معمولی اندرونی نظم و نسق مثلاً پولس۔ عدالت دیوانی و فوجداری۔ مجالس تشخیص و تحصیل مالگزاری تعلیمات صحت اور صفائی کے انتظامات تعمیرات اور سڑکیں۔ جنگلات۔ بلدیات اور مجالس اضلاع کی نگرانی۔ یہ سب کام صوبوں کی حکومتوں کے سپرد کر دیا گیا۔ لیکن ان کاموں پر بھی سرکار ہند کی عام مستقل نگرانی رہتی ہے۔ وہ عام مسلک کا ایک خاکہ بنا کر دیدیتی ہے۔ اور بعد کو صوبوں کی حکومتیں جو اپنے متعلقہ محکموں کی بابت رپورٹ اور کیفیت پیش کرتی ہیں ان سے اندازہ کر لیتی ہے کہ کہاں تک ہدایات پر عمل ہو سکا۔ نیز سرکار ہند ماہرین خصوصی کو تعینات کرتی ہے کہ وہ ان محکموں کا معائنہ کریں۔ اور ان کی بابت مشورہ دیں جو ابتدائی طور پر صوبوں کی حکومتوں کے تحت میں ہیں۔ وضع قوانین اور مالیہ کے بارہ میں سرکار ہند صوبوں کی حکومتوں پر جو نگرانی رکھتی ہے اس کی تفصیل

آئندہ فصلوں میں پیش ہوگی۔

تضعیف مرکزیت

سنہ ۱۹۰۸ء میں تضعیف مرکزیت پر غور کرنے کے واسطے ایک شاہی کمیشن بصدارت مسٹر ہاب ہاوس مقرر ہوا۔ اس کے ایک رکن مسٹر رامیش چندر دت بھی تھے جو پرانے سول سرونٹ تھے۔ بنگال میں کمشنر رہ چکے تھے اور اس زمانہ میں ریاست بڑودہ میں دیوان کے عہدہ پر مامور تھے۔ کمیشن کی تجاویز اور گواہوں کے بیانات ایک ضخیم جلد میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور نظم و نسق ہند کے طالب علموں کو اس کا مطالعہ بہت دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔ بہت سی تجویزیں پیش کی گئیں جن میں سے اکثر پر بتدریج عمل ہو رہا ہے۔

تضعیف مرکزیت کا جو مسلک ہے۔ اس کی خوبیوں کو لیجئے تو سر جان اسٹریچی ان کو بہت شد و مد سے بیان کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ سرکار ہند کا یہ ہرگز مسلک نہیں ہے کہ بلا ضرورت بھی صوبوں کے نظم و نسق کی تفاصیل میں دخل دے۔ یہ امر مسلم ہے کہ صوبوں کی حکومتیں مقامی ضروریات اور حالات سے کہیں زیادہ واقف ہیں اور مرکزی حکومت کے دور باش حکام مقامی معلومات میں ان کی برابری کا دعوی نہیں کر سکتے۔

صوبوں کی حکومتوں کو مزید اختیارات کی تحویل۔

اب ہم پارلیمنٹی کمیٹی کے اس بیان کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ ہندوستان ابھی حقیقی متحدہ حکومت کے طریق کے واسطے تیار نہیں ہے۔ متحدہ طریق اس وقت تک ملتوی رہیگا جب تک کہ صوبوں میں خود اختیاری حکومت کے ادارات قائم ہو جائیں۔ کسی صوبہ کے انتظامی حکام کو غیر محدود اختیارات دیدینا گویا ان کے ہاتھ میں خطرناک ہتھیار دیدینا ہے۔ اس لیئے سرکار ہند کی باضابطہ نگرانی ناگزیر ہے۔ حتی کہ صوبوں میں عوام کی نگرانی اس کی پوری جانشین بن جائے۔ جس طرح وزیر ہند کو لازم ہے کہ پارلیمنٹ کے روبرو اپنے افعال کی جوابدہی کرے اور سرکار ہند کے لیئے واجب ہے کہ وزیر ہند کے سامنے جوابدہی کرے۔ اسی طرح صوبوں کی حکومتوں کو چاہیے کہ سرکار ہند کے روبرو اپنے افعال کی جوابدہ رہیں۔ جدید اصلاحات کا مقصد یہ ہے کہ تدریجی طور پر امور عامہ کے متعدد محکموں میں سرکار ہند کی بعید نگرانی کے بجائے صوبوں کی مجالس وضع قوانین کی مقامی اور عامی نگرانی جاری کر دے۔ جب تک یہ کارروائی

عمل میں نہ آسکے۔ اور جب تک کہ صوبوں کے ذمہ دار حکام یعنی وزرا اور مجالس وضع قوانین اپنی جدید ذمہ داریوں کی عادی نہ ہو جائیں۔ پارلیمنٹری کمیٹی کی رائے میں سرکار ہند کے اختیارات محض مشورہ اور معائنہ تک ختم کر دینا ٹھیک نہ ہوگا۔ بہرحال کم از کم سردست سرکار ہند کو اصلاح اور ابتدا کرنے کے اختیارات محفوظ رکھنے چاہئیں لیکن اس غرض سے کہ صوبوں میں حتی الامکان ذمہ داری کو نمو کا موقع مل سکے۔ کمیٹی نے یہ یقین ظاہر کیا کہ بہت سے اختیارات اور فرائض جو اب تک سرکار ہند کے ہاتھ میں رہے ہیں۔ وہ بڑے پیمانہ پر صوبوں کی حکومتوں کو تحویل کر دیئے جائیں گے۔ اور نیز یہ کہ سرکار ہند صوبوں کے معاملات پر جو کچھ نگرانی رکھے گی وہ اس طور پر اور اس غرض سے کہ صوبے اس قابل بن جائیں کہ بتدریج اختیارات صوبوں کی حکومتوں اور مجالس وضع قوانین کو تحویل کر دیئے جائیں۔ ۱۹۱۹ء کے قانون کے تحت میں جو قواعد و ضوابط بنے ہیں وہ ایسے ہی ہیں کہ ان سے اس بارہ میں پارلیمنٹری کمیٹی کے منشا کو تکمیل کا پورا پورا موقع مل سکے گا۔

امور (مفوضہ) کے بارہ میں صوبوں کی حکومتوں پر نگہداشت ہدایت اور نگرانی کے جو اختیارات گورنر جنرل کو باجلاس کونسل حاصل ہیں وہ محض اس غرض سے کام میں لائے جاتے ہیں کہ مرکزی امور کے نظم و نسق کی حفاظت ہو سکے اور اگر کسی دو صوبوں کے باہم کوئی سوال پیدا ہو اور وہ آپس میں تصفیہ نہ کر سکیں تو ان کا فیصلہ کر دیا جائے۔

مرکزی حکومت کی ضرورت

اسی سلسلہ میں ایک اور ضروری امر قابل لحاظ ہے۔ ممکن ہے کہ آئندہ صوبوں میں خود اختیاری حکومت کے ادارات کی ترقی کے ساتھ ساتھ متحدہ حکومت کا بھی رجحان پیدا ہو جس کے بموجب صوبوں کو بعض اندرونی معاملات پر پورا اقتدار حاصل ہو جائے۔ لیکن ترقی کی خواہ کچھ ہی شکل کیوں نہ ہو ہندوستان میں ایک زبردست مرکزی حکومت کی ضرورت ہمیشہ رہیگی، ذات پات قوم اور مذہب کے اختلافات کے باوجود ہندوستان ایک ملک ہے اور اس لئے مرکزی حکومت کی ضرورت ہے۔ ورنہ صوبوں کے جوڑ کی کڑیاں ٹوٹنے سے بہت برے نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں جہاں ہمیشہ سے قومی اور مذہبی اختلافات چلے آتے ہیں ایک مرکزی حکومت موجود ہے جو ان اختلافات کو ملائی رہتی ہے اور تمام ملک کے ذرائع کو متحد رکھتی ہے

یورپ میں بھی ایک ڈھیلی سی مرکزی حکومت تھی جو مقدس سلطنت روما کہلاتی تھی۔ اس کے مقاصد بھی اسی قسم کے تھے۔ لیکن اس سلطنت کے زوال کے بعد پھر کوئی فوق القوم حکومت قائم نہ ہوسکی۔ انیسویں صدی کے اتحاد مقدس اور اتحاد یورپ اور عہد جدید مجلس اقوام ایک ایسی حکومت کی ضرورت ظاہر کرتی ہے۔ لیکن ایسی حکومت نہونے سے گزشتہ زمانہ میں بہت کچھ جنگ و جدال رہ چکا ہے۔ کیا ہندوستان متحدہ ریاستہائے امریکہ کے نقش قدم پر چلے گا یا یورپ کی غیر متحدہ سلطنتوں کی پیروی کریگا۔ اگر اس کو امریکہ کی تقلید منظور ہو تو صوبوں کی حکومتوں کو اختیارات تحویل کرنے کے علاوہ اختیارات منتقل کرنے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے اور بہر صورت ایک سرکار ہند ایسی ہونی چاہیئے جو اپنے غیر منقسم اختیارات سے ایسے محکموں کا انتظام کرے جیسے حفاظت ملک اور ریلیں وغیرہ۔

سرکار ہند میں تبدیلیاں۔ لارڈ چیمسفورڈ اور مسٹر مانٹیگو کو اُمید تھی کہ صوبوں کی حکومتوں کے ان معاملات میں اختیارات بڑھنے سے جو ان کے دائرہ میں داخل ہیں اور اسی حساب سے وزیر ہند کی نگرانی میں ڈھیل پڑنے سے۔ سرکار ہند کو ان معاملات کے انتظام کے واسطے زیادہ وقت مل جائے گا جو بحیثیت مجموعی تمام ملک سے متعلق ہیں اور جو مرکزی امور کہلاتے ہیں۔ ان معاملات میں سرکار ہند کو کم از کم کچھ عرصہ کے واسطے صرف پارلیمنٹ کے روبرو جوابدہ رہنا چاہیئے۔ اور اس ذمہ داری کے علاوہ اسکے اختیارات بے چون وچرا ہونے چاہئیں۔ اس کے ساتھ ساتھ لارڈ چیمسفورڈ اور مسٹر مانٹیگو نے یہ ضرورت بھی محسوس کی کہ سرکار ہند کو عوام سے زیادہ میل جول رکھنا چاہیئے۔ اس وجہ سے سرکار ہند کا ایک ایسی مجلس سے ساتھ کرادیا گیا جس میں لوگوں کے نائب زیادہ شریک ہیں جو باقاعدہ اور ٹھیک ٹھیک لوگوں کی خواہشات پیش کرتے رہتے ہیں اور سرکار کے کاموں پر کارآمد رائے زنی کرتے ہیں۔ اس مجلس کا دستور اور دائرہ عمل کسی آئندہ باب میں بیان ہوگا۔ اور یہاں اس سے قبل ظاہر ہوچکا ہے کہ گورنر جنرل کی مجلس انتظامی میں ہندوستانی عنصر ایک رکن سے بڑھکر تین رکن ہوگیا ہے۔

چوتھا باب

صوبوں کی حکومتیں

صوبوں کی حکومتیں

برطانوی ہندوستان متعدد صوبوں میں منقسم ہے ۱۹۱۸ء میں پندرہ صوبے حسب ذیل تھے۔

(۱) مدراس بمبئی اور بنگال کے احاطے یا گورنریاں۔

(۲) صوبۂ متحدہ، پنجاب، برما، بہار و اوڑیسہ کی ایک ایک لفٹنٹ گورنری۔

(۳) صوبہ متوسط، آسام، صوبہ سرحدی اور دہلی کی ایک ایک چیف کمشنری۔

(۴) برطانوی بلوچستان، اجمیر، مارواڑ، کورگ اور جزائر انڈمان۔

آئینی اور غیر آئینی صوبے

پہلے زمانہ میں آئینی اور غیر آئینی صوبوں میں بڑا فرق مانا جاتا تھا بنگال، مدراس بمبئی اور آگرہ تو آئینی صوبے تھے اور انکے علاوہ باقی کل صوبے جن میں اودھ اور سندھ بھی شامل تھا غیر آئینی کہلاتے تھے آئینی صوبوں کی حکومت میں تو وہ قوانین جاری تھے جو قوانین منشور کے مطابق وضع کئے گئے تھے۔ لیکن جن اضلاع کو برطانوی حکومت میں آئے تھوڑا زمانہ گزرا تھا اور جنھوں نے مقابلۃً کم ترقی کی تھی اُن کے واسطے ایک مختلف قسم کی حکومت ضروری معلوم ہوئی۔ غیر آئینی صوبوں میں زیادہ سادہ قوانین کے مطابق حکومت ہوتی تھی۔ ان قوانین کا حقیقی منشا تو وہی تھا جو آئینی صوبوں کے قانون کا ہے۔ لیکن خاص خاص حالات کے لحاظ سے اس میں کچھ ضروری ترمیم کردی جاتی تھی۔ فی الجملہ یہ طریق بہت اچھا رہا اور بہت سی صورتوں میں غیر آئینی حکومت آئینی حکومت سے زیادہ درست ثابت ہوئی۔ اب صوبوں کا یہ فرق تقریباً مٹ چکا ہے بالخصوص جب سے جدید اصلاحات منظور ہوئیں تاہم نظام حکومت کے معاملات میں چند فرق اب تک برقرار ہیں۔ ضلع کا اعلیٰ انتظامی حاکم جو آئینی صوبوں میں کلکٹر کہلاتا ہے، غیر آئینی صوبوں میں اس کو ڈپٹی کمشنر کہتے ہیں اور بعض

عہدے جو آئینی صوبوں میں صرف ہندوستانی سول سروس والوں کے واسطے مخصوص ہیں غیر آئینی صوبوں میں اُن پر فوجی افسر اور نیز دیگر موزوں لوگ بھی مقرر ہو سکتے ہیں۔

مدراس اور بمبئی

مدراس اور بمبئی کے احاطوں کو اس وجہ سے پریزیڈنسی کہتے ہیں کہ پہلے زمانے میں ان پر پریزیڈنٹ با جلاس کونسل حکومت کرتے تھے اور وہ بنگال کے ماتحت نہیں بلکہ خود مختار تھے۔ ۱۸۳۹ء میں کچھ برطانوی رسالوں نے عدن پر قبضہ کر لیا اور اب وہ بمبئی کی حکومت کے تحت میں ہے۔ چار سال بعد سر چارلس نیپیر نے سندھ فتح کیا اور چند سال بعد وہ بھی احاطۂ بمبئی میں شامل ہو گیا۔ مدراس اور بمبئی ایک ایک گورنر با جلاس کونسل کے ماتحت ہیں۔ گورنر بالعموم کوئی نہ کوئی عالی مرتبہ اور تجربہ کار شخص ہوتا ہے۔ خود بادشاہ بہ سفارش وزیر ہند اسکو انگلستان سے لیکر مقرر کرتا ہے۔ اُس کی مدد کے واسطے ایک کونسل مقرر ہے جس کے ممبروں کا تقرر بھی بادشاہ کی طرف سے بہ سفارش وزیر ہند عمل میں آتا ہے۔ ۱۸۳۳ء میں تین ممبر شریک کونسل تھے لیکن بعد کو تخفیف ہو کر صرف دو رہ گئے۔ ۱۸۹۳ء تک مدراس اور بمبئی کے سپہ سالار اپنے اپنے احاطے کی کونسل کے غیر معمولی ممبر شمار ہوتے تھے۔ لیکن جب سے فوجی انتظامات کی تبدیلیوں کے سلسلہ میں یہ دونوں عہدے ٹوٹے اس قاعدے کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ ۱۹۰۹ء کے قانون مجالس کی رو سے زیادہ سے زیادہ چار ممبر شریک کونسل کرنے کا اختیار مل گیا جن میں سے کم از کم دو ممبر ایسے ہونے ضروری ہیں کہ جنھوں نے قبل تقرر بارہ سال یا اس سے زیادہ عرصے تک ہندوستان میں امپیریل یا شاہی ملازمت کی ہو۔ جدید اصلاحات کے موقع پر دونوں احاطوں کی کونسلوں میں علاوہ گورنروں کے تین تین ممبر شریک تھے جن میں سے دو تو یہاں کی سول سروس میں رہ چکے تھے اور تیسرا ہندوستانی تھا۔ دونوں احاطوں کی کونسلوں میں مختلف صیغے ممبروں کے سپرد تھے اور ہر ایک اپنے صیغوں کے کام کا ذمہ دار تھا۔ صرف اہم معاملات کونسل میں پیش ہوتے تھے۔

بنگال

حکومت بنگال کی سرگزشت کسی قدر پیچیدہ اور تشریح طلب ہے۔ جغرافی لحاظ سے تو بنگال میں صرف گنگا اور برہم پتر کے متعلقہ علاقے شامل ہیں۔ جہاں کے باشندے بنگلہ بولتے ہیں لیکن سیاسی حیثیت سے اس کا رقبہ کہیں زیادہ وسیع ہے۔

دراصل تو بنگال کی حکومت اُن کارخانوں اور بستیوں تک محدود تھی جو کلکتے کے اردگرد پھیلی ہوئی تھیں۔ جب مغل بادشاہ کی طرف سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو دیوانی تفویض ہوئی تو قریب کے صوبے بہار اور اڑیسہ بھی احاطۂ بنگال میں داخل ہو گئے اور بعد کو شمالی مغربی ہندوستان میں جو جو برطانوی فتوحات ہوئیں اُسی احاطہ میں شامل ہوتی رہیں۔ قانون تنظیم کی رو سے گورنر بنگال گورنر جنرل بنگال کہلانے لگا اور اسکو دوسرے صوبوں پر نگرانی رکھنے کا اختیار بھی حاصل ہو گیا۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اور مسلسل فتوحات کی شرکت سے احاطۂ بنگال کے حدود پھیلے گورنر جنرل کے فرائض اور ذمہ داریاں حد سے بڑھ گئیں۔ بھلا یہ کس طرح ممکن تھا کہ وہ اتنے بڑے صوبے پر حکومت کرے اور ساتھ ہی کل برطانوی ہندوستان کے اہم معاملات کا نگراں بنا رہے۔ سب سے اول ۱۸۳۴ء میں تقسیم بنگال کا مسئلہ چھڑا۔ اول یہ قرار پایا کہ صوبۂ آگرہ کے واسطے ایک جدا گورنر باجلاس کونسل مقرر ہو، لیکن اس تقرر کی کبھی نوبت نہ آئی۔ البتہ چند ہی روز بعد آگرہ ایک لفٹننٹ گورنر کے تحت میں آ گیا۔ ۱۸۷۷ء میں اودھ بھی آگرے میں شامل ہو گیا اور کل کا نام شمال و مغربی صوبہ قرار پایا۔ جب شمال و مغرب میں برطانوی سلطنت اور آگے بڑھی تو اس صوبہ کا نام بدلکر صوبۂ متحدہ آگرہ و اودھ رکھ دیا۔ سکھوں کی پہلی جنگ کے بعد ۱۸۴۶ء میں پنجاب کا مشرقی حصہ برطانوی سلطنت میں شریک ہو گیا اور تین ہی سال بعد مغربی حصہ بھی۔ ۱۸۵۹ء میں دہلی اور اس کے گردونواح کو شمال و مغربی صوبے سے نکالکر پنجاب میں شامل کر دیا۔ اور صوبۂ پنجاب کا ایک جدا لفٹننٹ گورنر مقرر ہو گیا۔ حال میں پنجاب کی سرحدیں کچھ اور بھی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ کچھ اضلاع علیحدہ ہو کر ۱۹۰۱ء میں ایک نیا شمال مغربی سرحدی صوبہ بن گیا۔ دارالسلطنت منتقل ہونے کی وجہ سے دہلی اور اس کا گردونواح ایک چیف کمشنر کے تحت میں آ گیا۔ اسی دوران میں بنگال میں بہت کچھ ردوبدل ہو گیا۔ ۱۸۵۴ء میں بنگال کا گورنر جنرل حکومت بنگال کی براست ذمہ داری سے سبکدوش ہو گیا۔ اور اس صوبہ کے واسطے ایک جدا لفٹننٹ گورنر مقرر ہوا۔ ۱۹۰۵ء میں پھر تقسیم کی ضرورت محسوس ہوئی تو آسام میں بنگال کا ایک معتدبہ حصہ شامل کر کے مشرقی بنگال و آسام کا ایک نیا صوبہ بنایا گیا جس پر ایک لفٹننٹ گورنر مقرر ہوا۔ یہ جدید انتظام صوبہائے متعلقہ

باب

کے بہت سے باشندوں کو ناگوار گزرا۔ لہذا ۱۹۱۱ء میں جبکہ دارالسلطنت کلکتہ سے دہلی کو منتقل ہوا تو ملک معظم کی طرف سے اعلان ہوا کہ سابق تقسیم پر نظر ثانی ہونے کے بعد بنگال نئے طور سے تقسیم ہوگا۔ چنانچہ حسب فرمان شاہی آسام تو پھر ایک چیف کمشنری بن گیا۔ صوبہ بہار و اڑیسہ ملکر ایک لفٹننٹ گورنر کے تحت میں آگیا اور قدیم صوبہ بنگال کا باقی حصہ ایک گورنر با جلاس کونسل کے ماتحت رہا جسکو مدراس اور بمبئی کے گورنروں کی طرح بہت سے خاص اختیارات تفویض ہوئے۔

لفٹننٹ گورنر

صوبہ جات متحدہ پنجاب برما اور بہار و اڑیسہ کے لفٹننٹ گورنروں کے واسطے ازروئے قانون لازم تھا کہ تقرر کے وقت دس سال یا اس سے زیادہ عرصے تک ہندوستان کی شاہی ملازمت میں رہ چکے ہوں۔ اور ہندوستانی سول سروس کے رکن بھی ہوں۔ اس طرح گورنروں اور لفٹننٹ گورنروں میں بہت زیادہ فرق تھا اول الذکر کو پہلے سے ہندوستان کا کوئی تجربہ نہ ہوتا تھا اور آخر الذکر ہندوستان کے سوا کہیں کا سابق تجربہ نہ رکھتا تھا۔ اس لئے اوّل اوّل یہ ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ لفٹننٹ گورنروں کے ساتھ کوئی مجلس انتظامی رکھی جائے لیکن عوام کے نیابتی اداروں کی ترقی کے ساتھ ساتھ رائے بدل گئی۔

۱۹۰۹ء میں جو قانون مجالس اول مرتبہ پارلیمنٹ میں پیش ہوا تو اس میں گورنر جنرل با جلاس کونسل کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ بہ رضا مندی وزیر ہند وہ ان صوبوں میں انتظامی کونسل مقرر کرنے کے قواعد بنائے جو لفٹننٹ گورنروں کے تحت میں ہوں۔ دیوان خاص میں تو یہ دفعہ مسودہ قانون سے بالکل خارج کردی گئی، لیکن بعد کو ہر دو فریق یعنی دیوان خاص اور دیوان عام کے باہمی صلاح و مشورہ سے ایک سمجھوتا ہوگیا جس کے بموجب گورنر جنرل کو یہ اختیار تو مل گیا کہ بنگال کے واسطے وہ ایک انتظامی مجلس بنالے لیکن دوسرے صوبوں کے معاملے میں یہ قرار پایا کہ انتظامی مجلس مقرر کرنیکے قواعد کا مسودہ کم از کم ساٹھ روز کے واسطے پارلیمنٹ کے دونوں دیوانوں کے ایک ہی اجلاس میں پیش کیا جائے اور دیوان خاص و دیوان عام میں سے جو بھی چاہے ممبروں کی کثرت کی طرف سے اڈریس یا عرضداشت پیش کرکے ان قواعد کا نفاذ روک سکتا ہے۔ بہار و اڑیسہ میں ایک مجلس کے قیام کا انتظام ہوا۔ اور

حکومت ہند نے یہ مناسب سمجھا کہ ایک خاص قانون پارلیمنٹ میں پاس کرا کر تقرر عمل میں لائے کچھ ہی عرصے بعد صوبۂ متحدہ میں انتظامی مجلس مقرر کرنے کی تجویز دیوان خاص نے رد کر دی۔

چیف کمشنر

کچھ عرصے سے چیف کمشنر بھی مقرر ہیں جو گورنر جنرل باجلاس کونسل کی طرف سے حکومت کا کام انجام دیتے ہیں۔ ۱۸۶۱ء میں صوبۂ متوسط میں ایک چیف کمشنر مقرر ہوا۔ اور ۱۹۰۳ء میں برار بھی سرکار نظام سے دوامی پٹہ پر لیکر اس کے تحت میں دیدیا۔ آسام دراصل ایک چیف کمشنری تھا پھر کچھ سال تک صوبۂ مشرقی بنگال و آسام کا جزو بنا رہا۔ بالآخر ۱۹۱۱ء میں پھر وہاں چیف کمشنری قائم ہو گئی۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ بھی چیف کمشنر کے تحت میں ہے جو سرحدی جرگوں کے معاملات میں بھی گورنر جنرل کو مدد دیتا ہے۔ برطانوی بلوچستان اور اجمیر مارواڑ بھی گورنر جنرل کے ایجنٹوں کے تحت میں ہے جن کو علی الترتیب ایجنٹ بلوچستان اور ایجنٹ راجپوتانہ کہتے ہیں۔ کورگ میں میسور کا رزیڈنٹ حکومت کرتا ہے۔ دہلی ایک چیف کمشنر کے تحت میں ہے۔ پورٹ بلیر میں جو جرائم پیشہ آبادی ہے اس کا سپرنٹنڈنٹ یا ناظم جزائر انڈمان کی بھی دیکھ بھال رکھتا ہے۔

جدید تبدیلیاں

اصلاحات جدید سے قبل جو کچھ بحث مباحثہ ہوا اس سے صوبوں کی حکومتوں کے متعلق دو امر خاص طور پر واضح ہو گئے۔ ایک لفٹننٹ گورنروں اور چیف کمشنروں کے بجائے گورنروں کی خواہش اور ایک مجالس انتظامی کی خواہش۔ چنانچہ ۱۹۱۹ء کے قانون نے یہ انتظام کیا ہے کہ بنگال۔ مدراس اور بمبئی کی پریزیڈنسیوں کے علاوہ صوبہ جات متحدہ۔ پنجاب۔ بہار و اڑیسہ صوبہ جات متوسط اور آسام اِن سب صوبوں میں سے ہر ایک میں گورنر باجلاس کونسل رہے گا۔ اور یہ گورنری صوبے کہلائیں گے۔ پارلیمنٹی کمیٹی نے ان مجالس کی وسعت کے متعلق کوئی سخت قاعدہ مقرر کرنا نہیں چاہا۔ البتہ اس نے یہ مشورہ دیا کہ چھوٹے صوبوں میں حاکم صوبہ کے علاوہ دو رکن مجلس انتظامی میں غالباً کافی ہونگے۔ اور بڑے صوبوں کی مجلس انتظامی میں اگر دو رکن ایسے شریک ہوں جن کے واسطے ملازمت شرط ہو اور ان میں سے ایک بھی پیدائشی ہندوستانی نہ ہو تو مجلس میں دو غیر سرکاری ہندوستانی بھی ضرور شریک رکھنے

چاہئیں۔ اس لئے قانون نے یہ انتظام رکھا ہے کہ اراکین کی تعداد زیادہ سے زیادہ چار ہوگی اور ان میں سے کم از کم ایک ایسا ہونا چاہیئے جو تقرر کے وقت بارہ سال تک ہندوستان میں شاہی ملازم رہ چکا ہو۔

قانون نے لفٹنٹ گورنریوں اور چیف کمشنریوں کے واسطے بھی گنجائش رکھی ہے۔ گورنر جنرل باجلاس کونسل وزیر ہند کی رضامندی سے کسی ایسے صوبے میں مجلس انتظامی قائم کرسکتا ہے جو لفٹنٹ گورنر کے ماتحت ہو یہ بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ گورنر جنرل باجلاس کونسل پہلے وزیر ہند باجلاس کونسل کی منظوری حاصل کرکے برطانوی ہندوستان کے موجودہ صوبوں کے حدود بدل سکتا ہے۔

جدید تبدیلیاں

لارڈ چمسفورڈ۔ مسٹر مانٹیگو۔ پارلیمنٹی کمیٹی حتیٰ کہ خود پارلیمنٹ۔ سب متفق ہیں کہ ہندوستان میں بتدریج ذمہ دار حکومت جاری کرنے کا تجربہ سب سے بہتر صوبہ جات کی حکومتوں میں شروع ہوسکتا ہے۔ یہ پہلے ہی واضح ہوچکا ہے کہ گو صوبوں کی حکومتیں اب تک سرکار ہند کی ایجنٹ یا گماشتہ سمجھی جاتی ہیں۔ تاہم جو محکمے ان کے تفویض کردیے گئے ہیں۔ ان پر سرکار ہند پہلے جسقدر نگرانی رکھتی تھی اب ان کو عملی طور پر اس سے نجات مل گئی لیکن اس سے بھی آگے بڑھنا قرار پاچکا ہے۔ صوبوں کی حکومتیں دو دو حصوں میں منقسم کردی گئیں۔ ان میں سے ایک حصہ ان وزرا کے سپرد ہوا جنکو صوبے کی مجلس وضع قوانین کے منتخبہ اراکین میں سے گورنر نے انتخاب کیا ہو۔ اور دوسرا حصہ گورنر اور اراکین مجلس انتظامی کے تحت میں رہا۔ کسی صوبے میں وزیر دو سے کم نہ ہونگے اور بڑے صوبوں میں اس سے زیادہ رہیں گے۔ اراکین مجلس انتظامی کے سپرد تو امور محفوظہ رہیں گے اور وزرا امور مفوضہ کا انتظام کریں گے۔ جن میں تعلیمات اور صفائی خاص ہیں امور مفوضہ وہ ہیں جن میں مقامی معلومات اور معاشرتی خدمات کا زیادہ موقع حاصل ہے جنمیں ہندوستانیوں نے بہت دلچسپی اور سرگرمی کا اظہار کیا ہے اور جن میں ترقی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

وزرا کی حیثیت

عہدہ وزارت میں بہت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے مگر ساتھ ہی اس میں کافی موقع ملتا ہے کہ ہندوستان میں ذمہ دار حکومت کو ترقی دی جائے۔ وزیر مجلس وضع قوانین کے سامنے اپنے اعمال کا جوابدہ ہے اس لئے اس کو وہاں کثرت کی تائید درکار رہتی ہے

اکثر اعتبارات سے اس کی حیثیت انگلستان کے وزیر کابینہ کی سی ہے جو پارلیمنٹ کا جوابدہ ہوتا ہے۔ پارلیمنٹ کمیٹی نے یہ توقع ظاہر کی کہ وزیر کی فرض شناسی کو صدمہ پہنچائے بغیر اسکو ہر ممکنہ امداد دی جائے گی۔ اول تو خود گورنر کا فرض ہے کہ اس کے نزدیک جو طریق درست ہو اسکو وزرا پر ظاہر کرتا رہے اور اگر وہ غلط راستہ اختیار کریں تو ان کو تنبیہ کردے۔ اگر بحث مباحثہ کے بعد بھی گورنر اور وزیر کی رائے کا اختلاف رفع نہ ہو تو پارلیمنٹ کمیٹی کا خیال تھا کہ معمولاً وزیر کو اپنی رائے پر عمل کرنے کا موقع دینا چاہیے لیکن اُس کی رائے کی ذمہ داری اسی پر رہے گی۔ مجلس وضع قوانین اور نیز عوام کو معلوم ہو جائیگا کہ کون شخص ملامت کا مستحق ہے اور کون تائید کا۔ اگر گورنر اور وزیر کا اختلاف رائے دونوں کے نزدیک بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے تو بھی راستہ صاف ہے۔ وزیر کی رائے گورنر نہ مانے تو وہ استعفا دے سکتا ہے۔ نیز گورنر وزیر کو برطرف کرسکتا ہے یا اس کے مجوزہ قانون کو منسوخ کرسکتا ہے۔ جبکہ اس کو یہ محسوس ہو کہ وزیر کا مسلک سخت قابل گرفت ہے یا مجلس وضع قوانین کی رائے کے ناموافق ہے۔ اس کے بعد اراکین مجلس وضع قوانین اور بالآخر انتخاب کنندے دوسرے انتخاب کے موقع پر انکے مابین فیصلہ کریں گے وزرا اراکین مجلس انتظامی کے مشورے اور تجربے سے بھی مدد لیتے ہیں۔ چنانچہ گورنر کا فرض ہے کہ اس غرض کے واسطے وزرا اور اراکین کو باہمی مشورے کا موقع دیتا رہے۔ ایسے مشوروں سے ہر دو فریق کو فائدہ پہنچے گا۔ وزرا ایک معاملے کی بابتہ رائے عامہ ظاہر کریں گے تو اراکین انتظامی تجربہ پیش کرسکینگے لیکن مشورے کے بعد اراکین اور وزرا کو اپنے متعلقہ امور میں اپنی اپنی رائے کا اختیار ہوگا۔ گویا یہ تجربہ دو اصول پر مبنی ہے۔ اول تو وزرا اور اراکین کو باہمی مشورہ اور اعانت کا کافی موقع حاصل ہے کیونکہ اس کے بغیر لامحالہ رار اٹھتی بلکہ ناکامی کا خدشہ رہتا دوسرے مجلس وضع قوانین کے روبرو وزرا کی ذمہ داری حتی الوسع صاف طور پر معین ہے۔ ذمہ داری گویا جمہوری حکومت کا آب و نمک ہے۔ انتخاب کنندوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ بحیثیت باشندگان ملک ان کا فرض ہے کہ مجلس وضع قوانین کے واسطے نہایت موزوں نامے انتخاب کریں۔ اراکین مجلس وضع قوانین کو اپنی تجاویز اور رائے زنی میں یاد رکھنا چاہیئے کہ ممکن ہے وہ ایک دن وزیر ہو جائیں۔

اور اپنی رایوں کو عمل میں لانا پڑے اور وزرا کو یاد رکھنا چاہئے کہ وہ اپنا مسلک جو کچھ قرار دیں اس کی معقولیت کے متعلق مجلس وضع قوانین میں کثرت کو مطمئن کرنا لازم ہے۔

صوبوں کی معتمدیاں

ہر صوبے کے صدر مقام پر سرکاری دفاتر موجود ہیں جن کو بالعموم ہندوستان میں معتمدی کہتے ہیں۔ نظم ونسق کا کام چند محکموں میں منقسم ہے۔ ہر محکمے کا اعلیٰ عہدہ دار معتمد کہلاتا ہے وہ یا تو کسی ممبر کونسل کو جوابدہ ہوتا ہے یا وزیر کو۔ معتمد اور نائب معتمد بالعموم ہندوستانی سول سروس سے لئے جاتے ہیں۔ معتمد کے عہدے کی میعاد بالعموم تین سال ہوتی ہے کیونکہ یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی سویلین اضلاع کے بجائے اپنا کل وقت صدر مقام پر صرف کرے اور نیز یہ بھی اغلب ہے کہ عہدے کی میعاد ختم ہونے کے بعد وہ کسی اعلیٰ عہدے پر ترقی پا جاتا ہے۔ ہر محکمے میں ایک مددگار معتمد بھی ہوتا ہے جو محکمے کا مستقل ملازم ہوتا ہے۔ اور سول سروس سے تعلق نہیں رکھتا۔ معتمدوں کے بعد ماتحت خدمات اور کلرکی کے عملے ہوتے ہیں اور انکا دفاتر معتمدی سے تعلق رہتا ہے۔

پانچواں باب

حکومت اضلاع

حکام ضلع

ہندوستان میں حکومت برطانیہ کے پیشتیبان حاکم ضلع ہیں۔ جنکو آئینی صوبوں میں کلکٹر اور غیر آئینی میں ڈپٹی کمشنر کہتے ہیں۔ ملک کے مختلف حلقوں میں اضلاع کی وسعت بھی مختلف ہے لیکن ضلع کا متوسط رقبہ کوئی پانچ ہزار مربع میل ہے جسکی آبادی دس لاکھ کے قریب ہوتی ہے آئینی صوبوں میں تو حاکم ضلع بالعموم ہندوستانی سول سروس کے رکن ہوتے ہیں۔ لیکن غیر آئینی صوبوں میں اب بھی کچھ فوجی اور دیگر عہدہ دار اس خدمت پر مامور ہیں۔ اور کچھ حاکم ضلع ایسے بھی ہیں۔ جو صوبہ واری خدمات سے مندرجہ عہدوں پر پہنچ گئے ہیں۔ یہ کہنا بجا اور درست ہے کہ کل ضلع کی حالت بہت کچھ حاکم ضلع کے زور یا کمزوری کے مطابق رہتی ہے۔ حاکم ضلع کے ماتحت اول اسسٹنٹ کلکٹر ہیں جو ہندوستانی سول سروس کے زمرے سے ہوتے ہیں۔ بعدہٗ ڈپٹی کلکٹر جو صوبوں کی خدمات کے رکن ہوتے ہیں اور ان ماتحت خدمات کے عہدہ دار جن کو بعض صوبوں میں تحصیلدار اور بعض میں ماملتدار کہتے ہیں۔ ان کی حکومت میں ایک ایک تحصیل یا تعلقہ رہتا ہے جس میں بہت سے دیہات شامل ہوتے ہیں۔ ان حاکموں کے فرائض بھی چھوٹے پیمانے پر بہت کچھ وہی ہیں جو حاکم ضلع کے ہوتے ہیں اور انھیں کے وہ جوابدہ بھی ہیں بعض حالتوں میں ان کا انتخاب کمشنروں کی طرف سے ہوتا ہے اور کبھی مجلس مالگزاری کی طرف سے۔ وہ اکثر کارگزار اور تربیت یافتہ لوگ ہوتے ہیں۔ ان کا سابقہ دیہاتی عہدہ داروں سے بھی رہتا ہے۔

دیہاتی برادریاں

ہندوستان میں بہت قدیم زمانے سے دیہاتی برادریاں چلی آتی ہیں اور اب بھی ملک کے تمدن اور معاشرت میں ان کا اچھا خاصا دخل ہے۔ شمالی ہند میں

تو دیہات بالعموم زمینداروں کی ملک ہیں۔ لیکن ملک کے دوسرے حصوں میں اکثر زمین خود کاشت ہوتی ہے اور کچھ کچھ قطعات سب کے مویشیوں کے لئے بطور چراگاہ چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ پیشوا سے جو مقامات لیے گئے اُن کی کیفیت کے سلسلے میں الفنسٹن صاحب نے ایک مرہٹہ گاؤں کا حال اس طرح بیان کیا ہے۔

جس نقطۂ نظر سے بھی ہم دکن میں دیسی حکومت کو دیکھیں سب سے پہلی اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ جو لوگ دیہات اور قصبات میں رہتے ہیں اُن کی برادریاں ہیں۔ جن میں سے ہر ایک میں سلطنت کے کل لوازمات چھوٹے چھوٹے پیمانے پر موجود ہیں، حتیٰ کہ حکومت اُٹھ جائے تب بھی یہ برادریاں بخوبی اپنی حفاظت آپ کر سکتی ہیں۔ اگرچہ دیسی برادریاں کسی عمدہ حکومت کے مناسب حال نہیں تاہم بُری حکومت کی کوتاہیوں کا اچھا علاج ہیں۔ حکومت کی غفلت اور کمزوری کے بُرے اثرات سے بچاتی ہیں بلکہ اس کے ظلم اور دست برد کو روکتی ہیں۔

دیہاتی عہدہ دار — کل دیہات میں کچھ عہدہ دار رہتے ہیں جن کے فرائض اور کام تمام ملک میں تقریباً یکساں ہیں۔ گاؤں کا مقدم جسکو پٹیل کہتے ہیں مالگزاری وصول کرتا ہے۔ بعض صوبوں میں اس کو امن و امان قائم رکھنے کا بھی اختیار ہے۔ محاسب جس کے پاس گاؤں کا دفتر رہتا ہے۔ شمالی ہند میں پٹواری اور مغربی ہند میں کلکرنی کہلاتا ہے۔ ایک چوکیدار رہتا ہے جس کا کام مختلف صوبوں میں مختلف ہے۔ لیکن بیشتر وہ ایک پولیس والا ہے جو اپنے اعلیٰ حاکموں کو مشتبہ لوگوں کے حرکات و سکنات سے مطلع کرتا رہتا ہے۔

کمشنر اور کمشنریاں — مدراس کے سوا اور سب صوبوں میں کمشنریاں بھی ہیں جن پر کمشنر مامور ہیں۔ کلکٹروں اور صدر مقام کے عملے کے مابین یہ بچولیوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کو عدالتی اختیارات تو کچھ بھی حاصل نہیں البتہ مالگزاری کی تحصیل اور زمین کے معاملات سے ان کا خاص تعلق ہے اور معمولی انتظامی معاملات میں اُن کو اپنی کمشنری کے کلکٹروں کے کام کی نگرانی کا اختیار حاصل ہے۔ لیکن سندھ میں کمشنر کی حیثیت ایک خاص قسم کی ہے یوں سمجھنا چاہیے کہ ایک اعلیٰ مقامی حکومت کے تحت میں ایک مقامی حکومت قائم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حکومت بمبئی نے اپنے کچھ انتظامی اختیارات حکومت سندھ کو تفویض کر دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے سندھ کے کمشنر کی حیثیت احاطے کے دوسرے

باب ۵

کشنروں سے بڑھی ہوئی ہے۔

حاکم ضلع

اگرچہ حاکم ضلع مرکزی حکومت کا قائم مقام ہوتا ہے اور اُس کے احکام کا پابند ہے۔ اس کو بہت سے معاملات میں اپنے مجوزانہ اختیار سے کام لینا پڑتا ہے۔ صدر مقام کے حکام کے واسطے ایسے معاملات طے کرنے دشوار ہیں جن میں ذاتی معلومات کی ضرورت ہو پس اُن کا انصرام بجا طور سے حاکم ضلع کے ذمہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اسکے فرائض گوناگوں ہیں جیسا کہ خود عہدہ کے نام یعنی کلکٹر کے لفظ سے واضح ہوتا ہے۔ ضلع میں وہ خاص حاکم مالگزاری ہے۔ مالگزاری اور دیگر محاصل کی تحصیل کا وہی ذمہ دار ہے۔ اور زمینوں کے سیاہے اور دوسرے رجسٹر بھی اسی کے زیر نگرانی بکمل حالت میں رہتے ہیں۔ وہ مجسٹریٹ یعنی ناظم فوجداری بھی ہے اور ضلع میں تعزیری قانون کا فوری اور کارگر عملدرآمد اسی کے حکم سے ہوتا ہے۔ البتہ اس کے فوجداری کے فیصلوں کا مرافعہ ہو سکتا ہے۔ رفاہ عام کے اور بھی محکمے اس کے سپرد ہوتے ہیں۔ اس کے صدر مقام میں دوسرے محکموں کے اعلا حاکم بھی رہتے ہیں مثلاً سپرنٹنڈنٹ پولیس یعنی مہتمم کوتوالی، اگزیکیٹو انجینیر اور رسول سرجن اور بعض اضلاع میں انسپکٹر یا مہتمم مدارس اور مہتمم جنگلات ان عہدہ داروں کو اپنے اپنے اعلیٰ حاکموں کے حکم احکام صدر مقام سے پہنچتے رہتے ہیں۔ لیکن کل اہم معاملات حاکم ضلع کے سامنے پیش ہوتے ہیں، جس کو اپنے ضلع کے اندر ہر قسم کے کام کی نگرانی کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ سر ولیم ہنٹر نے حاکم ضلع کے فرائض اور کام یوں بیان کیے ہیں۔

اوّل تو وہ ایک مالی حاکم ہے جس کو زمین اور دیگر ذرائع سے محاصل وصول کرنا پڑتا ہے۔ نیز وہ مال اور فوجداری کا جج ہے، ابتدائی اور نیز مرافعہ کے مقدمات میں۔ لیکن اس عہدے کے نام سے اس کے کل کام ظاہر نہیں ہوتے۔ اپنے چھوٹے سے مقامی حلقے میں اس کو وہ تمام کام سرانجام دینے ہوتے ہیں جو انگلستان میں وزیر داخلہ کے سپرد ہیں، بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ۔ کیونکہ وہ ایک شفیق حکومت کا رکن ہے نہ کہ کسی دستوری حکومت کا۔ کوتوالی، مجلس، تعلیمات میونسپلٹی یا بلدیات سڑکیں، صفائی، دواخانے، مقامی محصول اور سرکاری مالگزاری ان سب سے اسکو روز سابقہ پڑتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی توقع کی جاتی ہے کہ ہندوستانی لوگوں کی معاشرت کے

ہر شعبہ سے واقف ہو اور ملک کے قدرتی حالات بھی اچھی طرح جانتا ہو۔ اس کے واسطے ضروری ہے کہ خود قانون داں ہو، محاسب ہو، معاملات مال سے ماہر ہو اور سلطنت کے مراسلات لکھنے کی بھی پوری مہارت رکھتا ہو، اور اس کی معلومات زراعت، معاشیات اور انجنیری کے متعلق اچھی خاصی ہونی چاہیئے۔

دورے حاکم ضلع موسم گرما میں تو صدر مقام پر رہتا ہے اور جاڑوں میں اپنے ضلع کے اندر دورہ کرتا ہے۔ یہ دورے بہت اہم اور مفید خیال کیے جاتے ہیں۔ ہندوستان جیسے ملک میں ذاتی اثر کو حکومت کی کامیابی اور ناکامی میں بہت بڑا دخل ہے۔ بادشاہوں کے حضور میں عرضیاں پیش کرنے اور ذاتی ضروریات اور بے چینی کے اسباب سے انکو مطلع کرنے کا رواج یہاں کے لوگوں میں مدت سے چلا آتا تھا۔ ذی اختیار حاکموں کو بالخصوص جبکہ وہ غیر قوم کے فرد ہوں ذاتی طور پر لوگوں کی ضروریات اور ان کی طرز زندگی کے حالات جاننا ضرور ہے۔ علاوہ بریں حکومت کا بہت سا کام ماتحت حکام کے سپرد ہے اور ان کے کام کی بھی نگرانی ہونی چاہیئے۔ حسابات کی جانچ پرتال کرنی ضرور ہے۔ اور معمولی کاموں میں جو غلطیاں یا تاخیر ہوتی ہے اس کی بابت جواب طلب ہوتا ہے یہ سب کام جب ہی ٹھیک طور پر سرانجام پا سکتے ہیں۔ جبکہ حاکم ضلع یا اس کا نائب موسم سرما میں ضلع میں دورہ کرے۔

حاکم ضلع کے کام کی تفصیل یہاں تو غیر ضروری ہے لیکن آگے چل کر جابجا اس کا ذکر آئیگا اور آیندہ بابوں میں اُس کے کام کے مختلف پہلو بالتفصیل پیش ہوں گے۔ مالگزاری کی تحصیل کا حال مال کے باب میں بیان ہوگا۔ مقامی حکومت اور عدالتوں کی تفصیل محکمہ عدالت کے باب میں درج ہے۔ رہے دوسرے محکمے مثلاً تعلیمات، تعمیرات۔ طبابت اور صفائی، پولیس اور محبس، ان کا حال جداگانہ بابوں میں مذکور ہے۔ حکومت ہند میں حاکم ضلع کی خدمات جو اہمیت رکھتی ہیں اس کا واضح کرنا ابھی باقی ہے۔

حاکم ضلع کی ذمہ داریاں عام لوگوں کی دلچسپی اور بہبودی کے بھی کچھ کام حاکم ضلع سے متعلق رہتے ہیں جن کا سرسری بیان ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اوپر کے بیان سے شاید یہ گمان ہو کہ حاکم ضلع ایک غیر ذمہ دار حاکم ہے۔ لیکن یہ خیال حقیقت سے بہت بعید ہے۔

باب ۵

بیکن کا اپنے زمانے کے ججوں کے متعلق یہ مقولہ تھا کہ وہ شیر ہوں لیکن ایسے شیر جو تخت کے نیچے دبے ہوں ۔ اور یہی مقولہ کسی حد تک حاکم ضلع پر بھی صادق آتا ہے ۔ اس کو بہت کچھ اختیارات حاصل ہیں ۔ لیکن اس کے اختیارات اُن قواعد کے اندر محدود ہیں جو سرکار نے اس کی ہدایت کے واسطے مقرر کر دیئے ہیں ۔ سرکار کی طرف سے اس قسم کی کتابیں یا ہدایت نامے لکھوائے گئے ہیں جن میں نہایت واضح اور مختصر طور پر وہ تمام شرائط درج ہوتی ہیں جن کو کام کرتے وقت پیش نظر رکھنا ضروری ہے ۔ حاکم ضلع کو ہر سال اپنے ضلع کی حکومت کے متعلق ایک کیفیت اعلےٰ حاکم کے ہاں پیش کرنی پڑتی ہے ۔ یہی نہیں کہ ان کیفیتوں میں اعداد و شمار کے خشک بیانات درج ہوں بلکہ حاکم ضلع سے توقع کی جاتی ہے کہ ضلع کے عام حالات پر رائے زنی کرے ۔ بہبودی عامہ کے واسطے جو تجاویز ضروری اور مفید سمجھے پیش کرے کمشنر بھی اپنی رائے دیتا ہے کیونکہ اسی کے واسطے سے تو حاکم ضلع اور سرکار کے مابین خط وکتابت ہوتی ہے ۔ عام رائے جسکی نوعیت اگلے باب میں بیان ہوگی بلدیات یا مجالس مقامی کے ذریعہ سے ظاہر ہو سکتی ہے ۔

عدالتی اور انتظامی اختیارات کی علیحدگی ۔

یہ بھی واضح ہوا کہ ایک حد تک حاکم ضلع کو عدالتی اور انتظامی دونوں قسم کے اختیارات حاصل ہیں معمولی کاروبار حکومت کے علاوہ اس کو قانون و انصاف کے نفاذ سے بھی سروکار رہتا ہے ۔ دیوانی ملنے کے تھوڑے ہی عرصے بعد ہیسٹنگس نے عدالتی اختیارات بھی انتظامی حکام یعنی کلکٹروں کے سپرد کر دیے اور یہی طریق اب تک جاری ہے ۔ کچھ کچھ ترمیم البتہ ضرور ہو چکی ہے حکومت ہند کے نکتہ چیں عدالتی اور انتظامی اختیارات علیحدہ کرنے پر بہت زور دیتے ہیں اور انکا اصرار ہے کہ جب تک ان اختیارات میں علیحدگی نہ ہو انصاف نہیں ہو سکتا ۔ موجودہ طریق بیشک ایسا عمدہ تو نہیں جیسا کہ ہونا چاہیئے ، لیکن یہ ضرور ہے کہ ہندوستان جیسے ملک کے لئے یہی سب سے بہتر ہے اول تو دیوانی عدالتیں محکمۂ عدالت کے تحت میں ہیں اور ہر ضلع میں ایک ڈسٹرکٹ جج رہتا ہے ۔ دوسرے کلکٹر بحیثیت ناظم فوجداری کوئی مختار کل نہیں ۔ بلکہ اس کی عدالت فوجداری میں جو کچھ کام ہوتا ہے ڈسٹرکٹ جج اور ہائی کورٹ کو اس کی نگرانی کا اختیار حاصل ہے ۔

باب ۶

اور کلکٹر کے کام اس قدر گوناگوں ہیں کہ وہ عدالتوں میں زیادہ وقت صرف کر ہی نہیں سکتا۔ لوگوں کی حالت اور ملک کے رسم ورواج سے واقف ہونا فوری اور کارگر طور پر قانون وانصاف برتنے کے واسطے لازمی ہے۔ اور یہ اوصاف حاکم ضلع اور اس کے ماتحتوں میں موجود ہونے ضروری ہیں۔ سر ہنری لارنس کا قول ہے کہ ہندوستانی لوگ بھی جیسا کہ دنیا کی تمام قوموں کا قاعدہ ہے قانون پر انصاف کو ترجیح دیتے ہیں۔ جلد اور پورے طور پر انصاف ہونے کی سخت ضرورت رہتی ہے اور یہ مقصد اس وقت خوب حاصل ہوتا ہے جبکہ مقدمے کی تحقیقات خود حاکم ضلع کے ہاتھ میں ہو بمقابل اس کے کہ وکلا مقدمے میں طرح طرح کی قانونی باریکیاں اور پیچیدگیاں پیدا کریں جو یہاں کے لوگوں کے مناسب حال نہ ہوں۔ کفایت شعاری کو بھی موجودہ طریق میں کچھ دخل ہے۔ اگر عہدے بڑھا دیے گئے تو سرکاری آمدنی پر جو اہل ملک سے وصول ہوتی ہے خرچ کا بہت [illegible] تاہم یہ ایک نہایت دشوار سوال ہے کہ عدالتی اور انتظامی اختیارات بطریق موجودہ یکجا رہیں یا جدا کر دیے جائیں، اور سرکار کی طرف سے اس پر وقتاً فوقتاً [illegible]

چھٹا باب

بلدیات اور مجالس مقامی

ہندوستان میں حکومت بلدیہ اور مقامی خود اختیاری حکومت کے طریق نے حال ہی میں رواج پایا ہے اس کی ترقی کی رفتار بھی سست رہی اور بہت سی دشواریاں اور مایوسیاں پیش آتی رہی ہیں۔

پریزیڈنسی شہروں کے بلدیات

سب سے اول مدراس میں ۱۶۶۷ء میں ایک مجلس انتظامی اور حاکم بلدیہ کی عدالت قائم ہوئی اور کچھ روز بعد کلکتہ اور بمبئی میں بھی۔ اول اوّل مجلس انتظامی کا کام بہت کچھ عدالتی قسم کا تھا لیکن رفتہ رفتہ حکومت کے اور کام بھی اس کے سپرد ہو گئے حتیٰ کہ اس کو حدود بلدہ کے اندر اندر محصول وصول کرنے کا اختیار مل گیا۔

تینوں پریزیڈنسی شہروں کے کارپوریشن ایک خاص حیثیت رکھتے ہیں اور خاص قوانین کے تحت میں قائم ہیں کلکتے کے بلدیہ میں ایک نامزد شدہ صدر ہوتا تھا اور پچھتر یا رکن جن میں سے دو ثلث منتخب کیے جاتے تھے۔ ۱۸۹۹ء میں معلوم ہوا کہ گو چند قسم کی ترقیاں عمل میں آئیں تاہم شہر میں صفائی کی حالت نہایت ابتر تھی اور بڑی تبدیلیوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ پس ایک نیا دستور مرتب ہوا جس کی رو سے اراکین کی تعداد گھٹ کر صرف پچاس رہ گئی جن میں سے نصف منتخب ہوتے تھے اور باقی سرکار اور عام جماعتوں کی طرف سے نامزد کیے جاتے تھے اور نیز صدر جو کہ خاص انتظامی حاکم ہے سرکار کی طرف سے نامزد ہوتا تھا۔ مدراس میں صرف آٹھ رکن اور ایک صدر تو سرکار نامزد کرتی ہے اور باقی رکن محصول دہندوں اور عام جماعتوں کی طرف سے منتخب ہوتے ہیں۔ بمبئی کے بلدیہ کا زمانہ بہت خوشحالی میں بسر ہوتا رہا ہے۔ بحیثیت مجموعی شہر کے کام کارگزاراتہ اعتدال کے ساتھ سرانجام پاتے ہیں اور عام ذمہ داریوں کا جس قدر لحاظ رکھا گیا ہے وہ ضرور قابل تعریف ہے اس میں ۷۲ رکن شریک ہیں جن میں سے صرف سولہ کو سرکار نامزد کرتی ہے اور باقی رکن محصول دہندوں "جسٹیسیز آف دی پیس" یونیورسٹی کے فیلو یا رفیقوں اور ایوان تجارت کی طرف سے منتخب ہوتے ہیں صدر کو خود رکن منتخب کرتے ہیں اور اسی کے زیر صدارت کونسل کے اجلاس ہوتے ہیں لیکن

باب ۶

اعلیٰ انتظامی حاکم میونسپل کمشنر ہے جو سرکار کی طرف سے نامزد ہوتا ہے اور آج کل کا کمشنر ہندوستانی سول سروس کا رکن بھی ہے۔

بلدیہ کی آمدنی و خرچ

اِن بلدیات کی ذمہ داریاں کچھ کم نہیں۔ مدارس، روشنی، آبرسانی، صفائی، راستوں کی درستی، یہ سب کام بلدیہ کے سپرد ہے بمبئی میں بہ ماتحتی کمشنر چند مستقل اعلےٰ حاکم محکمہ وار مامور ہیں مثلاً اکزیکٹو ہیڈ انجینیر، انجینیر آبرسانی، معتمد بلدیہ بازارات کے مہتمم اجازت ناموں اور باغات کے مہتمم، وکٹوریا، اور البرٹ عجائب خانوں کے مہتمم بندرگاہ یا طفائیہ کا افسر، داروغہ گودام، یہ سب عہدہ دار اپنے اپنے محکمہ کا انتظام کرتے ہیں۔ علاوہ بریں بلدیہ کی طرف سے اس کی مالی حالت کی عام نگرانی کیواسطے ایک مستقل کمیٹی مقرر ہے کچھ کمیٹیاں مثلاً کمیٹی مدارس اور ماتحت کمیٹیاں خاص خاص کاموں کے واسطے قائم ہیں۔

بمبئی کے بلدیہ کی آمدنی کے خاص ذرائع یہ ہیں بلدیہ کے ابواب سکنی جائداد۔ جانوروں اور گاڑیوں کا محصول۔ شہری محاصل بلدیہ کی جائداد۔ پانی اور روشنی وغیرہ کا معاوضہ۔ تخمینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بلدیہ کے رقبے میں آبادی کے حساب سے محصول کا سالانہ اوسط ۵ ۱۲/۳ فی کس پڑتا ہے۔ مخارج کی خاص مدیں حسب ذیل ہیں۔

	روپیہ
عام نظم و نسق اور مصارف تحصیل	۹،۹۴،۶۵۰
حفاظت عامہ۔ آتش۔ روشنی وغیرہ	۶،۳۳،۹۲۱
صحت و راحت عامہ۔ آبرسانی بدررو۔ صفائی۔ شفاخانے۔ دواخانے وغیرہ	۵۳،۶۲،۵۵۹
تعمیرات و عمارات۔ سڑکیں وغیرہ	۱۸،۵۶،۷۱۹
تعلیم عامہ	۳۴،۶۴،۱۷۷

قرضے

جب کاموں کے واسطے بڑی بڑی رقمیں درکار ہوتی ہیں تو روپیہ قرض لے لیا جاتا ہے۔ سنہ ۱۹۱۳-۱۴ء میں بلدیہ کے قرضے کی مقدار (۶۴۸۸۳۶۷۷) روپیہ تھی اس کے مقابل ایک تو مستغرق فنڈ ہے جو بقدر ۲۴۴۴۸۴۱۳ روپیہ کے اس وقت مشغول ہے یعنی کام میں لگا ہوا ہے اور اس سے آمدنی حاصل ہوتی ہے دوسرے بلدیہ کی عمارات جن کی مالیت ۸۶۲۰۴۷۴۷ روپیہ تخمینہ کی جاتی ہے۔ پس واضح ہوا کہ اثاثہ مجموعی دین سے بہ مقدار معتدبہ زیادہ ہے اور بلدیہ کے مالی استحکام یقینی ہونے میں کیکو

کلام نہیں ہو سکتا۔

بلدیہ کے کام جانچنے کا سب سے سادہ طریقہ یہ نہیں کہ سڑکوں، عمارتوں اور لوگوں کو دیکھ لیا بلکہ شرح اموات تحقیق کرنی چاہیے جس سے صاف پتہ چل جائیگا کہ آیا بلدیہ شہر کا کام ٹھیک چلا رہا ہے یا نہیں۔ ذیل کی فہرست سے واضح ہو گا کہ گو شرح اموات اب بھی بمبئی میں بہت بڑھی ہوئی ہے تاہم اس میں نسبتہً برابر تخفیف ہو رہی ہے۔

سال	تعداد اموات مندرجہ	اوسط اموات فی ہزار
سنہ ۱۸۹۹ء	۵۶۴۳۴	۶۸٫۰۷
سنہ ۱۹۰۰ء	۷۹۳۵۰	۹۶٫۵۵
سنہ ۱۹۰۱ء	۵۹۴۹۵	۷۶٫۶۶
سنہ ۱۹۰۲ء	۴۸۴۱۴	۶۲٫۳۸
سنہ ۱۹۰۳ء	۵۰۵۱۳	۶۵٫۰۹
سنہ ۱۹۰۴ء	۴۲۶۷۶	۵۴٫۹۹
سنہ ۱۹۰۵ء	۴۷۶۶۲	۶۱٫۵۴
سنہ ۱۹۰۶ء	۵۲۸۷۴	۵۴٫۰۷
سنہ ۱۹۰۷ء	۳۸۶۸۷	۳۹٫۵۶
سنہ ۱۹۰۸ء	۳۸۲۷۱	۳۹٫۱۳
سنہ ۱۹۰۹ء	۳۴۸۷۸	۳۵٫۶۶
سنہ ۱۹۱۰ء	۳۴۹۳۳	۳۵٫۷۲
سنہ ۱۹۱۱ء	۳۴۹۶۱	۳۵٫۶۹
سنہ ۱۹۱۲ء	۳۸۹۵۴	۳۹٫۷۷
سنہ ۱۹۱۳ء	۳۱۸۰۶	۳۲٫۴۷

محکمہ آرائش بلدیہ

مجالس اضلاع کا ذکر چھیڑنے سے قبل پریذیڈنسی شہروں یعنی کلکتہ، بمبئی اور مدراس کے کچھ خاص حالات بیان کرنے ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ سنہ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق کلکتہ کی مردم شماری دس لاکھ چھتالیس ہزار تھی اور بمبئی کی ۹ لاکھ اناسی ہزار

باب

بمبئی کی حالت یہ ہے کہ بہت سی زمین جس پر آبادی پھیلی ہوئی ہے اوقتاً فوقتاً سمندر سے لی گئی ہے۔ اور آج کل ایک بہت بڑی تجویز جو زیر غور ہے وہ یہ کہ سمندر کا جو حصہ بیک بے یعنی خلیج پسین کہلاتا ہے اس کی زمین کیونکر بچائی جائے لیکن باینہمہ جغرافی اسباب کی وجہ سے شہر کے رقبہ کی وسعت محدود ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ آبادی بہت گنجان ہے شہر میں بڑے بڑے مکانات ہیں جنھیں چال کہتے ہیں ان میں بہت بہت سے لوگ ملکر رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض چالوں میں ہزار ہزار لوگ مقیم ہیں بعض گلیاں تنگ اور گندی ہیں۔ اور سب سے اونچی منزلوں کے سوا باقی عمارات کو صاف ہوا میسر نہیں آتی۔ مسٹر لوٹ فریزر ایک عرصہ تک ہندوستان میں رہ چکے ہیں ان کا بیان ہے کہ "شاید ہی کوئی منظر ایسا بھیانک ہو جیسا کہ ان متعفن مکانات کا روز نظر آتا جنکو موت کا گھر کہیں تو بجا ہے حالانکہ یہ مکانات سمندر کے قریب ہیں کہ موجوں کی آواز صاف سنائی دیتی ہے"۔ طاعون کے حربوں نے حکام ذی اقتدار کو اچھی طرح جتا دیا کہ اس بڑے شہر کے اندر کیسے کیسے خطرے گھات میں لگے ہوئے ہیں۔ لارڈ سینڈ ہرسٹ کے عہد حکومت میں محکمۂ آرائش بلدہ قائم ہوا اور گزشتہ چند سال میں اس کے مقاصد کو بہت ترقی ہوئی۔ بڑی بڑی چالوں کا بتدریج صفایا ہوتا جاتا ہے اور شہر میں چوڑی چوڑی سڑکیں نکل رہی ہیں۔ جہاں کبھی امراض کی شدت اور غلاظت کی کثرت تھی وہاں اب صاف ہوا اور کافی روشنی پہنچتی ہے جزیرۂ بمبئی کے شمال میں جو زمین افتادہ ہے اس کی درستی ہو رہی ہے اور جب جدید قسم کے ذرائع آمد و رفت نکل آئے تو ہزارہا لوگ جو شہر میں مقیم ہیں وہاں جا بسیں گے۔ ۱۸۹۸ء میں ایک قانون پاس کر کے آرائش بلدہ کا محکمہ قائم کیا گیا۔ اس کا انتظام متولیوں کی ایک جماعت کے سپرد ہے جس کا صدر سرکار کی طرف نامزد ہوتا ہے موجودہ صدر ہندوستانی سول سروس کا ایک رکن ہے اس محکمہ کا سرمایہ کچھ تو قرض کے روپیہ سے مہیا ہوتا ہے اور کچھ ان سرکاری اور بلدیہ کی افتادہ زمینوں کی آمدنی سے جو کہ متولیوں کے سپرد کر دی گئی ہیں۔ ۱۹۱۱ء کا ذکر ہے کہ حکومت ہند نے اپنی سالانہ زائد آمدنی میں سے پچاس لاکھ روپیہ اس محکمہ کو عنایت کیا۔ ایک ایسی ہی جماعت کلکتہ میں قائم ہوئی ہے جو شہر کے شمالی حصہ کی اس گنجان آبادی کی درستی و اصلاح

باب ۳

میں مصروف ہے جو عالیشان عمارتوں کے پیچھے چھپی پڑی ہے۔

محکمہ بنادر محکمہ آرائش بلدہ کے علاوہ خاص خاص بندرگاہوں میں محکمہ بنادر بھی قائم ہیں ان میں جو اراکین شریک رہتے ہیں وہ یا تو سرکار کی طرف سے نامزد ہوتے ہیں یا ایوان تجارت کی طرف سے یا اور ایسی جماعتوں کی طرف سے جن کو بندرگاہ کے کام سے کچھ تعلق اور دلچسپی ہوتی ہے بمبئی میں محکمہ بندرگاہ نے جہازوں کے واسطے بہت کچھ سہولتیں پیدا کر دی ہیں۔ خاص طریق سے جسکو برف کہتے ہیں بندر گہرا کرنے کے لئے ایک خاص قسم کے نلوں کے ذریعہ سے سمندر کی تہ سے گاد نکالتے ہیں اور جہاں سمندر سے زمین نکالنی مقصود ہو وہاں لیجا کر اس کو ڈالتے ہیں حتی کہ تہ کی زمین سطح آب سے اوپر نکل آتی ہے۔ اس طرح یک کرشمہ دو کار کے مقولہ پر عمل ہو رہا ہے ایک طرف تو بندر کی گہرائی بڑھ رہی ہے دوسری طرف سے زمین نکل رہی ہے۔ اصلاح آرائش کی بڑی بڑی تجاویز کی تکمیل کے واسطے جس قدر روپیہ درکار ہو وہ قرض لے لیا جاتا ہے بمبئی میں ایک نئی گودی تیار ہوئی ہے جس کی رسم افتتاح لارڈ ہارڈنگ نے انجام دی تھی۔ بندر میں جو بڑے سے بڑا جہاز آتا ہے وہاں کھڑا ہو سکتا ہے۔ جب سے یہ گودی بنی ڈاک کے جہاز ٹھیک مسافروں کے اترنے کی جگہ آ کھڑے ہوتے ہیں اس طرح مسافروں کو بہت بڑی دقت سے نجات مل گئی۔ بندر کا انتظام بھی اسی محکمہ کے ہاتھ میں ہے نیز اس قسم کے کام جیسے کہ بندر میں آتے وقت جہازوں کی رہنمائی کرنا اسی کے سپرد ہیں۔ ان خدمات کے معاوضہ میں اس کو بندر سے اور آنے والے جہازوں سے معقول آمدنی ہو جاتی ہے۔

یہی کیفیت کراچی، عدن، مدراس، رنگون اور چاٹگام کی ہے خصوصاً کراچی بندر بہت ترقی کر رہا ہے عجب نہیں کہ وہ آگے چل کر بمبئی کے ہمپلہ بن جائے۔ شمالی ہندوستان میں جو آبادی کے بڑے بڑے مرکز ہیں اور ان کے اور عدن کے درمیان جو سب سے سیدھا راستہ ہے اس پر کراچی واقع ہے اور سرکار ہند نے آبپاشی کے ذریعہ سے جو وسیع قطعات زرخیز بنائے ہیں وہ کراچی سے بہت قریب ہیں۔

بمبئی کے محکمہ بندرگاہ کی آمدنی سنہ ۱۷-۱۹۱۶ء میں ایک کروڑ ۸۷ لاکھ روپیہ تھی اور خرچ صرف ایک کروڑ ۱۶ لاکھ روپیہ ہوا۔ بقیہ رقم بطور اصل کام میں لگائی گئی۔ اس سال تقریباً

٥٠ لاکھ ٹن مال واسباب وہاں جہازوں پر آیا گیا - ٢ ہزار سے زیادہ جہاز گودی میں ٹھیرے ان کے علاوہ کچھ اور جہاز بھی مال لادنے اور اُتارنے کے واسطے بندرگاہ میں مقیم رہے اس سال کلکتہ کے محکمۂ بندرگاہ کی آمدنی ایک کرور ٨٥ لاکھ روپیہ رہی - اس محکمہ کے کاموں پر جنگ کا بہت اثر پڑا - اس لیئے کہ کلکتہ میں فوجی آمدورفت کا تو کوئی موقع محل نہ تھا - اور آبدوزوں کے حملوں کی وجہ سے بہت کم جہاز بندرگاہ میں داخل ہوئے

اضلاع کے بلدیات

پریزیڈنسی شہروں کے علاوہ اور شہروں میں بھی کچھ عرصہ سے بلدیات قائم ہو رہے ہیں - بلدیات کی موجودہ پالیسی یا مسلک بیشتر لارڈ میو کے عہد سے شروع ہوا ہے - اس پالیسی کے بہت سے مقاصد تھے - مثلاً یہ کہ لوگوں کو حکومت خود اختیاری کا سلیقہ آئے - شہر کی مقامی ضروریات کا بہتر انتظام ہو اور مشترکہ فوائد کے معاملات میں انگریز اور ہندوستانی ملکر کام کرنا سیکھیں - لارڈ رپن کے خیالات بھی بالکل یہی تھے اور انہی کے زمانہ میں بلدیات نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی

سنہ ١٩١٦-١٧ء میں کل ٧٢١ بلدیات برطانوی ہند میں قائم تھے اور ان کے حلقہ جات کی آبادی ایک کرور ستر لاکھ تھی چند سال سے بلدیات پر سرکاری نگرانی بہت کم ہو گئی ہے تمام بلدیات کے اراکین کی مجموعی تعداد میں منتخبہ اراکین کی تعداد نصف سے زیادہ یعنی ٥٣ فیصدی ہے - ١٣ فیصدی سرکاری اراکین ہیں اور ٣٤ فیصدی اراکین نامزد شدہ تمام بلدیات کو مجموعی طور پر پیش نظر رکھیئے تو غیر سرکاری اراکین سرکاری اراکین کے مقابل پانچ گنے نظر آتے ہیں - اور تمام اراکین میں مجموعی لحاظ سے نوے فیصدی ہندوستانی ہیں - اکثر جگہ سرکاری عہدہ دار کے صدر ہونے کا طریقہ بھی اُٹھ گیا ہے - اور مجلس بلدیہ خود ایک اعلیٰ عہدہ دار مقرر کر دیتی ہے - کلکٹر ضلع اور کمشنر قسمت کو البتہ نگرانی کا اختیار حاصل ہے، اور بعض بعض حالتوں میں جبکہ بہت غفلت ثابت ہو سرکار مجلس کو معطل بھی کر سکتی ہے،

طرح طرح کے کام بلدیہ کے سپرد ہوتے ہیں - بہ نظر سہولت انکو چند ابواب میں تقسیم کر سکتے ہیں - جیسے حفاظت عامہ، صحت، تجارت اور تعلیم - تاکہ یہ کام بخوبی انجام پا سکیں - قوانین بلدیات اور انکے ذیلی قواعد و ضوابط کی رو سے بلدیات کو مختلف اختیارات دے دیئے گئے ہیں ان کی مجموعی آمدنی کا تقریباً دو ثلث حصہ تو محصول سے وصول ہوتا،

باب ۵

اور باقی ایک ثلث حصہ بلدیہ کی جائداد - صوبوں کی مالی امداد اور دوسرے ذرائع سے ملتا ہے - محصول کی خاص مدیں یہ ہیں - چنگی (یعنی وہ محصول جو قصبہ میں داخل ہونے وقت مقامی استعمال کی مختلف اشیا مثلاً سامان خوراک وغیرہ پر وصول کیا جائے) مکانات اراضی جانوروں اور گاڑیوں کا محصول، پیشوں اور کاروبار کا محصول - سڑکوں اور گھاٹوں کا محصول - پانی - روشنی اور صفائی کا محصول - بڑے بڑے منصوبوں کی تکمیل کے واسطے مثلاً آبرسانی - بدررو وغیرہ کا انتظام درپیش ہو تو عموماً بلدیات قرض لیتے ہیں خواہ سرکار سے خواہ اپنے ذخیروں کی ضمانت پر کھلے بازار میں لیکن اکثر بلدیات کو مناسب شرائط پر بازار سے قرض لینے میں ناکامی ہوئی - اور ان کو تقریباً کل قرضہ سرکار سے ملا - عام طور پر بلدیات کی آمدنی بہت تھوڑی نظر آتی ہے - مجموعی آمدنی یعنی ۸ کروڑ ۹۸ لاکھ روپیہ میں سے بقدر ۳۸ فیصدی آمدنی صرف چار شہروں یعنی کلکتہ، بمبئی، مدراس اور رنگون سے وصول ہوتی ہے - تمام بلدیات کے محاصل میں خاص خاص مدات کی جو آمدنی ہے اور مجموعی آمدنی سے ان کی جو نسبت ہے وہ ذیل میں درج کی جاتی ہے -

بلدیات کے محاصل وغیرہ	آمدنی بحساب لاکھ روپیہ	مجموعی آمدنی سے نسبت
مکانات اور اراضی کا محصول	۱۹۱٫۸۱	۲۱٫۶
چنگی (خالص)	۱۵۱٫۳۱	۱۷٫۰
محصول آبرسانی	۱۰۳٫۹۹	۱۱٫۶
محصول صفائی	۶۴٫۰۶	۷٫۲
جانوروں اور گاڑیوں کا محصول	۳۱٫۶۰	۳٫۴
پیشوں اور کاروبار کا محصول	۱۸٫۴۳	۳٫۱
سڑکوں اور گھاٹوں کا محصول	۱۷٫۶۸	۲٫۰
محصول روشنی	۱۶٫۶۹	۱٫۹
دوسرے محصولات	۳۵٫۰۳	۳٫۹
محصول کے علاوہ بلدیات کی جائداد اور کارخانوں کی آمدنی	۱۵۷٫۷۳	۱۷٫۷
عطیات - امدادیں اور متفرقات	۱۱۱٫۵۵	۱۲٫۶

باب ٦

ملک کے بہت سے حصوں میں قوانین بلدیات کے بعض اجزا ان چھوٹے چھوٹے قصبات تک میں جاری ہو گئے ہیں جو حکومت بلدیہ کی ذمہ داری تو نہیں اٹھا سکتے تاہم انکو صفائی اور دوسرے اغراض کے لئے باقاعدہ انتظامات کی ضرورت ہے یہ مقام "رقبہ جات مشتہرہ" کہلاتے ہیں۔ اور اس قانون کے مطابق جو ان کے قیام کے باب میں نافذ ہے ہر رقبہ میں ایک قصبہ یا بازار ہونا لازم ہے۔ وہ نہ تو محض ایک زراعتی گاؤں ہونا چاہیئے۔ اور نہ اس کی آبادی دس ہزار سے زیادہ ہونی چاہیئے۔

مقامی مجالس اضلاع کے دیہاتی حصوں میں مقامی مجالس قائم ہیں۔ ان کے سپرد بھی وہی کام ہے جو بلدیات کے سپرد ہے لیکن چھوٹے پیمانہ پر بلدیات کی طرح مقامی مجالس بھی شروع شروع میں کم چلیں۔ لیکن لارڈ رپن کے عہد میں ان کو خوب ترقی ہوئی انگلستان میں قاعدہ یہ ہے کہ دیہاتی رقبوں کی مقامی حکومت کچھ تو کاؤنٹی یعنی کمشنری کی مجلس کے ہاتھ میں ہے اور کچھ مجلس ضلع اور کچھ دیہاتی مجلس کے ہاتھ میں اس میں ہر ایک مجلس کے اختیارات جداگانہ مقرر ہیں۔ ولایت میں حکومت کا سب سے چھوٹا حصہ پیرش یا موضع ہوتا ہے اور دراصل ان دونوں کی تقسیم مذہبی انتظام پر مبنی تھی۔ ہندوستان میں صوبے صوبے کی حالت جداگانہ ہے، ہر جگہ ایک نیا طریق نکل آیا ہے۔ مدراس میں تو سب سے چھوٹا حصہ ایک موضع یا چند مواضع کا مجموعہ شمار ہوتا ہے جو ایسے ملے جلے ہوں کہ ان کے متعلق مجلس کے سامنے جو معاملات پیش ہوں سب اراکین مجلس ان سے ذاتی طور پر واقف ہوں۔ اس دیہاتی مجلس کو پنچایت کہتے ہیں۔ اس نام کی ابتدا قدیم دیہاتی جماعتوں کے جلسوں سے ہوئی ہے یہ عام جماعتیں صفائی کے انتظام اور دوسرے چھوٹے چھوٹے کاموں کی نگرانی کرتی ہیں۔ اسی قسم کی جماعتیں بنگال اور بہار و اوڑیسہ میں بھی موجود ہیں جو اتحادی انجمنیں کہلاتی ہیں۔ دیہاتی مجلس کے اوپر مجالس تحصیل یا تعلقہ قائم ہیں۔ جو عام اہمیت کے کاموں کی دیکھ بھال رکھتی ہیں سب کے بعد مجالس اضلاع ہیں جو کل ضلع کے قائم مقام ہوتی ہیں۔ بمبئی کے احاطہ میں صرف مجالس تعلقہ اور مجالس ضلع قائم ہیں،

مقامی مجالس کا دستور اور کام مقامی مجالس کا دستور بھی ملک کے مختلف حصوں میں مختلف ہے۔ بلدیات کے مقابل نامزد شدہ اراکین کی تعداد زیادہ رہتی ہے لیکن بہت سی مجلسوں میں انتخابی عنصر

بھی داخل ہوگیا ہے اور بلاشبہ اس میں وقتاً فوقتاً اضافہ ہوگا۔ ۱۷-۱۹۱۶ء میں اتحاد
انجمنوں اور پنچایتوں کے علاوہ جہاں ابھی تک انتخاب کا اصول شروع نہیں ہوا۔
مقامی مجالس میں تقریباً ۵۰ فیصدی اراکین منتخب شدہ تھے۔ حاکم ضلع، مجلس ضلع
کا صدر ہوتا ہے اور حاکم علاقہ مجلس تعلقہ کا۔ مقامی آمد و رفت کے ذرائع کی نگرانی درستی
اور اصلاح کے علاوہ مجلس ضلع کے کام یہ ہیں۔ شفاخانوں اور دواخانوں کا قیام
پانی کے نکاس اور آبرسانی کا انتظام، عام صفائی، چیچک کا ٹیکا، تعلیم خصوصاً ابتدائی
درجہ کی رمنوں اور گھاٹوں کی نگرانی، بازاروں کی تعمیر اور درستی اور قحط کے زمانے
میں غربا کی امداد مجلس تعلقہ زیر نگرانی مجلس ضلع اپنا کام کرتی رہتی ہے اس کی آمدنی
کے کئی ذرائع ہیں۔ مقامی حکومت کے عطیے زمین کا محصول باڑوں اور گھاٹوں
کا محصول، اور دوسری آمدنی جو محصول راہداری کے طور پر وصول ہو۔ بلدیات او
مجالس اضلاع کے حساب کتاب کی جانچ پڑتال تو سرکاری عہدہ دار بھی کرتے ہیں
لیکن وہ شاہی موزانہ میں شامل نہیں ہوتا۔

مجالس اضلاع کی مجموعی آمدنی ۱۷-۱۹۱۶ء میں ۷ کرور دس لاکھ روپیہ رہی۔ ہر
مجلس کی اوسط آمدنی مع ذیلی مجالس تعلقہ جات تقریباً ۴ لاکھ روپیہ تھی۔ بنگال میں
مختلف کمیٹیوں کی اوسط آمدنی ایک ہزار اسی روپیہ تھی۔ اور مدراس میں پنچایتوں
کی اوسط آمدنی ۷۲ ، ۴۷ روپیہ اخراجات کی خاص مدیں تعلیمات اور تعمیرات ہیں
احاطہ بمبئی میں سالانہ اخراجات کی ۶ ، ۲۴ فیصدی رقم تعمیرات پر صرف ہوئی۔
جس میں عمارات - ذرائع آمد و رفت - آبرسانی - انجن اور آلہ جات - مسافر بنگلے اور
شجر بندی داخل تھی تعلیمات کے اخراجات مجموعی آمدنی کے ۷ ، ۳۴ فیصدی رہے۔ طبی
اخراجات میں ٹیکا لگانے کا انتظام اور ملیریا کے موسم میں کنین کی بہم رسانی بھی
داخل ہے۔

۱۹۱۸ء میں
سرکار ہند کا مسلک

اس پر عموماً اتفاق ہے کہ مقامی خود اختیاری حکومت کا مسلک جو آج سے
تقریباً چالیس سال قبل بڑی امیدوں کے ساتھ لارڈ رپن نے جاری کیا۔ ابھی تک
اس کو کوئی بڑی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ اسی ناکامی کے متعدد اسباب ہیں مثلاً
یہ کہ بلدیات اور مجالس کی آمدنی بہت قلیل اور قابل اضافہ نہیں ہے۔ اکثر جگہ امور

کے ساتھ اب تک بے اعتنائی کی جاتی ہے۔ ذات پات اور فرقوں کی بنا پر مخالفت چلتی رہتی ہے۔ لارڈ چیمسفورڈ اور مسٹر مانٹیگو اس امر پر بھی توجہ دلاتے ہیں کہ تربیت کے اصول کو فوری نتائج کی خواہش کے ماتحت کر دیا گیا ہے مقامی معاملات کا انتظام انہی لوگوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا گیا ہے جو اس کے چلانے کے سب سے زیادہ اہل ہیں۔ نہ اس وجہ سے کہ ان لوگوں کو کسی خودمختارانہ اقتدار کی ہوس ہے۔ بلکہ محض اسلئے کہ کسی اور جماعت نے اپنے آپ کو کام کے واسطے پیش ہی نہیں کیا۔ اور حکام ضلع کو تو کبھی مہلت ہی نہیں ملتی اور نہ ان کی کافی مدد کی جاتی ہے کہ وہ مہلت حاصل کر سکیں سچ تو یہ ہے کہ تیس سال سے زیادہ عرصہ میں حقیقی مقامی خوداختیاری حکومت کی ترقی ہندوستان کے بیشتر حصہ میں ناکافی رہی ہے۔

۱۹۱۸ء میں اس امر کے متعلق سرکار ہند کی طرف سے ایک اہم رزولیوشن شائع ہوا جس میں یہ بتایا گیا کہ مقامی خوداختیاری حکومت کا منشا یہی ہے کہ لوگ اپنے معاملات کا انتظام کرنا سیکھیں اور یہ کہ اس قسم کی سیاسی تعلیم کے شروع میں لامحالہ متعلقہ محکموں کی کارگزاری کم رہیگی۔ اس سے ظاہر ہوا کہ مقامی مجالس میں حتی الوسع ان لوگوں کی پوری نیابت رہنی چاہیئے جن کے معاملات کا انتظام ان کے سپرد ہو۔ یہ کہ امور مفوضہ میں ان کے اختیارات حقیقی ہونے چاہئیں نہ کہ محض برائے نام۔ یہ کہ ان پر غیر ضروری نگرانی نہ رکھنی چاہیئے بلکہ ان کو موقع دینا چاہیئے کہ اپنی غلطیوں سے خود سبق حاصل کریں اور کام سیکھیں سرکار ہند نے اس لیئے یہ فیصلہ کیا کہ بلدیات مجالس اضلاع اور مجالس تحصیل و تعلقہ جات میں انتخابی عنصر کی عموماً کافی کثرت رہے۔ اور نامزد شدہ اراکین کی تعداد معمولاً ایک چوتھائی سے زیادہ نہ ہو یہ بھی تاکید کی گئی کہ بلدیات میں بتدریج انتخابی صدر کو نامزد شدہ صدر کا جانشین بنانا چاہیئے۔ اور مجالس اضلاع میں غیر سرکاری صدر بڑھانے چاہیئں۔ سرکار ہند نے یہ بھی مشورہ دیا کہ بلدیات کو قانون کے مقررہ حدود کے اندر اندر محصول بڑھانے یا بدلنے کا پورا اختیار ہونا چاہیئے اور نیز مجالس اضلاع و تعلقہ جات بغیر کسی بیرونی مداخلت کے حدود قانون کے اندر زمین کے ابواب کی شرح بدلنے کے مجاز ہونے چاہیئں۔ سرکار ہند نے صوبوں کی حکومتوں کو مشورۃً اس طریق پر بھی توجہ دلائی کہ ایک مرکزی جماعت قائم

باب

کی جائے۔ جو مقامی جماعتوں کے تجربوں کو یکجا کرکے اور ماہرین خصوصی سے معائنے کرا کے بہتر نگرانی اور ہدایت کا اہتمام کرے۔ ایسی مرکزی جماعت کا سرکار سے براہ راست ربط رہنا چاہیئے۔ بلکہ مناسب ہوگا کہ صوبہ میں مجلس انتظامی موجود ہو تو اسی کا ایک رکن اس کا صدر ہو جایا کرے۔ یہ امر بھی غور طلب ہے کہ آیا کسی باضابطہ مرکز میں بورڈ کے بجائے مقامی اور بلدی معاملات کے واسطے کوئی مستقل کمیٹی مقرر ہو جائے جو براہ راست سرکار تک رسائی رکھتی ہو اور جس میں بیشتر مجلس وضع قوانین کے انتخابی اراکین شریک ہوں۔

رہیں پنچایتیں سرکار ہند کے نزدیک اس کی بہت ضرورت ہے کہ گاؤں کے خاص خاص عہدہ دار بھی اس میں شریک رہیں کچھ اراکین خود گاؤں کے لوگ اپنے طور پر انتخاب کریں۔ البتہ پنچایت کو اپنے صدر کے انتخاب کا اختیار ہوگا۔ دیہات کی صفائی۔ تعلیم۔ اور چھوٹے چھوٹے دیوانی فوجداری کے مقدمات خاص کر یہ کام پنچایتوں کے سپرد کیئے جا سکتے ہیں لیکن یہ مناسب ہوگا کہ ہر پنچایت ایک ہی گاؤں کی نائب ہو۔ ورنہ ایسے کاموں کی باقاعدہ انجام دہی میں رائے عامہ کا جو زور ہوتا ہے وہ باقی نہیں رہے گا۔

مقامی مجالس اور مرکزی حکومت کا تعلق

انگلستان کی دستوری تاریخ میں مقامی حکومت کی نشو و نما کا بہت دخل نظر آتا ہے چنانچہ اینگلو سیکسن زمانہ کی خصوصیت ہی یہ تھی کہ مقامی مجالس ذی اقتدار تھیں اور مرکزی حکومت کی کمزور نارمن عہد میں حالت بالکل اس کے برعکس ہوگئی اور مقامی جماعتوں کے مقابل مرکزی انتظامی محکمہ کو بہت زیادہ اختیارات مل گئے۔ پلنٹا جنٹ خاندان کے حکومت کے شروع میں بہت ہی خوبی سے یہ امر طے پا گیا جس کے مطابق مقامی جماعتوں کو بھی اپنے معاملات انجام دینے کی آزادی حاصل ہوگئی اور ساتھ ہی مرکزی حکومت کی قوت بھی برقرار رہی پارلیمنٹ کا جو طریق نکلا کہ اضلاع اور بڑے بڑے شہروں کے نائبوں کے ذریعہ سے مرکزی انتظامی حکومت اور بیرونی مقامات میں تعلق پیدا ہوگیا مذکورہ بالا امر کو اسی کا نتیجہ سمجھنا چاہیئے۔
وہی طریق ہندوستان میں رائج کیا جا رہا ہے مقامی معاملات کا انتظام روز بروز زیادہ تر مجالس ضلع اور بلدیات کے سپرد ہوتا جاتا ہے۔ صرف بقدر ضرورت نگرانی رہتی ہے اور چونکہ اضلاع کے سرکاری عہدہ دار اور بلدیات اور مجالس ضلع کے رکن صوبوں کی مجالس وضع قوانین میں شریک رہتے ہیں۔ لہٰذا انتظامی محکمہ مقامی ضروریات سے زیادہ باخبر ہوتا جاتا ہے۔

ساتواں باب

محکمۂ قانون

برطانوی پارلیمنٹ یا یوں کہیے کہ بادشاہ باجلاس پارلیمنٹ اعلیٰ فرماں روا ہے۔ کیوں کہ بقول پروفیسر ڈائسی اسکو قانون وضع کرنے اور منسوخ کرنے کا پورا پورا اختیار حاصل ہے۔ اور انگلستان کے قانون کی رو سے کوئی شخص یا جماعت ایسی نہیں ہے کہ پارلیمنٹ کے قوانین کو برطرف کر سکے۔ پارلیمنٹ تخت وتاج کی وراثت کا بھی انتظام کر سکتی ہے۔ اور اس میں تغیر تبدل کر سکتی ہے۔ چنانچہ ہنری ہشتم اور ولیم سوم کے عہد میں ایسا ہو بھی چکا ہے۔ وہ ملک کا مسلمہ مذہب بھی تبدیل کر سکتی ہے۔ چنانچہ ہنری ہشتم کے عہد میں اور اس کی تین پشت بعد تک بہت سی صورتوں میں ایسا واقع ہو چکا ہے۔ اس کو یہ بھی اختیار حاصل ہے کہ سلطنت کا بلکہ خود پارلیمنٹ کا دستور بدلے اور اس کو از سر نو وضع کرے چنانچہ اس کی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً قانون اتحاد اور سہ سالہ و ہفت سالہ انتخابات کے قوانین اور ۱۹۱۱ء کا قانون پارلیمنٹ۔ المختصر جس قدر کام ممکن ہے وہ ان کو انجام دینے کی مجاز ہے اور اسی بنا پر بعض لوگوں نے تو یہ جرأت کی کہ اس کے اختیارات کو بزبان استعارہ پارلیمنٹ کی قدرت مطلقہ سے تعبیر کر دیا۔

پارلیمنٹ کی اس قدرت مطلقہ نے انگریزی دستور میں بہت لوچ پیدا کر دیا۔ کیونکہ اس میں بہت آسانی سے تبدیلیاں ہو سکتی ہیں اور ضابطہ بھی وہی کام میں لایا جاتا ہے جو معمولی قوانین کا ہے۔ بعض دیگر ممالک میں دستور کی تبدیلی بہت دشوار ہے اور اسمیں غیر معمولی ضابطہ کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً سوئٹزرلینڈ میں اس کام کے واسطے بطریق استصواب عوام سے اجازت حاصل کرنی ضرور ہے۔ ایسے ممالک کے محکمۂ قانون محدود الاقتدار مقنن جماعت کہلاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اگرچہ وہ قانون بنانے کے مجاز ہیں بعض امور میں انکے اختیارات ایک تحریری دستور نے محدود

کر دیئے ہیں۔ دونوں طریقوں میں کچھ نہ کچھ خطرات مضمر ہیں۔ انگلستان میں تو یہ خطرہ ہے کہ کافی غور و خوض کے بغیر ممکن ہے کہ سخت تبدیلیاں عمل میں آجائیں اور سوئٹزرلینڈ میں یہ کہ ضروری تبدیلیوں میں بے جا تاخیر ہو جائے۔

ہندوستان کا محکمہ قانون ایک محدود اقتدار مقنن جماعت

ہندوستان کا محکمہ قانون دوسرے زمرہ میں شریک ہے۔ یعنی وہ ایک محدود الاقتدار مقنن جماعت ہے۔ یہی ضروری بھی ہے کیونکہ ہندوستان کی عام بہبودی اور حفاظت کی ذمہ دار تو برطانوی پارلیمنٹ رہی ہے اور اب بھی ہے۔ ہندوستان کی مجلس وضع قوانین جو شملہ اور دہلی میں اجلاس کرتی ہے۔ ایک قانون بنانے والی جماعت ہے اور (ا) برطانوی ہندوستان کے تمام لوگوں تمام عدالتوں تمام مقامات اور تمام چیزوں کے واسطے (ب) ملک معظم کی اس برطانوی رعایا اور سرکار ہند کے ان تمام ملازموں کے واسطے جو ہندوستان کے دوسرے حصوں میں مقیم ہوں۔ (ج) ملک معظم کی ہندوستانی رعایا اور ہندوستانی فوجی ملازموں اور سپاہیوں وغیرہ کے واسطے جبکہ وہ دنیا کے کسی حصے میں ہوں۔ خواہ ملک معظم کی سلطنت کے اندر یا اسکے باہر اور (د) نیز ان تمام لوگوں کے واسطے جو ہندوستانی بحری خدمت میں شریک ہیں یہ مجلس قانون پاس کرسکتی ہے عملی طور پر برطانوی پارلیمنٹ نے ہندوستان کے اندرونی معاملات کے باب میں قانون بنانے کے حق کو ترک کر دیا۔ سوائے غیر بحث طلب معاملات کے مثلاً حق تصنیف کہ اس کے نفاذ عام میں سب ملکوں کا فائدہ ہے۔ پارلیمنٹ کے قانون اس وقت تک ہندوستان پر عائد نہیں ہو سکتے۔ جب تک صراحتاً یا کنایتاً ان کا حلقۂ نفاذ ہندوستان تک وسیع نہ کر دیا۔ اس لئے ہندوستان کی مجلس وضع قوانین ہی ہندوستان میں قانون بنانے کی خاص طور پر مجاز ہے۔ لیکن ان اختیارات کے عمل درآمد میں اسی طرح طرح کی روک ٹوک ضرور رہتی ہے۔ وہ قانون فوج کو منسوخ یا ترمیم نہیں کرسکتی اور نہ کوئی ایسا قانون پاس کرسکتی ہے جس کا پارلیمنٹ کے اختیارات پر اثر پڑے وہ صرف ایسے قانون وضع کرسکتی ہے۔ جو پارلیمنٹ کے ان قوانین کے موافق ہوں جو اس نے ہندوستان کے متعلق پاس کر دیئے ہیں۔ ایسے قوانین کا ذکر پہلے باب میں آچکا ہے۔ اور اسکو ان قوانین کی تنسیخ یا ترمیم کا حق حاصل نہیں ہے۔ وزیر ہند کے توسط سے پارلیمنٹ ہندوستان کے قوانین پاس ہونے پر عام نگرانی رکھتی ہے۔ اس لئے سرکار ہند کا یہ دستور رہا ہے کہ کوئی جدید قانون

پیش کرنے سے قبل وہ پہلے وزیر ہند کی رضامندی لے لیتی ہے۔

صوبوں کی مجالس وضع قوانین بھی محدود الاقتدار مقنن جماعت ہیں۔

ہندوستان کی صدر مجلس وضع قوانین کے علاوہ متعدد صوبوں کی مجالس وضع قوانین بھی ہیں مدت دراز تک اس پر حیص بیص ہوتی رہی کہ آیا صوبوں میں مجالس وضع قوانین ہوں بھی یا نہیں۔ ایک طرف تو یہ خوف تھا کہ مبادا متعدد مجالس وضع قوانین کے قیام سے یکسانی مفقود ہو جائے اور ایسی پیچیدگی پیدا ہو جائے جس سے لوگوں کو قانون کی پابندی میں اور عدالتوں کو قانون کے نفاذ میں حیرانی ہو۔ دوسری طرف یہ بھی دشوار معلوم ہوتا تھا کہ تنہا ہندوستان کی مجلس وضع قوانین تمام ملک کے واسطے کل ضروری قانون وضع کرے۔ اور یہ جماعت ہندوستانی صوبوں کی ضروریات سے کافی طور پر واقف بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ ۱۷۷۳ء کے قانون تنظیم پاس ہونے سے قبل تینوں احاطوں کے گورنر باجلاس کونسل اپنے اپنے صوبے کے واسطے قوانین و قواعد بنانے کے مجاز تھے۔ قانون تنظیم کی رو سے بنگال کا گورنر جنرل باجلاس کونسل۔ اعلیٰ حکومت پر فائز سمجھا گیا۔ لیکن عملی طور پر اسکو مدراس اور بمبئی کی حکومتوں پر محض برائے نام نگرانی کا اختیار حاصل تھا۔ ۱۸۳۳ء میں مدراس اور بمبئی سے وضع قانون کے اختیارات لے لئے گئے۔ اور کامل یکسانی کی مبالغہ آمیز خواہش پر وہ قربان کر دیے گئے۔ سخت تبدیلی تھوڑے ہی مدت میں ناقص ثابت ہوئی کیونکہ گورنر جنرل کی کونسل کے اراکین بنگال سول سروس کے لوگ تھے اور وہ مدراس اور بمبئی کی ضروریات سے بہت کم واقفیت رکھتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۵۳ء میں مدراس، بمبئی اور نیز بنگال اور آگرہ کی حکومتوں کے نائب گورنر جنرل کونسل میں بطور زاید رکن کے شریک کر دیے گئے۔ لیکن یہ امید کہ یہ اراکین گورنر جنرل کی کونسل کو کافی طور پر باخبر رکھ سکیں گے پوری نہ ہو سکی۔ لارڈ کیننگ نے اسلئے پورے معاملہ پر از سر نو غور کیا۔ دو اصول صحیح ثابت ہو چکے تھے۔ ایک تو یہ کہ متعدد مجالس وضع قوانین جو کسی ایک مرکزی اور با اثر نگرانی کے ماتحت نہ ہوں ہندوستان کے حق میں مضر نکلے۔ دوسرے یہ بھی ویسا ہی مضر ثابت ہوا کہ تمام وضع قوانین کے اختیارات ایک مرکزی حکومت کے تفویض کر دیے جائیں جو نہ تو وضع قوانین کی ضروریات کا ساتھ دے سکتی تھی اور نہ مقامی حالات سے کافی طور پر واقف ہو سکتی تھی۔ اس لئے ۱۸۶۱ء کا قانون دستور ہند کی تاریخ میں بہت اہمیت

باب ۴

رکھتا ہے۔ اس نے مدراس اور بمبئی کی قدیم مجالس وضع قوانین بحال کر دیں اور ایک بنگال میں بھی قائم کر دی۔ اور دوسرے صوبوں میں بھی اس قسم کے مجالس کے قیام کا بندوبست کر دیا۔ چنانچہ سنہ ۱۸۸۶ء میں صوبہ متحدہ کی مجلس اور سنہ ۱۸۹۷ء میں پنجاب کی مجلس قائم ہوئی۔ سنہ ۱۹۹۷ء میں بنگال، مدراس، بمبئی، صوبہ متحدہ، پنجاب، برما، بہار و اوڑیسہ، صوبجات متوسط اور آسام۔ ان تمام صوبوں میں تو مجالس قائم تھے لیکن جنہوں نے سنہ ۱۸۶۱ء کا قانون پاس کیا تھا انہوں نے ان خرابیوں اور پیچیدگیوں پر نظر کر کے جو مدراس اور بمبئی کی تقریباً خود مختار مجالس کی بدولت پہلے ظاہر ہو چکی تھیں۔ احتیاط کے ساتھ صوبوں کی مجالس کا دائرہ اختیار محدود کر کے ان کو سرکار ہند کی عام نگرانی کا ماتحت کر دیا۔ صوبوں کی مجالس کو یہ اختیار نہ تھا کہ بغیر گورنر جنرل کی رضامندی کے کوئی ایسا قانون بنائیں یا تجویز کر سکیں۔ جس کا سرکاری قرضہ پر اثر پڑے۔ یا سرکار ہند کے مالیہ پر، زر پر، ڈاکخانہ و تار پر، قانون تعزیرات ہند پر یا شہنشاہ معظم کے بحری اور فوجی طاقتوں پر اس کا اثر پڑے۔ صوبوں کی حکومتیں کوئی مسودہ قانون مجلس میں پیش نہیں کر سکتی تھیں جب تک کہ پہلے سے اسکو سرکار ہند میں پیش کر کے منظوری حاصل نہ کر لیں۔ ہر قانون جو صوبوں کی حکومتیں پاس کرتی تھیں۔ اس کے واسطے گورنر جنرل کی رضامندی لازم تھی۔

وضع قانون کے باب میں مجلس انتظامی اور مجلس قانونی کے باہمی تعلقات۔

دوسرا اہم سوال جو ہندوستان کے طریق وضع قوانین کی ترقی میں پیش آیا وہ محکمۂ قانون اور محکمۂ انتظامی کے باہمی تعلقات کا تصفیہ تھا۔ ہندوستان کی مجلس وضع قوانین ابتداءً ایک توسیع تھی گورنر جنرل کی مجلس انتظامی کی۔ اور زمانہ حال تک اس کا پورا نام یہ تھا۔ "گورنر جنرل با جلاس کونسل بغرض وضع قوانین"۔ اس سے ظاہر ہوا کہ مجلس انتظامی مجلس وضع قوانین کے بہت پہلے سے موجود تھی اس کے اراکین اپنی صوابدید سے قواعد و ضوابط بناتے رہتے تھے اور سرکاری یادداشتوں اور غیر سرکاری گفتگوؤں سے اپنا کام چلاتے تھے۔ قانون بنانے کا یہ طریق یوں تو سہل اور چست تھا لیکن اس کو مشکل قرین احتیاط کہہ سکتے ہیں۔ محکمۂ انتظامی کو خاصکر جبکہ اس کے کل اراکین غیر ملکی ہوں جیسا کہ اس زمانہ میں واقعہ تھا واجب ہے کہ ہر ممکن طریقہ سے یہ معلوم کرے کہ اس نے جو قوانین بنائے ہیں وہ کہاں تک ان لوگوں کے مناسب حال

باب

ہیں جن کو ان کی تعمیل کرنی ہو گی اور ایسی صورت میں محکمۂ انتظامی کو ان لوگوں کی مدد بھی درکار ہو گی جن کو قانونی معاملات کا تجربہ حاصل ہو۔ انگلستان میں حکام نے آخرالذکر احتیاط کی ضرورت محسوس کی چنانچہ ۱۷۷۳ء کے قانون تنظیم میں یہ قرار پایا کہ مجلس انتظامی جسقدر قانون پاس کرے عدالت العالیہ میں ان کا اندراج ہونا ضرور ہے۔ لیکن یہ طریق ناکامیاب رہا عدالت العالیہ کے جج انگریزی قانون کے تجربے کے زیر اثر بہت کچھ تھے اور وہ اکثر اعتبارات سے ہندوستان کے مناسب حال نہ تھا محکمۂ انتظامی اور عدالت العالیہ میں خوب چلی اور عدالت نے وارن ہسٹنگز کی حکومت کے اختیار بہت گھٹا دیئے۔ بالآخر ۱۷۸۱ء میں اندراج کا قاعدہ اٹھ گیا۔ ۱۸۳۳ء میں ایک اور طریق نکالا گیا تاکہ محکمۂ انتظامی کو قانونی تجربے سے مدد مل سکے۔ مجلس انتظامی میں ایک رکن قانونی بھی شریک کر لیا گیا۔ چنانچہ سب سے پہلے رکن لارڈ میکالے ہوئے۔ اور کچھ زمانے تک ان کا کام صرف وضع قانون رہا۔ یہ جدت بہت کارآمد ثابت ہوئی۔ کیونکہ اس کے ذریعے سے سرکار ہند کو وضع قوانین میں بڑے بڑے ماہرین قانون مثلاً لارڈ میکالے ہنری مین۔ فیزلی اسٹیفن۔ اور کورٹنی البرٹ سے مقننوں کی خدمت سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ ان صاحبوں کے کام کی بابت اگلے باب میں بحث کی جائے گی۔ جہاں عدالت کا بیان درج ہے۔

۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۱ء کی ترقیاں

مزید تبدیلیوں کی ضرورت جلد ظاہر ہوگی۔ ان دنوں ہندوستان میں وضع قوانین کا جو طریق رائج تھا اس میں اکثر خوبیوں کی کمی تھی۔ سب سے اول تو یہ ضرور ہے کہ مجوزہ قوانین پر باضابطہ اور علانیہ بحث کی جائے۔ دوسرے جو لوگ ملک کے طور طریق سے واقف ہوں ان سے رائے لی جائے۔ ان ضرورتوں کو پورا کرنے کی بہت سی کوششیں ہو چکی ہیں ۱۸۵۳ء میں یہ ہوا کہ کونسل جب مجلس وضع قوانین کی حیثیت سے کام کرتی تو اس میں چھ زاید رکن شریک ہو جاتے تھے۔ بنگال کا میر مجلس ایک رکن عدالت العالیہ۔ اور ایک ایک رکن صوبجات بنگال، مدراس، بمبئی، اور آگرہ کی حکومتوں کا نامزد کیا ہوا۔ اسی زمانے سے زبانی بحث شروع ہوئی اور علانیہ مباحثے ہونے لگے۔ یہ بہت مصلحت طریقہ تھا کیونکہ مجلس انتظامی کو اپنی تجویزیں ان زاید ارکین کے روبرو پیش کر کے سمجھانی پڑتی تھیں اور ان کی نکتہ چینی کی مدافعت

ماٹ

کرنی پڑتی تھی۔ ۱۸۶۱ء میں دوسرا قدم آگے بڑھا۔ اس سال کے قانون میں یہ قرار پایا کہ مجلس انتظامی کے اراکین کے علاوہ کم از کم چھ اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکن اور شریک ہونے چاہئیں۔ جنکو گورنر جنرل نامزد کرے۔ اور وہ دو سال تک شریک مجلس رہیں۔ ان زائد رکنوں میں سے کم از کم نصف کا غیر سرکاری ہونا ضروری تھا یعنی ایسے لوگ کہ جو سرکاری ملازمت میں نہوں۔ صوبوں کی مجالس میں بھی اسی قسم کے طریقے اختیار کئے گئے۔ اس جدت کی بڑی اہمیت یہ ہے کہ سرکار کی طرف سے چند ہندوستانی منتخب کئے گئے تاکہ وہ مشورہ دیں اور مجوزہ قوانین پیش ہوں تو ان پر رائے زنی کریں۔

۱۸۹۲ء کا قانون۔ ہندوستان میں مجالس وضع قوانین کو جو ترقی حاصل ہوئی اس میں ۱۸۹۲ء کا قانون بھی قابل یادگار ہے۔ اس کی رو سے شاہی کونسل میں زائد اور غیر سرکاری اراکین کی تعداد بڑھ گئی۔ صوبوں کی مجالس میں بھی زائد اراکین کی تعداد اس حد تک بڑھا دی گئی کہ زیادہ سے زیادہ بیس مدراس، اور بمبئی کی مجالس میں اور ۱۵ باقی مجالس میں شریک ہو سکیں۔ بمبئی اور مدراس کی مجالس میں کم از کم نصف اور باقی مجالس میں کم از کم ایک ثلث زائد اراکین کا غیر سرکاری ہونا بھی ضرور تھا۔ ۱۹۰۹ء سے قبل بمبئی کی مجلس میں کئی سال تک غیر سرکاری اراکین کی کثرت رہی۔ ۱۸۹۲ء کے قانون نے جو نئی راہ نکالی وہ یہ تھی کہ عملی طور پر ایک طریق انتخاب شروع ہو گیا۔ چنانچہ بنگال مدراس، بمبئی اور صوبجات متحدہ کی مجالس وضع قوانین اور نیز کلکتہ کے ایوان تجارت ہر ایک نے اپنا اپنا ایک نائب منتخب کر کے شاہی مجلس میں بھیجنا شروع کیا۔ جماعات عامہ مثلاً بلدیات اور مقامی مجالس بھی اپنے نائب منتخب کر کے صوبوں کی مجالس میں بھیجنے لگیں۔

۱۹۰۹ء کا قانون ۱۹۰۹ء کا قانون بھی جو لارڈ مارلے اور لارڈ منٹو کی مرتبہ تجاویز اصلاح کا نتیجہ تھا اسی سمت ایک قدم اور آگے بڑھ گیا۔ اس میں یہ قرار پایا کہ انتظامی مجلس کے اراکین کے علاوہ زیادہ سے زیادہ ساٹھ زاید رکن مجلس وضع قوانین میں اور شریک رہیں گے۔ ان میں سے زیادہ سے زیادہ ۳۵ پینتیس رکن گورنر جنرل خود نامزد کر سکتا ہے۔ صرف اسقدر ملحوظ رکھنا شرط ہے کہ سرکاری اراکین کی کثرت رہے بقیہ ۲۵ اراکین

منتخب ہوتے ہیں مجالس صوبجات کے غیر سرکاری اراکین کی طرف سے بعض صوبوں کے زمینداروں کی طرف سے۔ بعض صوبوں کے مسلمان طبقہ کی طرف سے اور بمبئی اور بنگال کے ایوان تجارت کی طرف سے۔ اسی قانون میں یہ بھی قرار پایا کہ صوبجات کی مجالس میں سرکاری اراکین کی کثرت رکھنی ضرور نہیں۔ مختلف صوبوں میں انتخاب شدہ اراکین کی تعداد مختلف رکھی گئی۔ مثلاً بمبئی میں تعداد ۲۱ رہی۔ یہ اراکین بمبئی کے بلدیے بلدیات اضلاع۔ مجالس اضلاع۔ بمبئی یونیورسٹی۔ ایوان تجارت۔ مسلمان جماعت۔ سرداران دکن وگجرات اور جاگیرداران سندھ کی طرف سے منتخب ہوئے۔ یہ امر بھی قابل یادداشت ہے کہ جماعتی انتخاب کا اصول تسلیم کر لیا گیا خاصکر مسلمانوں کے بارے میں۔ اسی قانون کے بموجب قواعد وضوابط کی فہرست شائع کی گئی جس میں امیدواروں اور رائے دہندوں کے اوصاف اور طریق انتخاب درج ہے۔ یہ بھی احتیاط کی جاتی ہے کہ انتخاب میں کوئی بیجا کارروائی نہ ہو سکے اور اگر کوئی جھگڑا اٹھے تو اسکا تصفیہ ہو جائے۔

محکمۂ قانون کو محکمہ انتظامی کے کاموں کی نگرانی کا حق

اب یہ دیکھنا ضرور ہے کہ محکمہ انتظامی کے کاموں پر نگرانی بلکہ قابو رکھنے کا اختیار کہاں تک محکمۂ قانون کو حاصل ہے۔ انگلستان میں محکمہ انتظامی پارلیمنٹ کے تحت میں رہتا ہے کیونکہ کابینہ یعنی مجلس وزرا اسی وقت تک قائم رہ سکتی ہے جب تک کہ دیوان عام میں کثرت اس کی تائید کرے۔ لیکن ہندوستان میں محکمہ انتظامی باوجود مجلس وضع قوانین کی مخالف رائے کے برقرار رہتا ہے۔ سر کورٹنی البرٹ کا بیان ہے کہ بموجب ۱۸۵۳ء کے قانون کے جو مجلس وضع قوانین قائم ہوئی تو اس نے اپنا دستور العمل پارلیمنٹ کے نمونے پر مرتب کیا۔ اور انتظامی محکمہ سے سوالات دریافت کرکے اور ان کی کارروائیوں پر بحث مباحثہ کرکے اس قدر خود مختاری کا اظہار کیا کہ دقت محسوس ہونے لگی۔ اس طرز عمل نے بہت دشواری پیدا کر دی کیونکہ ہندوستان کی بہبود اور حفاظت کی ذمہ داری محکمہ انتظامی پر عائد ہوتی تھی نہ کہ محکمہ قانون پر۔ چنانچہ ۱۸۶۱ء کے قانون نے انتظامی محکمہ پر نکتہ چینی کرنے کا حق سلب کر لیا۔ اور محکمہ قانون کا کام صرف اتنا رہ گیا کہ قوانین بنا بنا کے پاس کیا کرے۔ ۱۸۹۲ء میں یہ بندشیں کچھ نرم ہوئیں اور حکومت کے معاملات میں پابندی چند شرائط

سوالات دریافت کرنے کا حق مل گیا۔ یہ بھی انتظام ہوگیا کہ سالانہ بجٹ یعنی موازنہ پر بحث ہوا کرے البتہ کسی رکن کو یہ اختیار نہ تھا کہ کوئی تحریک پیش کرے یا مجلس میں رائے طلب کرے۔

مارلے منٹو اصلاحات تحریکات واستفسارات

۱۹۰۹ء کا قانون مجالس بموجب لارڈ مارلے اور لارڈ منٹو کی تجویزوں کے اس راہ میں کئی قدم آگے بڑھ گیا۔ چنانچہ اس قانون میں دفعہ ۵ کی عبارت حسب ذیل ہے "گورنر جنرل باجلاس کونسل ایسے قواعد بنائے گا جن کے مطابق یہ جائز ہوگا کہ گورنر جنرل باجلاس کونسل کی سالانہ مالی کیفیت (موازنہ) پر مجلس وضع قوانین میں مباحثہ ہو یا کسی عام مفاد کے معاملہ کی بابتہ بحث کی جائے اور نیز بپابندی شرائط مندرجہ قواعد سوالات دریافت کئے جائیں"۔ صدر مجلس کو اختیار تھا کہ وجوہات بیان کئے بغیر کسی تحریک کو جو اس کے نزدیک مفاد عامہ کے منافی ہو نامنظور کردے اور اگر کوئی تحریک مجلس وضع قوانین میں پاس بھی ہو جائے تو محکمہ انتظامی کے نزدیک اس کی حیثیت محض ایک سفارش کی سی ہوگی۔ خواہ وہ اسکو قبول کرے یا نہ کرے جیسی اس کی مرضی ہو۔ ۱۹۰۹ء کے قانون نے سوالات دریافت کرنے کا حق اور وسیع کردیا۔ اصلی سوالات میں جس معاملہ کی اطلاع کے واسطے درخواست کی جائے اس کی مزید تشریح کے واسطے زاید سوالات دریافت کرنے کی بھی اجازت مل گئی۔ لیکن سوالات اس وضع کے ہونے چاہئیں جن سے یہ معلوم ہو کہ کسی اطلاع کی درخواست ہے نہ یہ کہ کسی اظہار رائے کی درخواست ہے۔ اگر اطلاع دئے بغیر کوئی زاید سوال دریافت کیا جائے تو رکن متعلقہ کو اختیار ہے کہ جواب دینے سے انکار کردے۔ نیز صدر مجلس کو اختیار ہے کہ جس سوال کو مفاد عامہ کے منافی سمجھے اس کی اجازت نہ دے۔ تحریکات پیش کرنے اور سوالات دریافت کرنے کے باب میں اسی قسم کی رعایتیں صوبوں کی مجالس کو مل گئیں صرف یہ شرط رہی کہ معاملہ زیر بحث اس مجلس کے دائرہ اختیارات میں داخل ہو۔ ان اختیارات کے استعمال کا شاہی محکمہ اور نیز صوبوں کے محکمہ جات کے کاموں پر بہت کافی اثر پڑا۔ مجلس وضع قوانین نے جو تحریکات پاس کیں سرکار نے ان کو اکثر قبول کرلیا۔ یا اس کے بعد ایسی تدبیریں اختیار کیں خواہ انتظامی خواہ قانونی جن

باب

محکمۂ قانون

مجلس وضع قوانین کی خواہش پوری ہوگئی۔

۱۹۱۷ء میں محکمہ انتظامی کے اختیارات

اس طرح ۱۹۱۷ء میں جب لارڈ چیمسفورڈ اور مسٹر مانٹیگو نے ہندوستان کی سیاسی حالت پر نظر ڈالی تو محکمۂ انتظامی کی حیثیت بہت قابو یافتہ تھی۔ خزانہ بالکل اس کی مٹھی میں تھا۔ البتہ بعض صورتوں میں مجلس وضع قوانین صرف بطور مشورے کے تجاویز پیش کر سکتی تھی نظم و نسق پر نکتہ چینی کی بھی اجازت تھی۔ مگر پابندی شرائط کے ساتھ لیکن اس نکتہ چینی کے حق سے مجلس کو حکم جاری کرنے کا کوئی حق نہیں ملا۔ البتہ وضع قانون کے باب میں خاص ترقی ہوئی اور در اصل محکمۂ قانون کا کام بھی یہی سمجھا جاتا تھا لیکن مجلس وضع قوانین خواہ کسی قدر قانون پاس کرے۔ گورنر جنرل کی اور وزیر ہند کی منظوری لازم تھی۔ اور صوبوں کی مجالس میں جو قانون پاس ہوں ان کے واسطے بھی حاکم صوبہ کی منظوری ضروری تھی۔ گورنر جنرل کو یہ بھی حق حاصل تھا کہ نازک حالتوں میں بطور خود احکام اور اعلانات جاری کرے جو قانون کا حکم رکھتے ہوں اور عدالتیں ان کو چھ ماہ تک تسلیم کریں۔

لارڈ چیمسفورڈ اور مسٹر مانٹیگو کی رائے زنی اور اصلاحات

اپنے دوران تحقیقات میں لارڈ چیمسفورڈ اور مسٹر مانٹیگو نے ان تمام سیاسی ترقیات کے نتائج کی جانچ پڑتال کی جو موجودہ باب میں بیان کئے گئے۔ خاص کر وزیر ہند اور ہندوستان کے محکمۂ قانون کے تعلقات سرکار ہند اور صوبوں کے محکمہ جات قانون کے تعلقات۔ ہندوستان کی متعدد مجالس وضع قوانین کی ترتیب اور ترکیب۔ اور ہندوستان میں محکمۂ انتظامی اور محکمۂ قانون کے باہمی تعلقات۔ ان دونوں صاحبوں نے کچھ اہم تجویزیں قرار دیں جن میں سے بہت سی ۱۹۱۹ء کے قانون میں پوری ہوگئیں۔

وزیر ہند اور ہندوستان کا محکمۂ قانون

جدید اصلاحات کے موقع پر پارلیمنٹ نے ہندوستان کے آئین و دستور کے معاملہ میں پھر اپنی سیادت و تسلط کو مزید تقویت دیدی۔ اور اعلان کر دیا کہ ہندوستان کی بہبود اور حفاظت کی وہی ذمہ دار ہے اس نے اس پر بھی اصرار کیا کہ صرف وہی اس امر کا فیصلہ کر سکتی ہے کہ کب اور کتنی سیاسی ترقی ہونی چاہیئے۔ ہندوستان کی مجلس وضع قوانین اب تک اس اختیار سے محروم ہے کہ ہندوستانی آئین و دستور کے متعلق پارلیمنٹ نے جو قوانین پاس کئے اُن کو مسترد کر دے یا ان میں ترمیم کر سکے اس کے ساتھ ہی ساتھ پارلیمنٹ کی یہ بھی خواہش تھی کہ وزیر ہند اس کی جانب سے

کام کرتے ہوئے ان قوانین میں بہت کم دخل دے جو ہندوستان کی مجالس وضع قوانین پاس کریں اور ہندوستان کے اندرونی معاملات سے تعلق رکھتے ہوں - چنانچہ پارلیمنٹی کمیٹی نے عام ہدایت کے واسطے حسب ذیل ایک عام اصول قرار دیدیا - جب کہ سرکار ہند اور ہندوستان کا محکمۂ قانون دونوں خالص ہندوستان کے مفاد کے معاملات میں متفق ہوں - تو ایسی صورتوں میں وزیر ہند کو شاذونادر دخل دینا چاہیئے - اگر ان دونوں میں اختلاف واقع ہو تو البتہ وزیر ہند تصفیہ کا مجاز ہوگا -

سرکار ہند اور صوبوں کے محکمہ جات قانون

لارڈ چمسفورڈ اور مسٹر مانٹیگو کو معلوم ہوا کہ سرکار ہند نے صوبوں کے محکمہ جات قانون پر اپنے اختیارات نگرانی میں ذرا سختی سے کام لیا ہے[1] - تسلط کی نوعیت جیسے کہ پہلے بیان ہو چکی ہے یہ تھی کہ صوبہ کی حکومت کا ہر مجوزہ قانون صوبہ کی مجلس وضع قوانین میں پیش ہونے سے قبل سرکار ہند کے حضور میں جانچا جاتا تھا - اور جو قانون پاس ہو جاتا گورنر جنرل اس کو بھی منظور کرنے سے انکار کر سکتا تھا - یہ احتیاطیں اسوقت تک بہت ضرور تھیں جب تک کہ پارلیمنٹ تمام قوانین کے لئے جو ہندوستان میں پاس ہوئے وزیر ہند کو ذمہ دار قرار دیتی تھی - لیکن ۱۹۱۷ء کے اعلان میں ظاہر کر دیا گیا کہ ملک معظم کی حکومت کا ارادہ ہے کہ ہندوستان میں بتدریج خود اختیاری حکومت کا طریق جاری کرے - اور بعدہ یہ قرار پایا کہ اول یہ مقصد صوبوں کی حکومتوں میں بطریق احسن حاصل ہو سکتا ہے - پس ضرور ہوا کہ پارلیمنٹ وزیر ہند کے توسط سے جو تسلط رکھتی تھی وہ اور نیز سرکار ہند کا تسلط نرم کر دیا جائے - ایک یہ تفریق نکلی کہ جو معاملات امور مختصہ سے متعلق ہوں وہ تو گورنر جنرل باجلاس کونسل کے تحت میں رہیں اور جو مفوضہ امور سے متعلق ہوں وہ ان وزرا کے سپرد رہیں جو مجلس وضع قوانین کے روبرو ذمہ دار ہوں - پارلیمنٹی کمیٹی نے آیندہ ہدایت کیواسطے بھی اصول مقرر کر دیئے - امور مختصہ کے معاملہ میں جب صوبہ کی حکومت اور مجلس وضع قوانین متفق ہوں تو عموماً سرکار ہند کو دخل نہ دینا چاہیئے امور مفوضہ

---

[1] نظم ونسق کے معاملہ میں سرکار ہند صوبوں کی حکومتوں پر جو کچھ تسلط رکھتی ہے وہ چوتھے باب میں بیان ہو چکا ہے - اور مالی معاملات میں سرکار ہند کا جو تسلط رہتا ہے وہ دسویں باب میں بیان ہوگا -

کے معاملہ میں سرکار ہند اور علیٰ ہٰذا وزیر ہند کا تسلط بہت ہی مختصر اور محدود کر دینا چاہیئے ۔

مجالس وضع قوانین کی ترکیب ۔ لارڈ چیمسفورڈ اور مسٹر مانٹیگو کی رائے زنی۔

لارڈ چیمسفورڈ اور مسٹر مانٹیگو نے احساس کیا کہ مجالس وضع قوانین کی ترکیب کے معاملہ میں محدود انتخاب یعنی انتخاب کنندوں کی جماعت مختصر اور انتخاب بالواسطہ ہونے سے اراکین میں عام لوگوں کے روبرو ذمہ داری کا احساس نہیں پیدا ہوتا اور خاص خاص حلقہ جات انتخاب کے علاوہ یہ ناممکن ہوگا کہ جو لوگ رائے دینے والے ہوں وہ اپنی رائے دیکھ بھال کے دیں اور نتیجہ دکھا سکیں۔ محدود انتخاب سے مراد یہ ہے کہ مجلس وضع قوانین کا منتخبہ رکن انتخاب کنندوں کی ایک مختصر جماعت کی طرف سے انتخاب کیا جائے اور اسی مختصر جماعت کے روبرو وہ اپنے کاموں کا جوابدہ ہو۔ ہندوستان کی مجلس وضع قوانین میں سب سے بڑا حلقۂ انتخاب جہاں سے رکن منتخب ہوا ۶۵۰ رائے دہندوں سے زیادہ نہ تھا ۔ اکثر حلقہ جات انتخاب تو بہت ہی مختصر تھے ۔ صوبوں کی مجالس میں بھی حلقہ جات انتخاب اسی قدر مختصر تھے ۔ مختصر انتخاب میں بہت سے خطرے رہتے ہیں ۔ اوّل تو جیسا کہ سالہا سال قبل اڈمنڈ برک بتا چکا ہے اس میں بیجا کارروائیاں چلنے کا بہت موقع رہتا ہے ۔ مجالس کے اراکین چونکہ براہ راست صرف چند لوگوں کے جوابدہ ہوتے ہیں ۔ انکو محدود بلکہ ذاتی منافع کی طرف توجہ کرنے کی طمع دامنگیر ہونے لگتی ہے ۔ لیکن بڑا خطرہ یہ رہتا ہے کہ لوگوں کی بڑی جماعت حکومت کی کل سے جدا رکھی جائے تو ممکن ہے وہ اپنی شکایات خلاف آئین طریقوں سے مثلاً ہرتالوں یا علانیہ بغاوتوں کی شکل میں ظاہر کرے ۔ اور اگر یہ خطرات دفع بھی کر دیے جائیں تو پھر بھی لوگوں کو سیاسی ذمہ داریوں کی تو کوئی تعلیم نہیں مل سکتی ۔ بالواسطہ انتخاب کے یہ معنی ہیں کہ جو لوگ مجلس وضع قوانین کے واسطے رکن منتخب کریں وہ خود دوسرے رائے دہندوں کی طرف سے کسی اور غرض سے انتخاب کئے گئے ہوں ۔ مثلاً صوبوں کی مجالس کے غیر سرکاری اراکین جو ہندوستان کی مجلس وضع قوانین کے واسطے نائب انتخاب کرتے ہیں خود بھی دوسرے رائے دہندوں کی طرف سے منتخب ہوتے ہیں جو کہ صوبوں کی مجالس کے نہ کہ ہندوستان کی مجلس کے لحاظ سے ابتدائی رائے دہندے کہلا سکتے ہیں علیٰ ہٰذا مجالس اضلاع اور بلدیات کے اراکین جو صوبوں کی مجالس کے واسطے نائب منتخب کرتے ہیں ۔ خود دوسرے رائے دہندوں کی طرف سے منتخب

باب

ہوتے ہیں اور وہ بھی مقامی جماعتوں کے کام کے لیئے نہ کہ صوبوں کی مجالس کے واسطے۔ اسی طرح یونیورسٹی کے درج شدہ گریجوئیٹ جنھوں نے سینیٹ یعنی مجلس رفقا میں منتخب اراکین شریک کئے ان سے یہ توقع کی گئی تھی کہ وہ ایسے لوگوں کو منتخب کریں جو یونیورسٹی کے کام میں تجربہ کار ہوں۔ نہ یہ کہ جو صوبہ کی مجلس وضع قوانین کے بھی اچھے رکن ثابت ہوں۔ پس ظاہر ہوا کہ مفروضہ ابتدائی رائے دہندے میں اور اس شخص میں جو اس کے نائب کی حیثیت سے مجلس وضع قوانین میں شریک ہوتا ہے کوئی تعلق ہی نہ تھا اور اس مفروضہ ابتدائی رائے دہندے کی رائے کا مجلس وضع قوانین کی کارروائی پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

۱۹۱۹ء کا قانون

۱۹۱۹ء کے قانون کا خاص نتیجہ یہ نکلا کہ اول تو ہندوستان کے محکمۂ قانون میں دو ایوانی طریق جاری ہوگیا دوسرے مجالس وضع قوانین میں وسعت پیدا ہوگئی خاص کر انتخاب شدہ اراکین کی تعداد میں اضافہ ہوگیا۔ تیسرے بالواسطہ انتخاب کے بجائے براہ راست انتخاب شروع ہوگیا۔ اور چوتھے یہ کہ رائے دہندوں کی تعداد بڑھ گئی۔

مجلس حکومت اور مجلس وضع قوانین

ہندوستان کے محکمۂ قانون میں گورنر جنرل اور دو ایوان شامل ہیں مجلس مملکت یعنی کونسل آف اسٹیٹ اور مجلس وضع قوانین یعنی لیجسلیٹیو اسمبلی۔ مجلس مملکت میں ۳۳ انتخاب شدہ اراکین ہیں اور ستائیس اراکین گورنر جنرل نامزد کرتا ہے جن میں سرکاری اراکین ۲۰ سے زیادہ نہیں ہوسکتے مجلس وضع قوانین میں ۱۰۲ منتخب شدہ اراکین شریک ہیں اور چالیس اراکین گورنر جنرل نامزد کرتا ہے جن میں زیادہ سے زیادہ ۲۶ سرکاری رکن ہوسکتے ہیں۔

صوبوں کی مجالس وضع قوانین۔

۱۹۱۹ء کے قانون نے یہ قرار دیا کہ ہر گورنر کے صوبہ میں ایک مجلس وضع قوانین قائم ہونی چاہیئے۔ ان مجالس وضع قوانین کے اراکین کی تعداد قانون کے ساتھ ایک جدول میں حسب ذیل درج ہے۔

صوبہ	تعداد اراکین
مدراس	۱۱۸
بمبئی	۱۱۱
بنگال	۱۲۵

صوبہ	تعداد اراکین
صوبہ جات متحدہ	۱۱۸
پنجاب	۸۴
بہار و اوڑیسہ	۹۸
صوبہ جات متوسط	۷۰
آسام	۵۳

ہر مجلس میں زیادہ سے زیادہ ۲۰ فیصدی سرکاری رکن رہ سکتے ہیں اور کم از کم ۷۰ فیصدی انتخاب شدہ اراکین ہونے ضرور ہیں۔ اس طرح بمبئی کی مجلس وضع قوانین میں حسب ذیل اراکین شریک ہیں۔

(۱) مجلس انتظامی کے اراکین (بحیثیت عہدہ)

(۲) ۸۶ انتخاب شدہ اراکین۔

(۳) گورنر جنرل کے نامزد کردہ اراکین جن کی تعداد مع اراکین مجلس انتظامی ۲۵ ہونی چاہئے۔ ان نامزد شدہ اراکین میں ۱۶ سے زیادہ سرکاری رکن نہیں ہو سکتے اور ۵ رکن جو نامزد کئے جاتے ہیں وہ ایک جماعت کے نائب ہوتے ہیں اینگلو انڈین جماعت کے ہندوستانی عیسائی جماعت کے۔ مزدوری پیشہ جماعتوں کے۔ پس ماندہ جماعتوں کے اور روئی کے تاجروں کے۔

بالواسطہ انتخاب کے بجائے براہ راست انتخاب

ان توسیع یافتہ مجالس وضع قوانین کے انتخاب شدہ اراکین کی بیشتر تعداد براہ راست انتخاب کے طریق سے آتی ہے۔ پس رائے دہندوں کا تمام تر فرض یہ ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو انتخاب کریں جو مجلس وضع قوانین میں ان کی اچھی طرح نیابت کرنے کی قابلیت رکھتے ہوں انتخاب کنندوں کو اب مثل سابق دوہرا کام کرنا نہیں پڑتا یعنی یہ کہ ایک تو کسی خاص کام کے واسطے نائب منتخب کریں اور نیز ایسے نائب منتخب کریں جو پھر اپنی طرف سے مجلس وضع قوانین کے واسطے دوسرے نائب انتخاب کریں نتیجہ یہ کہ ذمہ داری کا احساس اور بھی تیز ہو جائے گا۔ انتخاب کنندوں کو معلوم ہوگا کہ اگر کام بگڑا تو یہ انہی کا قصور تھا کہ نا اہل نائب انتخاب کر کے بھیجے۔ اراکین کو خیال رہیگا کہ وہ اپنے تمام کاموں کے واسطے انتخاب کنندوں کے جوابدہ ہیں۔ جدید مجالس

وضع قوانین کے انتخاب شدہ اراکین بہ تعداد کثیر ارضی یا جغرافی رقبوں کے نائب ہیں لیکن چند حلقہ جات انتخاب غیر ارضی بھی ہیں مثلاً مجلس حکومت میں بمبئی، کلکتہ، اور برما کے ایوان تجارت کا ایک ایک نائب شریک رہتا ہے۔ مجلس وضع قوانین میں بھی اسی طرح ہندوستان کے تاجروں کی نیابت کا انتظام رکھا گیا ہے۔ علیٰ ہذا بمبئی کی مجلس وضع قوانین میں بھی چند غیر ارضی حلقہ جات انتخاب موجود ہیں یعنی دکن اور گجرات کے سردار سندھ کے جاگیردار، بمبئی کی یونیورسٹی اور چند تجارتی انجمنیں ان سب کے نائب شریک رہتے ہیں۔ صوبجات متحدہ کی مجلس وضع قوانین میں بھی تعلقہ داران۔ ایوان تجارت شمالی ہند۔ ایوان تجارت صوبجات متحدہ۔ الہ آباد کی یونیورسٹی یہ سب غیر ارضی حلقہ جات انتخاب شامل ہیں۔ دوسرے صوبوں میں بھی اس قسم کے انتخاب موجود ہیں۔

فرقہ داری نیابت

فرقہ داری نیابت کا اصول جو مارلے منٹو اصلاحات کے دوران میں تسلیم کیا جا چکا تھا برقرار رکھا گیا بلکہ جدید اصلاحات میں اس کا عمل اور وسیع ہو گیا۔ ہر مجلس میں مسلمان اراکین کی بڑی تعداد وہ ہے جو مسلمانوں نے انتخاب کی ہے۔ یوروپی لوگوں کے واسطے بھی کچھ رکنیتیں مخصوص ہیں۔ پنجاب کی مجلس میں سکھوں کے واسطے بھی کچھ تعداد اس طرح مخصوص ہے علیٰ ہذا مدراس کی مجلس میں کچھ رکنیتیں غیر برہمنوں کے واسطے اور بمبئی کی مجلس میں مرہٹوں کے واسطے مخصوص ہیں۔

حلقہ جات انتخاب کی وسعت

مختلف مجالس کے واسطے حلقہ جات انتخاب کا رقبہ مختلف ہے۔ مجلس حکومت کے انتخابات کے واسطے تو رقبہ خوب وسیع ہے۔ مثلاً احاطۂ مدراس میں کل صوبہ حلقۂ انتخاب میں داخل ہے۔ غیر مسلم چار رکن انتخاب کر کے بھیجتے ہیں اور مسلمان ایک رکن ان حلقہ جات انتخاب میں جہاں کئی کئی رکن منتخب کئے جائیں۔ ہر رائے دہندہ کو اسی قدر رایوں کا حق حاصل ہے جس قدر رکن منتخب ہونے والے ہوں۔ لیکن کوئی رائے دہندہ ایک رکن کو ایک سے زیادہ رائے نہیں دے سکتا۔ لیکن بمبئی کے غیر مسلم حلقۂ انتخاب میں جہاں کے واسطے تین رکنیتیں مقرر ہیں۔ اجتماع رائے کی اجازت ہے۔ یعنی کوئی رائے دہندہ چاہے تو اپنی کل تینوں رائے ایک ہی امیدوار کے حق میں دیدے خواہ اپنی رایوں کو دو یا تین امیدواروں میں تقسیم کر دے۔ یہ اس کو اختیار ہے۔ لیکن مجلس وضع قوانین کے حلقہ جات انتخاب اسقدر وسیع نہیں ہیں جسقدر کہ مجلس حکومت کے۔ بلکہ وہ قریب

ترتیب ملک کی سرکاری تقسیم کے مطابق ہیں۔ مثلاً احاطۂ بمبئی میں خاص شہر بمبئی کے واسطے دو غیر مسلم اور ایک مسلمان رکن کی جگہ مقرر ہے اور ایک ایک غیر مسلم رکن کی جگہ سندھ، شمالی، متوسط اور جنوبی حصوں کے واسطے مقرر ہے۔ رکنیت کی بعض جگہیں باری باری سے ملتی ہیں۔ سندھ کے مسلمان اور شمالی حصہ کے مسلمان یکے بعد دیگرے رکنیت پوری کرتے ہیں اور علیٰ ہذا متوسط اور جنوبی حصوں کے مسلمان بھی یکے بعد دیگرے صوبوں کی مجالس میں خاص خط تفریق قصباتی اور دیہاتی حلقہ جات میں قائم ہے۔ اور آخر الذکر حلقہ جات بیشتر سرکاری اضلاع کے مطابق مقرر ہیں۔

انتخاب کی توسیع

جدید اصلاحات کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ رائے دہندوں کی تعداد میں بہت اضافہ کر دیا گیا ہے۔ حق رائے دہی علی العموم اس اصول پر مبنی ہے کہ رائے دہندہ حلقۂ انتخاب میں سکونت رکھتا ہو اور کچھ مالی حالت بھی رکھتا ہو جس کا پتہ سرکاری مالگزاری یا لگان یا دیہاتی حلقوں میں مقامی رسوم۔ یا قصباتی حلقوں میں بلدیہ کے محصول یا محصول آمدنی سے چل سکتا ہے۔ لامحالہ مختلف مجالس میں معیار مختلف ہے مجلس حکومت اور مجلس وضع قوانین کے واسطے رائے دہندوں کی صفات کا معیار صوبوں کی مجالس کے رائے دہندوں سے اعلےٰ ہے۔ صوبوں کی مجالس میں بھی معیار مختلف ہے لیکن وہ اس قدر ادنیٰ ہیں کہ چھوٹے کاشتکار اور قصباتی مزدوری پیشہ لوگ اس میں داخل ہو سکتے ہیں۔ مثلاً احاطۂ بمبئی میں قصباتی حلقۂ انتخاب میں رائے دہندہ بننے کے واسطے ایسے مکان کی سکونت کافی ہے جسکا سالانہ کرایہ ۵ روپے سے کم یا جسکی قیمت ڈیڑھ ہزار سے کم نہو۔ دیہاتی حلقہ جات میں کم از کم ۵ روپے لگان ادا کرنا کافی ہے۔ غالباً پچاس لاکھ سے زیادہ مردوں کا نام رائے دہندوں کی فہرست میں داخل ہوگا۔

مستورات کا حق انتخاب

اس بارہ میں بہت بحث ہوتی رہی ہے کہ آیا مستورات کو بھی حق انتخاب دیا جائے یا نہیں۔ اس قانون میں اس اہم مسئلہ کا کوئی تصفیہ نہیں کیا گیا لیکن قانون کے تحت میں جو قواعد بنے ہیں ان کی رو سے یہ ممکن ہے کہ کسی صوبہ میں مجلس وضع قوانین چاہے تو مستورات کو بھی رائے دہندوں میں شریک کر لے۔

اراکین کے عام اوصاف

اراکین اور انتخاب کنندوں کے خاص اوصاف کے علاوہ کچھ عام اوصاف بھی مقرر ہیں۔ کوئی شخص مجلس وضع قوانین کے واسطے قابل انتخاب نہیں ہے اگر وہ

برطانوی رعایا نہ ہو یا عدالت مجاز نے اُس کا دماغ غیر صحیح قرار دیدیا ہو اُس کی عمر ۲۵ سال سے کم ہو یا وہ بعض جرائم کا مرتکب ہو چکا ہو۔ کوئی شخص ایک وقت میں ایک سے زیادہ مجلس وضع قوانین کا رکن نہیں رہ سکتا۔ ایک بڑی الجھن کا سوال یہ ہے کہ آیا امیدوار کی اسی حلقۂ انتخاب میں سکونت ہونا چاہیئے جس کی طرف سے وہ رکن بننا چاہتا ہے۔ یا اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سوال کے دونوں پہلوؤں پر دلائل موجود ہیں۔ سکونت کی شرط لگانے سے یہ امر تو یقینی ہو جاتا ہے کہ ہر حلقۂ انتخاب کی نیابت ایک ایسا شخص کرے گا جو وہاں رہتا ہو اور وہاں کی ضروریات سے اچھی طرح واقف ہو۔ مگر دوسری طرف یہ بھی احتمال ہے کہ اس طرح سے بعض قابل لوگوں کے انتخاب میں رکاوٹ پیش آنے سے مجلس کی کارگذاری پر برا اثر پڑے گا۔ غالب یہ ہے کہ دیہاتی حلقہ جات کے مقابل قصباتی حلقوں میں قابل لوگوں کی تعداد بڑھی ہوئی ہے۔ اور پھر بھی ان شہریوں میں بہت سے لوگوں کے واسطے سکونت کی شرط کی وجہ سے رکنیت کی صرف وہی چند جگہیں مخصوص ہیں جو قصبات کے واسطے مقرر ہیں۔ بالآخر یہ قرار پایا کہ دونوں طریقوں کو ملا جلا کر چلانا اور آزمانا چاہیئے۔ چنانچہ بمبئی۔ پنجاب اور صوبجات متوسط میں تو سکونت کی شرط ہے۔ باقی صوبوں میں نہیں ہے۔ تجربہ خود ثابت کر دے گا کہ کونسا طریق بہتر ہے۔

انتخاب کنندوں کے عام اوصاف

انتخاب کنندوں کے واسطے بھی کچھ عام اوصاف ضروری ہیں۔ کوئی شخص فہرست انتخاب کنندگان میں درج نہیں ہو سکتا اگر وہ برطانوی رعایا نہیں ہے۔ یا اُس کا دماغ صحیح نہیں ہے۔ یا بعض جرائم کا مرتکب قرار پا چکا ہے یا اُس کی عمر ۲۱ سال سے کم ہے۔ بعض حالات میں دیسی ریاستوں کے لوگ بھی انتخاب کنندوں کے شمار سے خارج نہیں کئے جاتے۔ کوئی شخص ایک عام حلقۂ انتخاب سے زیادہ میں رائے نہیں دے سکتا۔ ایک سے زائد رائے دینے کی اُس وقت اجازت ملتی ہے جب کہ کوئی شخص عام حلقۂ انتخاب میں رائے دیکر کسی خاص حلقۂ انتخاب میں رائے دے مثلاً ایوان تجارت یا یونیورسٹی کی طرف سے انتخاب کرے۔

انتخاب کے انتظام کے قواعد

سرکار نے انتخابات ٹھیک اور باقاعدہ طور پر کرانے کی غرض سے کچھ قواعد بھی مقرر کر دیے ہیں۔ دوسرے ممالک کی طرح ہندوستان میں بھی اس امر کی احتیاط رکھی گئی ہے

کہ انتخاب کے وقت بیجا کارروائیاں عمل میں نہ آئیں۔ ہر امیدوار کو لازم ہے کہ اپنے انتخاب کے اخراجات کی مکمل فہرست داخل کرے۔ اُن قواعد میں نہ صرف ایسے جرائم داخل ہیں جیسے رشوت۔ دھوکا۔ اور بیجا دباؤ۔ بلکہ کرائے کی گاڑیاں اور شراب انتخاب کرنے والوں کو مہیا کرنے کی بھی ممانعت ہے۔ کسی امیدوار کے انتخاب کے خلاف درخواست گزرے تو خاص کمشنر اُس کی تحقیقات کرتے ہیں۔

وزیر ہند اور سرکار ہند کی سیادت گھٹانے کے بعد جب راستہ صاف ہوا اور وہ اس طرح کہ انتخاب کنندوں اور انتخاب شدہ اراکین کی تعداد میں نمایاں اضافہ کر دیا گیا اور براہ راست انتخاب کے ذریعہ سے اس امر پر زور دیا گیا کہ اراکین انتخاب کنندوں کے جوابدہ ہیں۔ پارلیمنٹ کے واسطے یہ ممکن ہو گیا کہ ہندوستان کی اور بالتخصیص صوبہ جات کی مجالس وضع قوانین کا حلقۂ عمل اور ذمہ داری بڑھا دے۔ نہ صرف یہ کہ ہر مجلس وضع قوانین میں منتخبہ اور غیر سرکاری اراکین کی تعداد بہت بڑھا دی گئی بلکہ معمولی حالات میں سرکاری اراکین کو بھی سرکاری ہدایات کی تعمیل کی ضرورت سے بریت مل گئی۔ ہندوستان کا محکمۂ قانون ان امور کے علاوہ جو اُس کے حلقۂ عمل سے باہر ہیں اور جو اس باب کے شروع میں بیان ہو چکے ہیں۔ صوبوں کے معاملات کے متعلق بھی کوئی قانون نہیں بنا سکتا الّا جبکہ وہ ازروئے قانون اُس کے حلقۂ عمل میں داخل شمار ہوتے ہوں۔ مسودۂ قانون کسی ایوان میں پیش ہو سکتا ہے یعنی مجلس حکومت یا مجلس وضع قوانین میں لیکن اُس کا ہر دو ایوان میں پاس ہونا ضرور ہے۔ جب کہ دونوں ایوانوں میں اختلاف ہو تو گورنر جنرل اس معاملہ کو ہر دو ایوان کے ایک متحدہ اجلاس کے روبرو فیصلہ کے واسطے پیش کر سکتا ہے۔ کچھ پیش بندیاں اس غرض سے ضرور کر لی گئی ہیں کہ گورنر جنرل باجلاس کونسل اپنی ذمہ داریوں کو پورا کر سکے۔ مثلاً گورنر جنرل ایسے مسودۂ قانون کو پیش ہونے سے روک سکتا ہے جس کا اثر اُس کی رائے میں ہندوستان کے تحفظ اور امن و امان پر پڑتا ہو۔ وہ چاہے تو کسی مسودۂ قانون سے اپنی رضامندی مسترد کر لے۔ یا اس مسودہ قانون کو روک دے تاکہ اُس کے متعلق ملک معظم کی رضامندی معلوم کر لی جائے۔ ملک معظم باجلاس کونسل مسودۂ قانون کو نامنظور کر سکتے ہیں۔ گورنر جنرل چاہے تو ایسے قانون کو جو ہر دو

ہر دو ایوان میں پاس ہو چکا ہو غور مکرر کے واسطے واپس کر سکتا ہے۔ یہ بھی صورت رکھی گئی کہ گورنر جنرل خود قانون پاس کر سکتا ہے خواہ دونوں ایوان مخالف ہوں۔ گورنر جنرل کی اتنی تصدیق کافی ہے کہ اس قانون کا پاس ہونا برطانوی ہند کے تحفظ امن و امان اور مفاد کے واسطے لابد ہے ہر ایسے قانون کے متعلق وضاحت کر دی جاتی ہے کہ وہ گورنر جنرل کا ساختہ پرداختہ ہے۔ اور اس کا پارلیمنٹ کے ہر دو ایوان میں پیش ہونا اور اس کے متعلق ملک معظم کی رضامندی حاصل کرنا لازم ہے۔ گورنر جنرل کا یہ اختیار بھی بحال رکھا گیا کہ نازک حالات میں وہ احکام جاری کر سکتا ہے جو زیادہ سے زیادہ چھ ماہ تک قانون کا حکم رکھیں گے۔ گورنر جنرل کو یہ بھی اختیار ہے کہ اگر وہ مناسب سمجھے تو کسی ایک یا دونوں ایوانوں یعنی مجلس حکومت اور مجلس وضع قوانین کو برخاست کر سکتا ہے۔

صوبہ کی مجلس وضع قوانین کو بپابندی چند شرائط یہ اختیار حاصل ہے کہ اپنے صوبہ کے امن و امان اور عمدہ نظم و نسق کے واسطے قوانین پاس کرے۔ البتہ یہ اس کے اختیار سے باہر ہے کہ گورنر جنرل کی منظوری حاصل کئے بغیر وہ کسی ایسے قانون پر غور کرے جو ہندوستان کے سرکاری قرضہ سے متعلق ہو یا ہندوستان کی شاہی افواج کے انتظام اور برداشت سے تعلق رکھتا ہو۔ یا جو سرکار اور دیگر رؤسا یا ریاستوں کے تعلقات سے متعلق ہو یا کسی مرکزی امر سے متعلق ہو۔ بعض پیش بندیاں اور بھی کر لی گئی ہیں تاکہ گورنر با جلاس کونسل اپنی ذمہ داریاں جاری کر سکے۔ گورنر چاہے تو کسی مسودۂ قانون سے اپنی رضامندی مسترد کر لے۔ یا غور مکرر کے واسطے اسکو مجلس وضع قوانین میں واپس کر دے یا گورنر جنرل کے لحاظ کے واسطے اسکو اٹھا رکھے۔ مزید براں کسی صوبہ کی مجلس وضع قوانین کا پاس کردہ قانون نافذ نہیں ہو سکتا جب تک کہ گورنر جنرل اسپر اپنی رضامندی نہ دیدے۔ گورنر جنرل چاہے تو اپنی رضامندی دینے یا نہ دینے کے بجائے ایسے قانون کو ملک معظم کے اظہار رضامندی کے واسطے روک لے۔ ملک معظم بھی باجلاس کونسل ہر قانون کو نامنظور کر سکتے ہیں۔ گورنر کو بھی اختیار ہے کہ مناسب سمجھے تو اپنی مجلس وضع قوانین کو برخاست کر دے۔ یہ بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ گورنر مجلس وضع قوانین کی مخالفت کے باوجود چاہے تو کسی امر مختص کے متعلق قانون پاس کر سکتا ہے۔

گورنر کی اس قدر تصدیق ہونی کافی ہے کہ فلاں امر کے متعلق اسکی ذمہ داری پورا ہونے کے واسطے یہ قانون لابدی ہے ہر ایسے قانون کے متعلق صراحت کردی جاتی ہے کہ یہ خود گورنر کا ساختہ پرداختہ ہے۔ اور وہ اس وقت تک نافذ نہیں ہوسکتا جب تک کہ ملک معظم باجلاس کونسل اسکی منظوری نہ دیدیں۔ گورنر اگر یہ تصدیق کردے کہ اسکے صوبہ کے تحفظ اور امن وامان کے واسطے یہ قانون بنا ہے تو پھر مزید کارروائی کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔

مالی اقتدار

مالی معاملات میں بھی مجالس وضع قوانین کے اختیارات بہت بڑھ گئے ہیں۔ گورنر جنرل باجلاس کونسل کے سالانہ مداخل اور مخارج کے تخمینے ایک مالی کیفیت کی شکل میں ہر سال ہندوستان کے محکمۂ قانون کے ہر دو ایوان کے روبرو پیش کئے جاتے ہیں۔ بغیر سفارش گورنر جنرل کسی محصول کے تصرف کی بابتہ کوئی تجویز پیش نہیں ہوسکتی۔ البتہ سرکار ہند کی تجاویز مجلس وضع قوانین میں بحث مباحثہ اور رائے کے واسطے بشکل مطلوبات منظوری پیش ہوتی ہیں۔ البتہ جو تجاویز سود اور ذخیرۂ استغراقی کے مطالبات بعض حکام کی ماہواروں اور ان اخراجات کی مدات سے متعلق ہوں جو مذہبی سیاسی اور تحفظی کہلاتی ہیں وہ پیش ہونے سے مستثنیٰ ہیں۔ مجلس وضع قوانین خواہ ان مطلوبات کی منظوری دے یا منظوری دینے سے انکار کرے یا کسی پورے مطلوبہ کی تخفیف کی رائے دے۔ لیکن گورنر جنرل مجاز ہے کہ ایسے مطلوبہ کو بھی برقرار رکھے جسے مجلس وضع قوانین نے نامنظور یا تخفیف کردیا ہو۔ بشرطیکہ اس کے نزدیک وہ مطلوبہ اسکی ذمہ داریاں پورا کرنے کے واسطے لابد ہو۔

صوبوں میں بھی سالانہ مخارج اور مداخل کے تخمینہ مالی کیفیت کی شکل میں مجلس وضع قوانین کے روبرو پیش ہوتے ہیں اور صوبہ کے محاصل کے تصرف کی بابتہ صوبہ کی حکومت کی تجویزیں مطلوبات منظوری کی شکل میں مجلس وضع قوانین کے روبرو رائے کے واسطے پیش کیجاتی ہیں مجلس چاہے تو کسی مطلوبہ کو نامنظور یا اس میں تخفیف کرسکتی ہے۔ لیکن صوبوں سے سرکار ہند کو جو رقم ملتی ہے۔ سود اور استغراقی ذخیرہ کے مطالبات۔ بعض حکام کی ماہواریں۔ ان مدوں کے متعلق جو تجاویز ہوں ان کا مجلس میں پیش ہونا ضرور نہیں۔ گورنر باجلاس کونسل کوئی ایسا مطلوبہ جو مجلس وضع قوانین

باب ۷

میں نامنظور تخفیف ہو چکا ہے بطور خود بحال رکھ سکتا ہے۔ اگر وہ اس کو اپنی ذمہ داری پورا کرنے کے واسطے لابد سمجھتا ہو یا وہ مطلوبہ کسی امر مختلفہ سے متعلق ہو۔

ضابطہ کارروائی

مجلس وضع قوانین کا پہلا صدر گورنر جنرل خود مقرر کرتا ہے۔ چار سال بعد اس کو مجلس انتخاب کرے گی اور گورنر جنرل منظوری دے گا۔ مجلس حکومت کا صدر بھی مجلس کے اراکین میں سے گورنر جنرل خود ہی مقرر کرتا ہے گورنر جنرل خود تو نہ مجلس وضع قوانین کا رکن ہے اور نہ مجلس حکومت کا لیکن وہ ان میں سے ہر جماعت کو مخاطب کرنے کا مجاز ہے۔ علیٰ ہذا صوبوں میں گورنر مجلس وضع قوانین کا رکن تو نہیں ہے لیکن اس کو مخاطب کرسکتا ہے۔ قانون پاس ہونے کے بعد پہلے چار سال کے واسطے مجلس وضع قوانین کا صدر خود گورنر مقرر کرتا ہے۔ اس کے بعد صدر کو مجلس منتخب کرتی ہے اور گورنر منظور کرتا ہے۔ گورنر جنرل کی مجلس انتظامی کے اراکین ہر دو ایوان کی رکنیت پر نامزد ہو سکتے ہیں۔ اور یوں بھی ہر دو ایوان کو مخاطب کرنے کے مجاز ہیں۔

اس بارہ میں بہت احتیاط رکھی گئی ہے کہ وضع قانون کی تجویزوں پر اچھی طرح اور ٹھیک ضابطہ کے ساتھ بحث مباحثہ ہوا کرے۔ اس ضرورت کے خیال سے قواعد مرتب کردیئے گئے ہیں۔ عموماً سب سے پہلے کسی مسودۂ قانون کے پیش ہونے کی اجازت دی جاتی ہے پھر وہ سرکاری جریدہ یعنی گزٹ میں شائع کردیا جاتا ہے کسی قدر کافی مدت گزرنے کے بعد وہ مسودہ مجلس میں دوبارہ پڑھ کر سنایا جاتا ہے اور پھر وہ ایک محکمۂ قانون کی کمیٹی کے سپرد کر دیا جاتا ہے جس کا فرض یہ ہے کہ مسودہ پر بالتفصیل غور کرے اور بصورت ضرورت اس میں ترمیم کرے۔ آخر میں ضروری بحث مباحثہ کے بعد وہ مسودہ تیسری بار پڑھ کر مجلس کو سنا دیا جاتا ہے۔

اوپر کے بیانات سے واضح ہوا کہ جدید قانون میں مجالس وضع قوانین کے واسطے کیا کیا خاص گنجائش رکھی گئی ہے لیکن راہ و رسم پر بھی بہت کچھ دار مدار ہے۔ خاصکر انگلستان میں تو یہی صورت ہے کہ کابینہ وزیر اعظم کا عہدہ۔ اور سیاسی فرقے یہ سب کسی باقاعدہ قانون کے بجائے راہ و رسم سے قائم ہوئے ہیں۔ پہلے سے

یہ بتانا دشوار ہے کہ ہندوستان کے آئین و دستور کی ترقی میں راہ و رسم کا کس قدر عمل رہیگا۔ کیا یہاں بھی انگلستان کی سی سخت سیاسی فرقہ بندیاں ہونگی اور اگر ہونگی تو کس بنا پر قائم ہونگی۔ کیا یہاں بھی ایک مخالف جماعت بنے گی۔ اور اس کا ایک سرخیل ہوگا۔ جو نہ صرف نکتہ چینی کریگا بلکہ ضرورت پڑی تو زمام حکومت بھی اپنے ہاتھ میں لینے کو آمادہ رہیگا۔ یہ امید کیجا سکتی ہے کہ بمرور ایام قانون کو ایسی راہ و رسم سے تقویت دیجائیگی جو اس ملک کی ضروریات کے مناسب ہوں۔ قانون نے تو صرف ایک پتلا بنا دیا۔ اس میں سیاسی جان ڈالنا محکمۂ قانون کے اراکین اور رائے عامہ کا کام ہے۔

آٹھواں باب

محکمۂ عدالت

پہلے زمانہ کی عدل گستری

اپنی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں کمپنی نے بس اسی قدر عدل گستری کی کہ یورپین لوگوں کے باہمی معاملات فیصل کرنے کے واسطے عدالتیں قائم کر دیں۔ البتہ اٹھارہویں صدی کے شروع میں تینوں پریزیڈنسی شہروں یعنی کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں حاکم بلدہ کی عدالتیں قائم ہوئیں جن کے فیصلوں کا مقامی حکومت میں مرافعہ دائر ہو سکتا تھا اور بعض بعض صورتوں میں نیز بادشاہ باجلاس کونسل کے ہاں دائر ہونا ممکن تھا۔ جب دیوانی کمپنی کے سپرد ہوئی تو کلائیو نے حکومت کا اور طریق نکالا جس کو دوہری حکومت سے تعبیر کرتے ہیں۔ عدالتہائے فوجداری تو نواب کے ہاتھ میں رہیں جہاں شرع شریف کے بموجب قاضی فیصلہ کرتے تھے اور تحصیل مالگزاری و عدالتہائے دیوانی کمپنی کے تحت میں آگئیں۔ لیکن کام سب ہندوستانی جج ہی انجام دیتے تھے۔ یہ طریق بہت جلد ناکامیاب و غیر مفید ثابت ہوا۔ وارن ہیسٹنگس جب مدراس سے کلکتہ پہنچا تو اس کی انتظامی قابلیت کے جوہر کھلے۔ اور جب تک ہندوستان میں رہا اس کی قابلیت اعلیٰ ثابت ہوتی رہی۔ منجملہ اور چیزوں کے عدالتوں کی ترمیم اور اصلاح ہوئی۔ اضلاع کی مقامی عدالتہائے دیوانی کمپنی کے اعلیٰ عہدہ دارو یعنی کلکٹروں کے تحت میں آگئیں۔ اور ہندو و مسلمان جج ان کی مدد کے واسطے تعینات ہوئے۔ چھوٹے چھوٹے مقدمات کے واسطے ماتحت جج مقرر کر دیئے گئے۔ بالادست عدالتوں میں اوّل تو صوبوں کی عدالتہائے مرافعہ تھیں اور سب کے بعد صدر دیوانی عدالت۔ نیز فوجداری عدالتیں کلکٹر کے تحت میں آگئیں۔ لیکن کام اب بھی قاضیوں کے ہاتھ میں رہا البتہ ایک صدر نظامت عدالت یعنی فوجداری عدالت مرافعہ اور قائم ہو گئی۔

باب

عدالتی اختیارات کا تناقض

کچھ عرصہ بعد قانون تنظیم یعنی ریگولیٹنگ ایکٹ پاس ہوا جس میں سیاسی حکومت کی اصلاح کرنے کے علاوہ عدالتی معاملات سے بھی بحث تھی۔ کلکتہ میں ایک عدالت العالیہ قائم ہوئی جس میں ایک میر مجلس اور تین رکنوں کا بادشاہ کی طرف سے تقرر ہوا۔ اسی قسم کی عدالت سنہ ۱۸۰۱ء میں بمقام مدراس اور سنہ ۱۸۲۳ء میں بمقام بمبئی قائم ہوئی۔ چار ہزار روپیہ سے زائد مالیت کے مقدمات کا مرافعہ بادشاہ با جلاس کونسل کے ہاں دائر ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ قانون کئی لحاظ سے مبہم تھا۔ اس میں اول تو عدالتوں اور انتظامی محکمہ کے تعلقات واضح نہیں تھے اور نہ یہ صراحت تھی کہ عدالت العالیہ کو ملازمانِ کمپنی کے اُن افعال پر کیا اختیارات حاصل تھے جو سرکاری فرائض کی انجام دہی میں ان سے سرزد ہوتے تھے وارن ہیسٹنگس کے زمانہ میں عدالت العالیہ اور سرکار کے مابین اختیارات کے بارے میں بہت ردو قدح ہوئی تو قانون میں کچھ ترمیمات کردی گئیں جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرکار کے دست و بازو قوی ہو گئے قانون میں یہ امر بھی مبہم رہ گیا تھا کہ کونسا قانون نافذ رہنا چاہیئے۔ عدالت العالیہ میں تو انگریزی اصول اور ضابطہ کے بموجب مقدمات فیصل ہوتے تھے اور صدر عدالتیں حتی الامکان شرع شریف اور شاستروں پر کاربند رہتی تھیں۔ البتہ ان قواعد کو ضرور ملحوظ رکھتی تھیں جو وقتاً فوقتاً سرکار نے مقرر کر دیئے تھے حالانکہ عدل و انصاف کے متعلق جو جو اصول ان عدالتوں کے پیش نظر رہتے تھے ان میں بہت کچھ تناقض تھا اور قوانین بھی مختلف تھے تاہم وہ چند سال پہلو بہ پہلو کام کرتی رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عدل گستری میں بہت بدنظمی پیدا ہو گئی۔ سر جان اسٹریچی کا قول ہے کہ ہندوستان کے بیشتر صوبوں میں قانون اور ضابطۂ فوجداری بہت خلط ملط تھا اور وہ مبنی تھا شرع[1] شریف پر جس کو خود انگریزی سرکار کے قواعد، انگریزی قانون اور عدالت العالیہ کے فیصلوں اور ہدایتوں

---

[1] "غالباً یہ امر محتاج بیان نہیں کہ شرع شریف کے اصول و ضوابط نہایت جامع اور مستحکم ہیں۔ ان کا منشا یہ ہے کہ حتی الوسع فتنہ و فساد کو پیدا ہونے کا بہت کم موقع ملے۔ اور امن و امان لوگوں کی طبیعت ثانیہ ہو جائے۔ اسکے مقابل جدید قوانین میں گوناگوں طوالت اور پیچیدگیوں کی بدولت تنازعوں کی بہت گنجائش پیدا ہو گئی ہے اور ان کی روک تھام میں صدہا عدالتیں شب و روز مصروف ہیں پھر بھی کافی نہیں معلوم ہوتیں طوائف الملوکی کے زمانہ میں البتہ قانون اور عدالتیں کمزور ہو گئی تھیں۔ اور غالباً اس دور کے مدنظر کتاب میں خیالات ظاہر کئے گئے ہیں۔ مترجم

نے نافذ اور بحال رکھا۔ دیوانی عدالتوں کا حال اور بھی ابتر تھا۔ سر جان اسٹریچی کا خیال ہے کہ عدالتہائے دیوانی کا خاص کام عدل گستری کے بجائے ضابطہ اور رسم کا پورا کرنا تھا۔

قوانین دیوانی و فوجداری

دیوانی اور فوجداری قوانین کی تدوین اور عدالتوں کی نئی ترتیب سے دو اصلاحیں ناگزیر قرار پائیں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اب تک دو طریق پہلو بہ پہلو رائج تھے۔ چند در چند وجوہات کی بنا پر سرکار انگریزی کو شرع شریف اور شاستروں کی تنسیخ گوارا نہ تھی۔ جو اصول اس کے پیش نظر تھا وہ یہ کہ حتی الامکان ملک کے قوانین اور رسوم کا ادب اور لحاظ کرنا چاہیئے۔ اس دشواری کا بہترین حل یہ نظر آیا کہ ایسے قوانین وضع کئے جاویں جن میں ہر دو یعنی مشرقی اور مغربی طریق کی خوبیاں مجتمع ہو جاویں۔ پس یہ تحقیق کرنا ضرور ہوا کہ انصاف اور رحم کی ضروریات مد نظر رکھ کر شرع شریف اور شاستروں کے کس قدر احکام برقرار رہنے کے قابل ہیں۔ ۱۸۳۳ء میں اس کام کی نگرانی کے واسطے کونسل میں ایک چوتھا ممبر مقرر ہوا۔ لارڈ میکالے چار سال تک اس عہدہ پر رہے اور یہ انھی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ بیس سال بعد تعزیرات ہند اور ضابطۂ فوجداری مکمل ہو گئے۔ قوانین دیوانی کی تدوین کا معاملہ اور بھی زیادہ دشوار تھا اور اس کام کے واسطے یکے بعد دیگرے تین کمیشن بیٹھے۔ بہت سے اہل قلم ان قوانین کی اعلیٰ خوبیوں کے معترف ہیں۔ ضابطۂ فوجداری کے ذکر میں سر جان اسٹریچی لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے قوانین میں کوئی قانون اس سے زیادہ اہم نہیں کیونکہ جو کل امن و امان قائم رکھتی ہے اور جرائم کا سد باب اور انسداد کرتی ہے وہ اسی کے مطابق چلتی ہے۔ اس میں خاص کر امور ذیل کی صراحت اور تفصیل درج ہے۔ فوجداری عدالتوں کی تنظیم اور ان کے جداگانہ اختیارات تعزیرات ہند اور دیگر قوانین کے ان جرائم کی ترتیب جن کی کوئی عدالت یا ناظم فوجداری تحقیقات کر سکتا ہے۔ پولیس کی تفتیش کے طریق، ناظم فوجداری کے ہاں سے حکمنامۂ گرفتاری ملنے پر یا اس کے بغیر گرفتار کرنے کے اختیارات جو پولیس کو حاصل ہیں۔ امن و امان قائم رکھنے اور خلاف قانون مجمع روکنے اور امور باعث تکلیف عامہ دفع کرنے کی کارروائی۔ ملزموں کو ناظم فوجداری کی عدالت میں پیش کرنے تحقیقات کرنے اظہار قلمبند کرنے اور ملزم کو عدالت بالا کے سپرد

کرنے کے طریق جوری یا اسیسروں کی موجودگی میں مقدمات تحقیقات کرنے مرافعہ دائر کرنے اور عدالت بالا کی جانب سے تجویز پر نظر ثانی اور احکام صادر ہونے کے قواعد۔ اسی طرح اور بہت سے معاملات جن کو ضابطۂ فوجداری سے کم و بیش تعلق ہے مندرجۂ بالا اجمال سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ضابطۂ فوجداری میں کیسے اہم معاملات درج ہیں۔ ہندوستان کے فوجداری و دیوانی قوانین اور عدالتوں کے بیان میں چیلی صاحب فرماتے ہیں کہ نہ صرف جج اور وکلا بلکہ چھوٹے بڑے عہدہ دار خواہ وہ انگریز ہوں یا ہندوستانی جس قانون کے زیر اثر رہتے ہیں اس سے اچھی طرح واقف ہیں اور وہ خوب سمجھتے ہیں کہ کس چیز کی اجازت ہے اور کس کی ممانعت ہے۔" قوانین پر کبھی کبھی نظر ثانی ہوتی رہتی ہے۔ سر جیمس اسٹیفن نے ۱۸۷۲ء میں قوانین میں جو اضافے کئے وہ خاص طور پر قابل لحاظ ہیں۔

ہائی کورٹ یا عدالت العالیہ

۱۸۶۱ء میں جب ہندوستانی ہائی کورٹوں یعنی عدالتہائے عالیہ کا قانون منظور ہوا تو بڑی بڑی تبدیلیاں عمل میں آئیں۔ قدیم عدالتیں تو غائب ہو گئیں اور انکے بجائے کلکتہ، مدراس، اور بمبئی میں ایک ایک ہائی کورٹ قائم ہوا اور کچھ عرصہ بعد ایک ہائی کورٹ الہ آباد میں۔ البتہ پنجاب اور رنگون میں چیف کورٹ قائم ہیں جسکے جج شاہی حکم سے نہیں بلکہ جناب گورنر جنرل با جلاس کونسل مقرر ہوتے ہیں۔ ۱۹۱۴ء میں بہار و اوڑیسہ کے واسطے بھی ایک جداگانہ ہائی کورٹ منظور ہوا اور ۱۹۱۶ء میں قائم بھی ہو گیا۔ دوسرے غیر آئینی صوبوں میں جوڈیشل کمشنر ہائی کورٹ کا قائم مقام سمجھا جاتا ہے چنانچہ سندھ اور اودھ میں اب تک ایک ایک جوڈیشل کمشنر موجود ہے۔ ہائی کورٹ کے جج بادشاہ کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں ان کی تنخواہوں اور وظیفوں کے متعلق قواعد و ضوابط موجود ہیں۔ وزیر ہند با جلاس کونسل ان پر نظر ثانی کر سکتا ہے لیکن سابق مقرر شدہ ججوں کی حیثیت پر کسی مابعد ترمیم کا اثر نہیں پڑ سکتا۔ ہندوستانی سول سروس کے رکن جنکو دس سال کی قدامت حاصل ہو اور جو بحیثیت ضلع کے جج ہونے کے تین سال کا عدالتی تجربہ رکھتے ہوں، انگلستان اور آئرلینڈ کے بیرسٹر، اسکاٹلینڈ کی فیکلٹی آف ایڈووکیٹس کے ممبر، جنکو پانچ سال کی قدامت حاصل ہو یا جن کو ہندوستان میں بحیثیت ماتحت جج کچھ تجربہ حاصل ہو چکا ہو۔

یا جنہوں نے کم از کم دس سال تک ہائی کورٹ میں بیرسٹری کی ہو یہ سب ہائی کورٹ کے جج بننے کے قابل شمار ہوتے ہیں چیف جسٹس یا میر مجلس بیرسٹر ہوتا ہے جس میں سب ضروری اوصاف ہونے شرط ہیں۔ لیکن منصفانہ طور پر موجودہ کارگزار ججوں میں سے کوئی بھی مقرر ہوسکتا ہے۔ یہ بھی ضرور ہے کہ کم از کم ایک ثلث جج تو ہندوستانی سول سروس کے رکن ہوں اور کم از کم ایک ثلث ایسے بیرسٹر یا ایڈوکیٹ ہوں جنہیں مندرجۂ بالا اوصاف موجود ہوں۔

عدالت عالیہ کے اختیارات

پریزیڈنسی شہروں میں ان حدود کے اندر اندر جنکو وقتاً فوقتاً مقامی حکومت معین کرتی رہتی ہے عدالتہائے عالیہ کو دیوانی اور فوجداری کے مقدمات میں ابتدائی سماعت کے اختیارات بھی حاصل ہیں البتہ الہ آباد کی عدالت عالیہ کو صرف ان فوجداری مقدمات کی ابتدائی سماعت کا اختیار حاصل ہے، جن میں یورپین لوگ ماخوذ ہوں۔ صوبہ کے اندر اندر جس قدر ماتحت عدالتیں ہوں خواہ دیوانی خواہ فوجداری سب کے فیصلوں کا مرافعہ انھی عدالتہائے عالیہ میں دائر ہوتا ہے۔ علاوہ بریں وصیتوں اور دیوالوں سے جسقدر امور متعلق ہوں ان میں اور عیسائیوں کے طلاق کے معاملات میں کل اختیارات عدالت عالیہ کے سپرد ہیں۔ عدالت عالیہ کو نہ تو مالگزاری کے معاملات میں کوئی ابتدائی اختیار حاصل ہے اور نہ تحصیل مالگزاری کے باب میں۔ جب تک کہ تحصیل قواعد جاریہ کے مطابق عمل میں آئے گورنر جنرل، گورنر اور انتظامی کونسل کے ممبر تمام افعال میں جو سرکاری خدمات کے انجام دینے میں ان سے سرزد ہوں عدالت عالیہ کے اختیارات سے مستثنیٰ ہیں اور نہ وہ گرفتار یا قید ہوسکتے ہیں۔ عدالت العالیہ کے میر مجلس اور اراکین کو بھی معافی حاصل ہے میر مجلس کو اختیار ہے کہ جو مقدمات عدالت العالیہ میں دائر ہوں ان کی سماعت مختلف ججوں کے سپرد کرے۔

اختیارات نگرانی وسماعت مرافعہ

عدالت العالیہ کو اول تو یہ اختیار حاصل ہے کہ تمام ادنیٰ عدالتوں پر نگرانی رکھے اور دوسرے یہ کہ بمنظوری مجلس انتظامی ایسے قواعد بنائے کہ جن پر عمل کرنے سے ان عدالتوں کو کام میں سہولت ہو۔ ماتحت عدالتوں میں جس قدر مقدمات دائر ہوتے ہیں ان کے اظہار قلمبند کرلئے جاتے ہیں اور عدالت العالیہ جب چاہے ان کو طلب کرکے عدالتوں کی کارروائی پر نظر ثانی کرسکتی ہے۔ اس کو یہ بھی اختیار ہے

کہ عدالت ماتحت سے مسل طلب کرے یا جواب طلب کرے یا کوئی مقدمہ ایک عدالت سے کسی دوسری ہم رتبہ یا بالاتر عدالت میں منتقل کردے عدالت عالیہ کے حکم سے ماتحت جج معطل تو ہوسکتا ہے مگر آخری سزا مقامی حکومت کے ہاتھ میں ہے اور عدالت عالیہ کا فرض ہے کہ جو الزام ماتحت جج پر لگائے جائیں۔ ان کی اطلاع مقامی حکومت کو کردے۔ عدالت عالیہ ابتدائی سماعت کے مقدمات میں جو فیصلہ کرے اس کا مرافعہ عدالت عالیہ کے دو یا زیادہ رکنوں کے روبرو پیش ہوتا ہے بعض عدالتوں میں یہ بھی ممکن ہے کہ ہائی کورٹ یا چیف کورٹ یا جوڈیشل کمشنر کے فیصلہ کا مرافعہ پریوی کونسل کی عدالتی کمیٹی میں دائر ہو گویا وہ ہندوستان اور نوآبادیوں کے مقدمات کے واسطے شاہی عدالت مرافعہ کا حکم رکھتی ہے۔

قانون فوجداری — قانون فوجداری کا عمل مختلف صوبوں میں کسی قدر مختلف ضرور ہے لیکن خاص خاص باتیں سب جگہ یکساں ہیں۔ اکثر صوبوں میں فوجداری عدالتوں کے سات درجے ہیں۔

(۱) ہائیکورٹ یا عدالت عالیہ پریزیڈنسی شہروں کے فوجداری مقدمات اور نیز دیگر عدالتوں کے مرافعوں کے واسطے۔

(۲) عدالت سشن۔

(۳) عدالت ناظم فوجداری درجۂ اول

(۴) پریزیڈنسی شہروں میں پریزیڈنسی ناظم فوجداری کی عدالت اور دوسرے شہروں میں بلدی ناظم فوجداری کی عدالت

(۵) عدالت ناظم فوجداری درجۂ دوم

(۶) عدالت ناظم فوجداری درجۂ سوم

(۷) اعزازی ناظم فوجداری درجۂ اول و دوم و سوم کی عدالتیں

ان عدالتوں کے باہمی تعلقات، ان کا اندرونی نظام اور ہر ایک کا طریق عمل یہ سب کچھ ضابطۂ فوجداری کے تحت میں ہے۔ ہر ایک ضلع میں ایک عدالت سشن ہے اس میں ایک سشن جج رہتا ہے۔ کہیں کہیں اسکی مدد کے واسطے زائد سشن جج یا مددگار سشن جج مقرر کردیا جاتا ہے ان عہدوں کا بیشتر کام وہی ہے جو ولایت میں

باب۸

عدالت اسائز کے جج کا ہوتا ہے ۔جس قدر مقدمات ان کے سپرد ہوتے ہیں وہ انکی سماعت کرتے ہیں۔ اور انتہائی قسم کی سزا تجویز کر سکتے ہیں ۔ البتہ ان کے فیصلوں کا مرافعہ ہو سکتا ہے اور سزائے موت ایں عدالت عالیہ کی منظوری لازمی ہے ۔عدالت سشن کے بعد نظامت فوجداری کی عدالتیں ہیں جن کے چند درجے ہیں ۔ پریزیڈنسی مجسٹریٹ کو جن کی عدالتیں پریزیڈنسی شہروں میں قائم ہیں اور نیز دیگر مقامات کے ناظم فوجداری درجۂ اوّل کو دو سال کی قید اور ہزار روپیہ جرمانہ تک اختیار حاصل ہے اور غیر آئینی صوبوں میں ان کے اختیارات اس سے بھی زیادہ ہیں۔ ناظم درجۂ دوم کے اختیارات چھ مہینے کی سزا اور دو سو روپیہ جرمانہ تک محدود ہیں ۔ ناظم درجۂ سوم کے اختیار میں ایک مہینے کی قید اور پچاس روپیہ جرمانہ سے زیادہ کچھ نہیں بالعموم کلکٹر اسسٹنٹ کلکٹر اور ڈپٹی کلکٹر اوّل درجہ کے ناظم فوجداری ہوتے ہیں تحصیلداروں کو اور بمبئی میں معاملتداروں کو درجۂ دوم کے اختیار حاصل ہوتے ہیں اور صدر قانون گو درجۂ سوم کے ناظم فوجداری بن جاتے ہیں یہ سب ناظم فوجداری مقامی حکومت کے حکم سے مقرر ہوتے ہیں اور حاکم ضلع کے تحت میں رہتے ہیں خواہ وہ کلکٹر کہلائے یا ڈپٹی کمشنر بڑے بڑے شہروں میں آنریری مجسٹریٹوں یا اعزازی ناظموں سے بہت کام نکلتا ہے کمتر اہمیت کے مقدمات ان کے سپرد ہو جانے سے دوسری عدالتوں میں کام کا ہجوم بہت کم ہو جاتا ہے ہندوستان کے بعض حصوں میں پٹیلوں کو بھی خفیف سے فوجداری اختیارات حاصل ہیں اور چھوٹے چھوٹے جرائم کی وہ خود ہی سزا دے سکتے ہیں ۔

مرافعہ اور اسکی کارروائی

انگلستان کے مقابل ہندوستان میں مرافعہ کے زیادہ مواقع حاصل ہیں ۔ ناظم فوجداری درجۂ دوم و سوم کے فیصلوں کا مرافعہ حاکم ضلع یا کسی ناظم درجۂ اول کے ہاں دائر ہوتا ہے ۔ناظم درجۂ اوّل کے فیصلوں کا مرافعہ سشن جج کے روبرو پیش ہوتا ہے اور خود عدالت عالیہ سشن جج کے فیصلوں کا مرافعہ سماعت کرتی ہے اگر یہ شبہہ ہو کہ کسی عدالت ماتحت میں کوئی بے ضابطگی عمل میں آئی تو عدالت العالیہ کو اختیار ہے کہ مسل طلب کر کے تحقیقات کرے اور ضرورت ہو تو عدالت ماتحت کا فیصلہ بدل دے ۔ صرف گورنر جنرل اور متعلقہ مقامی حکومت کو رحم و عفو کا منصب حاصل ہے ۔ ہندوستان میں فوجداری مقدمات کی سماعت کبھی کبھی جوری کے روبرو

ہوتی ہے لیکن یہاں جوری کا طریق انگلستان کے طریق سے کسی قدر مختلف ہے۔ ہائیکورٹ میں جوری کی تعداد نو رہتی ہے اور دوسری عدالتوں میں حسب تجویز مقامی حکومت ان کی تعداد نو کے اندر اندر طاق رہتی ہے۔ انگلستان کی طرح ہندوستان میں جوری کا متفق الرائے ہونا ضروری نہیں۔ جوری کے طریق کے متعلق بہت سی شکایتیں سننے میں آتی رہتی ہیں اور اس میں شک نہیں کہ بہت سے ملکوں میں معتبر جوری ملنے دشوار ہیں۔ ہندوستان میں بھی دشواری پیش آتی ہے چنانچہ اسی وجہ سے بہت سے اضلاع میں جوری مقرر ہی نہیں ہوتے ان کی جگہ اسیسر کام کرتے ہیں جن کی رائے سے جج کو مدد ملتی ہے مگر وہ اسکو پابند نہیں کر سکتے۔ مزید براں اگر جوری کی رائے سراسر غلط معلوم ہو تو سشن جج کو اختیار ہے کہ ان کی رائے نظر ثانی کے واسطے ہائیکورٹ میں پیش کر دے۔ یہ جو قاعدہ ہے کہ کل فوجداری مقدمات کی سماعت ہائیکورٹ میں جوری کے روبرو ہو، ایک صورت اس سے مستثنیٰ ہے۔ جو لوگ سلطنت کے خلاف کوئی جرم کریں ان کے مقدمات کی سماعت کے واسطے ۱۹۰۸ء کے قانون ترمیم تعزیرات ہند میں ایک خاص ضابطہ مقرر کیا گیا ہے۔ تین جج ملکر ایسے مقدمات کا فیصلہ کر سکتے ہیں، لیکن سب سے پہلے گورنر جنرل یا مقامی حکومت سے منظوری حاصل کرنی ضرور ہے۔ ہندوستان میں ناگہانی اموات کی تحقیق حسب الحکم ناظم فوجداری پولس انجام دیتی ہے۔ لیکن کلکتہ اور بمبئی میں اس کام کے واسطے ایک ایک کورونر اور اس کی مدد کے واسطے جوری بھی مقرر ہے۔

عدالتہائے دیوانی

فوجداری عدالتوں کی طرح دیوانی عدالتوں کی ترتیب بھی مختلف صوبوں میں کسی قدر مختلف ہے اور ان کے ناموں میں بھی کچھ فرق ہے سرسری طور پر دیوانی عدالتوں کے درجے حسب ذیل سمجھنے چاہئیں۔

(۱) ہائیکورٹ یا عدالت العالیہ

(۲) عدالت ضلع

(۳) عدالت خفیفہ

(۴) عدالت ماتحت جج درجۂ اول۔

(۵) عدالت ماتحت جج درجۂ دوم

پریزیڈنسی شہروں کے حدود کے اندر کل دیوانی مقدمات بالعموم عدالت العالیہ میں دائر ہوتے ہیں لیکن اس خیال سے کہ مقدمات جلد فیصل ہوں اور مصارف بھی کم پڑیں عدالت ہائے خفیفہ قائم کردی گئی ہیں۔ یہ پابندی چند شرائط ان عدالتوں کو دو ہزار روپیہ تک کے مقدمات کی سماعت کا اختیار حاصل ہے۔ اور بعض حالتوں میں اگر فریقین رضامند ہوں تو اس سے زیادہ رقم کے مقدمات بھی سماعت کرسکتی ہیں۔ انکی مثال انگلستان کی کاونٹی عدالتوں کی سی ہے۔ یہ ہر دو قسم کی عدالتیں بہت کارآمد ثابت ہوئیں، مقدمات کے فیصلوں کی تعداد بڑھ گئی اور مصارف بہت گھٹ گئے عدالت خفیفہ کے فیصلوں کا مرافعہ نہیں ہے۔ البتہ بعض صورتوں میں جج چاہے تو عدالت بالا کو رجوع کرے اضلاع میں بھی ایسی عدالتیں قائم ہیں مگر ان کے اختیارات سماعت بڑے شہروں کی عدالتوں سے کم ہیں۔

جج ضلع

جیساکہ بیان ہوچکا ہے جج ضلع اور سشن جج اول تو فوجداری جج ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ ضلع کی ماتحت دیوانی عدالتوں کے انتظام کے بھی وہی ذمہ دار ہیں اور ان عدالتوں میں کام تقسیم کرنا بھی انھی کے سپرد ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ ادنیٰ ترین عدالت مجاز مقدمہ سماعت کرتی ہے۔ ماتحت ججوں کے بھی چند درجے معین ہیں اور سب اپنے اپنے درجہ کی معینہ رقم تک مقدمات سماعت کرتے ہیں۔ بعض صوبوں میں دیہاتی منصف مقرر ہیں جو چھوٹے چھوٹے مقدمات فیصل کرتے ہیں اور رضامندی فریقین زیادہ اہم معاملات بھی ان کے ہاں پیش ہوسکتے ہیں۔ ماتحت ججوں کے فیصلوں کا مرافعہ جج ضلع کی عدالت میں دائر ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں جبکہ رقم کثیر ہو براہ راست عدالت العالیہ میں بھی دائر ہوسکتا ہے۔ اسی طرح جج ضلع کے ابتدائی فیصلوں کا مرافعہ عدالت العالیہ میں ہوتا ہے اور قانونی نکات کے معاملہ میں اس کے فیصلہ مرافعہ کا مرافعہ بھی وہاں دائر ہوسکتا ہے۔

یورپین رعایا اور عدالتیں

بہت سے عدالتی عہدے خود ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے ہندوستانی ہائیکورٹ کے جج بھی مقرر ہوسکتے اور ہوتے ہیں۔ جج ضلع اور سشن جج کے عہدوں پر تو بالعموم ہندوستانی سول سروس کے رکن تعینات ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے ماتحت عدالتی عہدوں پر بیشتر ہندوستانی ہی مقرر ہوتے

ہیں۔ ہندوستان کی عدالتوں میں برطانوی یورپین رعایا کی جو حیثیت ہے اس کا مختصر بیان ضروری معلوم ہوتا ہے۔ دیوانی مقدمات میں تو یورپین اور غیر یورپین میں کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا پچھلے دنوں تک تو یہ قاعدہ رہا کہ یورپین لوگ فوجداری مقدمات میں صرف عدالت العالیہ کے روبرو ماخوذ ہو سکتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانیوں کو ان پر فوجداری چلانے میں صدہا میل دور ہائیکورٹ جانا پڑتا تھا اور بہت زیربار ہوتے تھے۔ گویا یہ طریق خلاف انصاف تھا۔ ۱۸۷۲ء میں یہ قاعدہ کسی قدر نرم کر دیا گیا۔ سشن جج اور اول درجہ کے ناظم فوجداری کو بھی اختیارات مل گئے کہ جن فوجداری مقدمات میں یورپین لوگ ماخوذ ہوں ان کی سماعت کریں اور حدود معینہ کے اندر سزا تجویز کریں۔ ۱۸۸۳ء میں وہی واقعہ پیش آیا جو البرٹ مباحثہ کے نام سے مشہور ہے حکومت ہند نے یہ تجویز کی کہ یورپین لوگوں کے باب میں ادنیٰ عدالتوں کے اختیارات وسیع کر دیئے جائیں لیکن بعض حلقوں میں اس تجویز کی سخت مخالفت ہوئی۔ بالآخر ایک سمجھوتہ ہو گیا۔ کوئی ہندوستانی ناظم فوجداری جسکو جج ضلع کا رتبہ حاصل ہو یا ہندوستانی سشن جج ایسے فوجداری مقدمات کی سماعت کر سکتا ہے جن میں یورپین ماخوذ ہو۔ لیکن ملزم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جوری کے روبرو تحقیقات کا مطالبہ کرے، جن میں سے نصف کا یورپین یا امریکن ہونا ضروری ہے۔

عہدہ داران قانون۔ گورنر جنرل کی کونسل کے قانونی ممبر اور اس کے فرائض کا ذکر اس سے قبل بھی آ چکا ہے۔ مقامی حکومتوں کے ہاں بھی مشیر قانونی مقرر ہیں۔ جن کا کام یہ ہے کہ بل یا مسودۂ قانونی جو مجلس وضع قوانین میں پیش ہوں ان کو لکھ کر تیار کرے، قانونی معاملات میں سرکار کو مشورہ دے، اور خود وہی یا اس کا مددگار مجلس وضع قوانین کا معتمد بھی شمار ہوتا ہے۔ بعض صوبوں میں ایڈوکیٹ جنرل رہتے ہیں یہ مجلس وضع قوانین کے رکن بھی ہوتے ہیں اور سرکار کو مقدمات کی پیروی میں مشورہ بھی دیتے ہیں۔ ادنیٰ عدالتوں میں بھی اسی طریقہ پر کام چلتا ہے۔ عدالت ضلع میں سرکاری وکیل سرکاری عہدہ داروں کی مدد کے واسطے مقرر ہے اور انکی طرف سے عدالتوں میں مقدمات کی پیروی کرتا ہے۔ پریزیڈنسی شہروں میں شیرف رہتا ہے۔ سرکار اس کو ایک سال کے واسطے مقرر کرتی ہے اور وہ شہر کا کوئی معزز

باشندہ ہوتا ہے ۔ اس کا خاص عدالتی کام تو یہ ہے کہ جوری مقرر کرے ۔ لیکن اپنی حیثیت عامہ کے لحاظ سے اس کو اہم معاملات پر بحث کرنے کے واسطے جلسے بھی منعقد کرنے پڑتے ہیں ۔

نواں باب

پولیس اور محبس

ہندوستانی پولیس کی دشواریاں

ہر سال ایک بڑی رقم پولس اور محبسوں کے واسطے منظور کی جاتی ہے اور اسمیں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ ہندوستان جیسے ملک میں امن و امان برقرار رکھنا۔ جہاں آبادی بہت منتشر ہے اہم بھی زیادہ ہے اور بیش خرچ بھی ہے۔ اور کارگزاری کے ساتھ کفایت شعاری نبھانا بہت ہی دشوار کام ہے۔ گذشتہ صدی کے شروع میں لارڈ ہسٹنگس پنڈاروں کے ساتھ جنگجوئی میں مصروف تھا یہ جرائم پیشہ لوگ تھے اور کوئی ایک لاکھ فوج جمع کی گئی تب ان کی اچھی طرح سرکوبی ہوسکی۔ کچھ عرصہ بعد ایک فرقہ ٹھگوں کا نکلا۔ یہ لوگ بڑی رازداری کے ساتھ آپس میں مل جلکر بیخبر مسافروں کو لوٹ لیتے تھے۔ ان کی ٹولیاں تمام ملک میں پھیل گئیں۔ لارڈ ولیم بنٹنک اور سر ولیم سلیمن جیسے مستعد حکام کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ان خوفناک جرائم کا سد باب ہوا۔ لیکن اب بھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ ہندوستان میں چوری کرنا کیا مشکل ہے اول تو یہاں سرد ممالک کی طرح لوگ شب کو دروازے بند نہیں رکھتے۔ دوسرے لوگ قیمتی زیور پہنے پھرتے ہیں اور اب تک ڈاکے پڑتے ہیں۔

ہندوستانی پولیس کا انتظام

کمپنی کے عہد میں تو پولیس کا سرکاری محکمہ ترتیب دینے کی بہت کم کوشش کی گئی۔ سنہ ۱۸۶۱ء میں البتہ ایک تحقیقاتی کمیشن منعقد ہوا جس نے پولیس کی جماعت مرتب کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس میں شک نہیں کہ گذشتہ چند سال کے اندر پولیس کے انتظام دیانت اور کارگزاری میں بہت کچھ ترقی ہوئی ہے۔ سنہ ۱۹۰۲ء میں پھر ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر ہوا جس نے ایک نہایت اہم رپورٹ مرتب کرکے ایسی ترقیاں تجویز کیں جن کی تعمیل سے پولیس کا سالانہ خرچ بقدر دس لاکھ پونڈ یا ڈیڑھ کرور روپیہ بڑھ جائے گا۔ پولیس کا انتظام مقامی حکومتوں کے ہاتھ میں

ہے۔ ہر ایک صوبہ کی پولیس جدا ہے۔ بلکہ بمبئی میں تو ہر ایک ضلع کی اپنی پولیس ہے۔ ہر صوبہ میں محکمہ پولیس کا افسر اعلےٰ انسپکٹر جنرل مقرر ہے۔ اور مختلف ضلعوں میں مدد کے واسطے اس کے نائب رہتے ہیں۔ ضلع ضلع میں پولیس سپرنٹنڈنٹ یا مہتمم کوتوالی تعینات ہے اور اس کی مدد کے واسطے بھی مددگار اور نائب مہتمم مقرر ہیں۔ جمعیت پولیس کا اعلےٰ شعبہ جس کو شاہی خدمت سمجھنا چاہیئے اُس کے واسطے عہدہ دار امتحان مقابلہ کے ذریعہ سے ولایت میں بھرتی ہوتے ہیں۔ نائب مہتمم بالعموم مقامی لوگوں میں سے مقرر ہوتے ہیں۔ اور ترقی پاتے پاتے شاہی خدمت تک پہنچ سکتے ہیں۔ صوبۂ بمبئی میں بمقام ناسک ایک مرکزی پولیس ٹریننگ اسکول ہے جہاں پولیس کے نئے عہدہ دار خواہ مقامی لوگ ہوں یا ولایت کے بھرتی شدہ ہوں قانون اور زبان کی تعلیم پاتے ہیں اور ڈرل بھی سیکھتے ہیں۔ پریزیڈنسی شہروں اور نیز رنگون میں پولیس کی جماعت جداگانہ ایک کمشنر کے ماتحت ہے جو کہ اکثر ہندوستانی سروس کا ممبر ہوتا ہے۔ ریل کے مال و اسباب کی حفاظت کے واسطے ایک ریلوے افسر کی ماتحتی میں پولیس جدا مقرر ہے۔ معمولی پولیس کے علاوہ ایک جماعت امدادی پولیس کی موجود رہتی ہے اسی جماعت میں رہ کر رنگروٹ کام سیکھتے ہیں۔ یہی جماعت بدرقہ کا کام دیتی ہے اور جہاں کہیں ضرورت ہو کمک کے واسطے جانے کو تیار رہتی ہے ایک محکمہ خفیہ پولیس کا بھی ہے جو کبھی ٹھگی اور ڈکیتی کا محکمہ کہلاتا تھا۔ اس کا کام یہ ہے کہ جو لوگ ملک کے مختلف حصوں میں جرائم کریں اور مقامی پولیس کے بس میں نہ آویں ان کی خبر رسانی کر کے حتی الامکان ان کو سزا دلا دیں۔

دیہاتی پولیس

انگلستان اور ہندوستان میں قدیم دستور تو یہ تھا کہ خود دیہاتی برادریاں امن و امان قائم رکھتے اور جرائم کا استیصال کرنے کی ذمہ دار تھیں۔ مرہٹوں کے عہد میں دکن میں جو کام دیہاتی پولیس کے سپرد تھا اس کو ایلفنسٹن صاحب یوں بیان کرتے ہیں۔ اپنے گاؤں میں پولیس کا انتظام پٹیل کے ذمہ رہتا تھا۔ اور ضرورت کے وقت گاؤں کے باشندے بھی مدد کو تیار ہو جاتے تھے۔ پولیس کے معاملات میں اس کا بڑا مددگار گاؤں کا چوکیدار تھا۔ اگرچہ گاؤں میں ایک چوکیدار

ہوتا ہے مگر اس کے گھر کنبہ کے لوگ باری باری سے چوکیداری کرتے رہتے ہیں۔ چوکیدار کا کام یہ ہے کہ رات کو دیکھ بھال رکھے، ہر آنے جانے والے کی خبر رکھے، خصوصاً اجنبی لوگوں کو نظر میں رکھے اور مشتبہ لوگوں کی پٹیل کو اطلاع دے۔ چوکیدار کا یہ بھی فرض ہے کہ گاؤں میں سب لوگوں کے چال چلن سے واقف رہے اور گاؤں کی حدود میں چوری ہو تو چور کا پتا لگائے" گو یہ انتظام جو ایلفنسٹن صاحب نے بیان کیا بہت قابل اطمینان نہیں معلوم ہوتا، تاہم ایسا نہیں تھا کہ بدامنی اور بدنظمی پھیلی ہو۔ بلکہ انھوں نے امن و امان کے لحاظ سے دکن کی حالت کو مقابلتاً بنگال سے بہتر پایا اُن کا خیال ہے کہ امن و امان کا ایک خاص باعث یہ بھی تھا کہ حکومت کے اختیارات یکجا مجتمع تھے تحقیقات سرسری اور سزا سخت اور فوری ہوتی تھی۔

برطانوی دور کی دیہاتی پولیس

ہندوستان میں برطانوی حکومت کی پالیسی سدا سے یہ رہی ہے کہ حتی الامکان اپنے طریق حکمرانی لوگوں کے عادات اور رواج کے مطابق رکھے۔ چنانچہ ایلفنسٹن صاحب نے بھی کوشش کی کہ دیہاتی پولیس کا جو طریق ان کے زمانہ تک رائج تھا وہ ویسا ہی برقرار رہے، البتہ اُس پر نگرانی بڑھا دی۔ سنہ ۱۸۶۰ء کی کمیشن نے بھی یہی مشورہ دیا کہ قدیم دیہاتی پولیس اسی حالت پر قائم رہے۔ مدراس میں گاؤں کا مقدم امن و امان برقرار رکھنے کا ذمہ دار ہے۔ احاطہ بمبئی کے بڑے بڑے گاؤں میں معمولی پٹیلوں کے علاوہ پولیس کے پٹیل بھی رہتے ہیں جن کو خفیف سے فوجداری اختیارات حاصل ہیں۔ ہندوستان کے بعض دوسرے حصوں مثلاً سندھ میں زمیندار لوگوں کا یہ کام ہے کہ سرکار کو قیام امن و امان میں مدد دیں۔ چوکیدار بھی رہتے ہیں۔ اُن کا فرض جرائم کی اطلاع دینا ہے۔ لیکن اور کام بھی ان کے سپرد ہیں۔ حتی کہ مجرموں کی گرفتاری، پولیس کی امداد، بدچلن اور مشتبہ لوگوں کی نگرانی اور مقامی حالات کی اطلاع دہی بھی ان کے ذمہ ہے۔ ان کو یا تو کچھ زمین مل جاتی ہے جس کا لگان معاف ہوتا ہے، یا سرکار سے کچھ رقم ملتی رہتی ہے۔

پولیس کا انتظام خواہ کیسا ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو جب تک خود لوگ اس کی مدد اور تائید نہ کریں وہ حقیقی طور پر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ پولیس کو قابل اور کارگزار بنانے کی از حد

باب ۹

کوشش ہو رہی ہے۔ پرانے زمانہ میں تو انگلستان ہو یا ہندوستان سب لوگ خود ہی امن و امان قائم رکھنے کے ذمہ دار تھے ہر ایک فرد سلطنت کا فرض تھا کہ نہ صرف خود جرائم سے بچے بلکہ مجرموں کو سزا دلانے میں بھی مدد کرے۔ ہر فرد حقیقی مفہوم میں اپنے بھائی کا نگہبان بنا رہتا تھا۔ قدیم طریق جو سرتاپا دیہاتی برادریوں کی معاونت پر مبنی تھا اب بے محل ہونے کی وجہ سے باقی نہ رہا۔ لیکن موجودہ طریق بھی اسی وقت کامیاب ہو سکتا ہے جبکہ وہ لوگ جن کے واسطے پولیس رکھی جاتی ہے کاہلانہ مخالفت کے بجائے مستعدانہ اعانت کے واسطے تیار رہیں۔

طریق سزا

ہر کسی ملک میں سزا دینا اور محبس قائم رکھنا ایک دشوار معاملہ ہے۔ پچھلے دنوں تک انگلستان میں تعزیری قانون بہت سخت تھا۔ جو جرائم اب محض خفیف شمار ہوتے ہیں اس زمانے میں ان کی پاداش میں سزائے موت تجویز ہوتی تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ چور جس کے ہاں معمولی چوری کرتے اس کو مار بھی ڈالتے تھے تاکہ کچھ پتا نہ چلے اور اگر پتا چل بھی گیا تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ چوری اور قتل کی سزا وہی ایک تھی، یعنی موت سنگین جرم اس قدر بڑھ گئے کہ خوف معلوم ہونے لگا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے دورِ حکومت میں یہاں سزا کے طور پر سولی، اعضا کے کاٹنے اور تازیانہ کا برابر رواج تھا۔ اور جب انگریزوں کا قبضہ ہوا تب بھی کچھ عرصہ تک اعضا کا کاٹنا جاری رہا۔ گذشتہ چند سال کے اندر سزا کے معاملہ میں ہندوستان اور انگلستان میں بہت کچھ اصلاح عمل میں آئی ہے۔ تعزیرات ہند میں ہر جرم کی سزا کی حد مقرر کر دی ہے اور زیادہ سنگین جرموں کی تحقیقات اعلیٰ عدالتوں میں ہوتی ہے۔ جرم کی شدت قرار دینے کے طریق بھی تہذیب جدید کی ترقی کے ساتھ ساتھ بہت کچھ بدل گئے ہیں۔ قدیم زمانہ میں تو جرم کا معیار ضرر کی مقدار پر مبنی تھا اور سزا بھی اسی لحاظ سے مختلف ہوتی تھی۔ آج کل انصاف کا اصول یہ قرار پایا ہے کہ مجرم کی جو نیت تھی اُس کا پتا لگایا جائے۔ اگر کوئی غریب آدمی عمداً قتل کر دیا جائے تو یہ جرم اس سے کہیں زیادہ سخت سزا کا مستوجب ہے کہ کوئی کسی دولتمند کو بغرض حفاظت خود اختیاری یا شدید اشتعال میں جان سے مار دے۔

باب ۹

قدیم زمانے کے قیدی

انگلستان اور ہندوستان میں دونوں جگہ کسی زمانہ میں محبسوں کی حالت نہایت خراب تھی۔ نہایت ہی تنگ اور گندی کوٹھریوں میں قیدی بھرے رہتے تھے۔ پرانے پرانے جرائم پیشہ اور نو مجرم ساتھ ساتھ رکھے جاتے تھے۔ صحبت کا اثر تو مشہور ہے اور وہ بھی ایسی صحبت بد، یہ نو گرفتار بھی پکے مجرموں کی باتیں سیکھ سیکھ کر جب محبس سے نکلتے تھے تو اُن کی اصلاح کی کوئی امید باقی نہیں رہتی تھی محبس کیا تھے موت کے گھر تھے۔ بہت سے تو وہاں سے زندہ نکلتے ہی نہ تھے۔

محبسوں کی اصلاح

اٹھارھویں صدی کا آخری زمانہ تھا جبکہ محبسوں کی حالت پر ناراضی کا اظہار شروع ہوا۔ جان ہاورڈ نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا اور چند ہی سال میں انگلستان کے کل محبسوں کو دیکھ ڈالا۔ اس کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت کچھ اصلاحیں ہوگئیں اور آج جو محبس ہیں ان کی حالت سو برس پہلے کے محبسوں سے بالکل جدا ہے۔ اب یہی نہیں کہ محبس سزاخانہ ہے، گو سزا بھی اس لحاظ سے ضروری ہے کہ دوسرے لوگ جرم سے بچیں بلکہ وہ ایسی جگہ ہے جہاں مجرم کو تربیت دی جاتی ہے اور کام سکھایا جاتا ہے تاکہ رہائی کے بعد وہ اپنی اوقات بسر کر سکے۔ اس طرح پر اسکا چال چلن بھی درست ہو جاتا ہے اسی طرز پر ہندوستانی محبسوں میں بھی اصلاح ہوئی ہے سر جان اسٹریچی جو موجودہ طریق کے بہت پر جوش موید ہیں فرماتے ہیں کہ ہر ایک ضلع میں محبس موجود ہے۔ اور جہاں جہاں سہولت نظر آئی مرکزی محبس بھی قائم ہوگئے ہیں۔ اگرچہ محبسوں کا انتظام بالکل انگلستان کے طریق پر نہیں، تاہم یورپ میں بہت کم ایسے ملک ہونگے جہاں محبسوں کی اتنی خوبی سے دیکھ بھال ہوتی ہو۔ ہندوستان کے بڑے بڑے محبسوں کی صفائی اور خوش انتظامی مثال دینے کے قابل نظر آتی ہے۔

محبسوں کی تنظیم

ہر صوبہ میں محبسوں کا ایک انسپکٹر جنرل رہتا ہے جو کہ بالعموم ہندوستانی طبی خدمت کا رکن ہوتا ہے۔ مرکزی محبسوں کے مہتمم بھی اکثر اسی خدمت سے تعلق رکھتے ہیں۔ محبس ضلع کا معائنہ حاکم ضلع اور سول سرجن کرتا رہتا ہے۔ ایک خاص خدمت اور بھی ہے جس کے چند ورجے مقرر ہیں۔ جیلر اسی خدمت کے رکن ہوتے ہیں۔ اور بعض حالتوں میں چند قیدی باقی قیدیوں کی نگرانی کرنے پر مامور ہو جاتے ہیں۔ مرکزی محابس اور ضلع کے محبسوں کے علاوہ جزائر انڈمان میں بمقام پورٹ بلیر

جرائم پیشہ آبادی ہے جہاں وہ لوگ بھیجے جاتے ہیں جن کو عبور دریائے شور کی سزا ملتی ہے۔ اگر وہاں پہنچکر چال چلن اور رویہ اچھا رہا تو مجرم کو اجازت مل جاتی ہے۔ کہ کسی قطعۂ اراضی پر آباد ہو جائے اور اپنے بال بچوں کو بھی بلا لے۔ بہت سے سزا یافتوں کو کوئی نہ کوئی کام ملجاتا ہے۔ کل بستی ایک مہتمم کی نگرانی میں رہتی ہے جو کہ حکومت ہند کا ماتحت ہوتا ہے۔ ہندوستان میں بھی مرکزی محبس ان لوگوں کے واسطے مخصوص ہیں جن کو بہت زیادہ مدت کے واسطے قید ہوئی ہو اور ضلع کے مقامی محبس میں خفیف جرم کے سزا یافتہ رہتے ہیں۔

ہندوستانی محبسوں کی اصلاح

موجودہ طریق کے چند خصوصیات بیان کئے جاتے ہیں جن سے اصلاح اور ترقی کی نوعیت واضح ہو سکے گی۔ اول تو تربیت کا بہت لحاظ رہتا ہے۔ روزانہ کام کے وقت کا اوسط نو گھنٹہ پڑتا ہے۔ کبھی تعمیر کے بڑے بڑے کاموں میں محبس سے باہر بھی قیدی کام کرتے ہیں لیکن بالعموم وہ محبس کے احاطہ کے اندر رہتے ہیں۔ محبس کا معمولی کام تو وہ کرتے ہی ہیں۔ لیکن ان سے اور کام بھی لیا جاتا ہے۔ مثلاً خیمہ دوزی، چھپائی اور قالین بافی اس ترکیب سے ایک تو محبس کے اخراجات گھٹ جاتے ہیں اور بڑی بات یہ ہے کہ قیدی صنعت و حرفت سیکھ جاتے ہیں جو رہائی کے بعد ان کا ذریعہ معاش بن سکتی ہے۔ مختلف قسم کے قیدی الگ الگ رہتے ہیں مثلاً مستورات، بیمار، نو عمر مجرم اور جرائم پیشہ لوگ۔

یرادہ کا اصلاحی مدرسہ

نو عمر مجرم اصلاحی مدرسہ میں داخل کر دیئے جاتے ہیں۔ احاطہ بمبئی میں پونہ کے قریب بمقام یرودہ ایک ایسا مدرسہ قائم ہے۔ معمولی مدرسوں کے مقابل یہاں کی تربیت لامحالہ زیادہ سخت ہے اور نوشت و خواند کی تعلیم کے علاوہ صنعتی کام بھی سکھائے جاتے ہیں۔ مثلاً بڑھئی کا کام، لوہار کا کام، نقاشی، پالش کا کام اور جلد سازی نہ صرف یہ کوشش ہوتی ہے کہ لڑکوں کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو بلکہ مدرسہ چھوڑنے کے بعد ان کی خیر خبر بھی رکھتے ہیں۔ محبسوں کی صفائی کے انتظام میں بھی بہت کچھ ترقی ہو گئی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ شرح اموات گھٹ گئی اور مزدوری پیشہ جماعتوں کے مقابل کچھ ہی زیادہ ہو تو ہو۔

حال میں محابس کے انتظامات پر غور کرنے کے واسطے ایک کمیشن

زیر صدارت سر الگزنڈر کارڈیو مقرر ہوا ہے ۔ اس کمیشن نے یورپ جا کر بہت
سے محبس دیکھے ہیں ۔

دسواں باب

مالیات

اچھے مالیہ کے خصائص

کسی ملک کے مالی انتظام میں امور ذیل خاص طور سے توجہ طلب ہیں۔ اول یہ کہ جہاں تک ممکن ہو محصول نہایت کفایت کے ساتھ اور کاروباری طریق پر تحصیل کیا جائے بعض ممالک میں مصارف تحصیل اسقدر بڑھ جاتے ہیں کہ خزانے میں داخل ہوتے وقت محاصل کا بہت تھوڑا حصّہ باقی رہ جاتا ہے۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ یا تو حکومت کی کمزوری کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ کچھ لوگ محصول سے مستثنےٰ ہوتے ہیں پورا پورا محصول ہاتھ نہیں لگتا۔ کبھی محصول کا ٹھیکہ بھی دیدیا جاتا ہے۔ یعنی حق تحصیل کسی کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں اور قیمت سے جسقدر زیادہ رقم بطور محصول وصول ہو وہ اس ٹھیکہ دار کا حصہ شمار ہوتا ہے۔ یہ طریقہ خاص کر بہت خلاف انصاف ہے۔ اول تو رقم بہت ضائع ہوتی ہے۔ دوسرے غربا پر سختی ہونے کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ مالیہ کی دوسری خوبی یہ ہے کہ محصول مصارف سلطنت کے واسطے کفایت کریں اور قوم کے سب فرقوں پر علےٰ قدر مراتب محصول کا بار پڑے جو زیادہ ادا کرسکیں ان پر زیادہ اور غربا پر کم تیسری بات یہ ہے کہ مصارف میں کوئی بیجا فضول خرچی نہونے پائے۔ دیکھنا یہ چاہیئے کہ مذکورۂ بالا لحاظوں سے ہندوستان میں تحصیل محصول کی حالت کہاں تک قابل اطمینان ہے اور حال میں جو تبدیلیاں عمل میں آئیں ان سے مالی انتظام میں کیا ترقی ہوئی۔

پارلیمنٹ کی نگرانی

ہندوستان کے محاصل پر برطانوی پارلیمنٹ کا اس کے سوا کچھ اختیار نہیں کہ ہر دو ایوان کی منظوری بغیر نہ تو ہندوستانی حدود کے باہر فوجی کارروائیوں میں کچھ روپیہ صرف ہوسکتا ہے اور نہ ہندوستان کے سرکاری قرضہ میں کوئی اضافہ ممکن ہے۔ دیوان عام میں ہر سال ہندوستان کی ایک مالی کیفیت پیش ضرور ہوتی ہے

لیکن صرف اس امر پر رائے لی جاتی ہے کہ حسابات درست ہیں وزیر ہند کی تنخواہ اور اسکے عملے و دفتر کا کل خرچ اب سلطنت متحدہ کے خزانے سے ملنے لگا ہے اس لیے اب اس رقم کی منظوری دیوان عام سے حاصل کرنی پڑتی ہے، پس اس صورت میں دیوان عام کا کوئی رکن چاہے تو وزیر ہند کے مشاہرہ کی بابت تخفیف کی تحریک پیش کرکے اس کے مسلک کو معرض بحث میں لا سکتا ہے۔ چنانچہ ۱۹۲۰ء میں ایسا ہی واقعہ ہوا۔ لیکن دیوان عام میں وہ تحریک مسترد کردی گئی۔ جو کچھ انگریزی فوج ہندوستان میں رہتی ہے اس کے اور نیز کل ہندوستانی فوج کے اخراجات کا بار ہندوستان پر ہے۔ لیکن جب کوئی وقت آپڑتا ہے تو یہ کل فوج برطانیۂ عظمیٰ کی مدد کرتی ہے۔ چنانچہ حال کی جنگ میں ایسا ہی ہو چکا ہے۔ البتہ دوسری صورتوں سے ہندوستان کو برطانیۂ عظمیٰ کے تعلقات سے بہت فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اول تو برطانیہ کا بیڑا اس کی حفاظت کرتا ہے۔ دوسرے ہندوستان کو لندن کے صرافے میں کسی قدر کم شرح سود پر بقدر ضرورت قرض مل جاتا ہے۔

وزیر ہند کی نگرانی

۱۸۵۸ء کے قانون میں یہ قرار پایا کہ ہندوستانی محاصل جو صرف ہوں۔ خواہ ہندوستان میں یا اس کے باہر تو کل مصارف پر وزیر ہند با جلاس کونسل کی نگرانی رہے۔ اور جب تک کونسل میں کثرت رائے سے منظور نہ ہو جائے محاصل کا کوئی جزو تصرف میں نہ لایا جائے۔ اس زمانہ سے وزیر ہند کا با جلاس کونسل یہ دستور تھا کہ وہ ایک حد تک سرکار ہند کو کافی موقع دیتا رہا۔ ۱۹۱۹ء کے قانون کے تحت میں جو قواعد بنے وہ اس راہ میں اور بھی آگے بڑھ گئے۔ وزیر ہند کی منظوری اب صرف خاص خاص ذاتی نوعیت کے معاملات میں درکار ہوتی ہے۔ مثلاً حکام کی تنخواہوں میں مقررہ معیار سے زیادہ اضافہ۔ یا ہندوستان کی خدمات کی تعداد میں اضافہ۔ یا ایسے وظیفوں اور انعاموں کی منظوری جن کی قواعد میں اجازت نہ ہو۔ یا گورنروں کے اخراجات متعلقہ کے بھتوں میں اضافہ اس بندش کی اس وجہ سے بہت ضرورت ہے کہ مخارج کی یہ مدیں مجالس وضع قوانین میں منظوری کے واسطے پیش نہیں کی جائیں۔

ہندوستان کے مالیہ کا انتظام

کمپنی کے زمانہ میں کوئی ایسا باقاعدہ محکمۂ مال موجود نہ تھا جو محاصل و مخارج کا انتظام کرتا۔ جب حکومت شاہ برطانیہ کو تفویض ہوئی تو مسٹر جیمس ولسن سب سے

باب ۸ پہلے رکن مال مقرر ہو کر ہندوستان آئے۔ جن امور کا ان کو تصفیہ کرنا تھا وہ نہایت دشوار تھے۔ اول تو ۱۸۵۷ء کی شورش کی وجہ سے سرکاری قرضہ بہت بڑھ گیا دوسرے ملک میں امن و امان اور حکومت جاری کرنے کے واسطے سرکار کو ہر محکمہ میں مصارف بڑھانے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ کچھ نئے محصول بھی ضرور عائد کئے گئے لیکن یہ خوبی انتظام کا طفیل تھا کہ مالی حالت جلد سنبھل گئی۔

صوبوں کی حکومتیں اور ان کا مالیہ

ہندوستان کے مالی انتظام کا اس کے بعد دوسرا دور شروع ہوا۔ یہ ضروری ہے کہ جو لوگ روپیہ صرف کریں وہ اس کی تحصیل وصول کے بھی تھوڑے بہت ذمہ دار ہوں۔ ہندوستان میں یہ بات نہ تھی۔ اول اول کل مالی انتظام اور نگرانی حکومت ہند کے ہاتھ میں تھی ایسی حالت میں صوبوں کی حکومتیں کیوں کفایت شعاری کرنے لگیں۔ چنانچہ اس امر کے متعلق سر جان اسٹریچی کہتے ہیں کہ نتیجہ یہ تھا کہ اول تو کوئی حقیقی مالی نگرانی نہ تھی۔ دوسرے اکثر شاہی حکومت اور صوبوں کی حکومتوں میں کشمکش رہتی تھی۔ شاہی حکومت نہ صرف مال بلکہ انتظام کے تفصیلی معاملات تک میں دخل دیتی تھی۔ حالانکہ مقامی حکام ہی ان کی انجام دہی کے مجاز تھے۔ ان کے برادر سر رچارڈ اسٹریچی بھی اس بارہ میں فرماتے ہیں کہ سرکاری محاصل کی تقسیم کیا تھی گویا چھینا جھپٹی تھی کہ جو زیادہ دست دراز ہوا اس نے زیادہ ہتھیا لیا۔ اس معاملہ میں کچھ معقول لحاظ نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ مقامی کفایت شعاری سے کوئی مقامی فائدہ حاصل نہیں ہوتا تھا۔ اسراف اور اتلاف روکنے کا بھی کسی کو خیال نہ تھا اور کیوں کہ مقامی آمدنی کے اضافہ سے کوئی مقامی ترقی ہونے کی امید نہ تھی محاصل کے بڑھانے کا بھی بہت ہی کم شوق تھا۔ بالآخر ۱۸۷۰ء میں لارڈ میو کو خیال ہوا کہ تھوڑی سی مالی ذمہ داری مقامی حکومتوں کے سپرد ہونی ضرور ہے۔ اول تو یہ ہوا کہ ہر ایک صوبہ کو مقررہ رقم ملنے لگی اور زیادتی مصارف کی صورت میں یا تو انتظام اچھا کرنا پڑتا تھا یا کچھ مقامی محصول قائم ہو جاتا تھا۔ کوئی دس سال بعد حسب مشورہ سر جان اسٹریچی لارڈ لٹن نے یہ انتظام کیا کہ مقررہ رقم کے بجائے صوبوں کو محاصل کا ایک مقررہ حصہ ملنے لگا۔ اس طریقہ سے مقامی حکومتوں کو یہ شوق پیدا ہوا کہ نہ صرف مصارف میں کفایت شعاری سے کام لیں بلکہ تحصیل وصول کا اچھا انتظام کریں اور محاصل بڑھائیں۔ اس

طریقے کے شروع شروع میں صوبوں کے حصوں پر نظر ثانی ہوتی رہتی تھی لیکن اس صدی کے ابتدائی برسوں میں حصوں کا کسی قدر مستقل تعین ہوگیا۔ محاصل کی مدیں شاہی حکومت اور صوبوں کی حکومتوں میں باہم تقسیم کردی گئیں۔ کچھ مدیں شاہی کہلاتی تھیں کچھ صوبہ واری تھیں اور کچھ مشترکہ یعنی جن میں دونوں قسم کی حکومتیں شریک رہتی تھیں۔ ہندوستان کے محاصل کی مدیں سرسری طور پر یوں منقسم سمجھنی چاہئیں کہ نمک افیون کروڑگیری یعنی محصول درآمد و برآمد اور دیسی ریاستوں کے خراج محاصل کی یہ مدیں تو شاہی تھیں۔ مالگزاری۔ اسٹامپ۔ چنگی یا محصول ملکی پیداوار اور انکم ٹکس یا محصول آمدنی یہ سب شاہی اور مقامی حکومتوں کے باہم مشترک تھے۔ اور رجسٹری کی کل آمدنی مقامی حکومتوں کا حصہ تھی۔ اسی طریقہ سے مصارف بھی منقسم تھے۔ مطالبات وطن یعنی وہ رقم جو حکومت ہند ہر سال برطانیہ کو ادا کرتی ہے۔ سرکاری قرضہ کا سود۔ محافظ فوجوں کی داشت۔ مرکزی حکومت کے اخراجات۔ اور خارجی معاملات کا انتظام۔ یہ سب مصارف شاہی حکومت کے ذمہ تھے۔ بعض محکمے ایسے ہیں کہ جن کا تعلق کسی خاص صوبے کے بجائے تمام ملک سے ہے۔ مثلاً ڈاک۔ تار۔ دارالضرب یا ٹکسال۔ ریل۔ اسی وجہ سے یہ محکمے بھی شاہی شمار ہوتے تھے۔ آبپاشی کا حساب مشترک رہتا تھا۔ البتہ ایسے محکموں کے مصارف مقامی حکومتوں کے ذمہ تھے جیسے کہ تعلیمات۔ پولیس۔ صحت عامہ اور صفائی۔ اس میں شک نہیں کہ صوبوں کی حکومتوں کے اختیارات بھی بہت کچھ تھے۔ اور ذمہ داریاں بھی کچھ کم نہ تھیں۔ لیکن پھر بھی وہ شاہی حکومت کی قائمقام ہی شمار ہوتی تھیں اور جو کچھ مالی یا دوسرے قسم کے کام انجام دیتی تھیں۔ انکے واسطے شاہی حکومت کی رضامندی ضرور تھی۔ اور ان پر اس کی نگرانی بھی رہتی تھی صوبوں کی حکومتوں کو قرض لینے کا بالکل اختیار نہ تھا۔ اور ان کا سالانہ بجٹ یا موازنہ اوّل منظوری کے واسطے حکومت ہند میں پیش ہوتا تھا۔ صوبے کے محصول کی تجویز بھی صوبے کے قانون کی تجویز کی طرح اول منظوری کے واسطے سرکار ہند اور وزیر ہند کے روبرو پیش ہونا لازم تھی۔

لارڈ چیمسفورڈ اور مسٹر مانٹیگو کو معلوم ہوا کہ صوبوں کے مالیہ پر اسی طرح سخت

باب ۱۹۱۹ء کے قانون کی تبدیلیاں

نگرانی رکھنے سے صوبوں کی ذمہ داری کے بڑھنے میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ۱۹۱۹ء کے قانون نے بڑی بڑی تبدیلیاں کر دیں۔

اول تو یہ کہ ہر صوبہ کی حکومت کو اس امر کی اجازت مل گئی کہ وہ اپنے محاصل کی ضمانت پر بعض اغراض کے واسطے چاہے تو قرض لے لے۔ مثلاً آبپاشی یا ذرائع آمد و رفت کی ترقی۔ یا زمین کی درستی۔ یا قحط کے زمانہ میں امدادی کاموں کا انتظام یا تعمیرات کے منصوبے کی تکمیل البتہ اس بارہ میں سرکار ہند کی منظوری حاصل کرنی ضرور ہے کہ قرضہ پر کس شرح سے سود ادا کیا جائے۔ کس طریق پر قرض لیا جائے اور کس طریق سے اور کب وہ ادا کیا جائے گا۔

دوسرے یہ کہ صوبوں کے مصارف یا مخارج پر جو سرکار ہند کی نگرانی رہتی تھی وہ بھی بہت کم کر دی گئی ہے۔ اب صرف بعض جدید عہدوں اور محکمہ تعمیرات کے بیش خرچ منصوبوں کے واسطے سرکار کی منظوری حاصل کرنی پڑتی ہے۔ امور مختصہ کے مقابلہ میں نگرانی زیادہ ہے اور امور مفوضہ میں کم۔

جدید اصلاحات کی سب سے اہم خصوصیت اس بارہ میں یہ ہے کہ شاہی مالیہ اور صوبوں کے مالیہ میں صاف صاف تفریق کر دی گئی۔ لارڈ چیمسفورڈ اور مسٹر مانٹیگو نے مشترک مدات کے اصول کو ناپسند کیا۔ یعنی یہ کہ محاصل کی انہی مدات میں سے کچھ حصہ سرکار ہند لے اور کچھ حصہ صوبوں کی حکومتیں لیں۔ بس یہ طے ہو گیا کہ ہر حکومت اپنے طور پر اپنے محاصل خود وصول کرے اور مشترک مدات منسوخ کر دی جائیں۔ چنانچہ کل انکم ٹیکس یا محصول آمدنی تو سرکار ہند کو دیدیا گیا اور کل مالگزاری۔ آبپاشی۔ آبکاری اور اسٹامپ صوبوں کی حکومتوں کو حصہ مل گیا۔ سرکار ہند کے محاصل کی کمی پورا کرنے کے واسطے تمام صوبوں کی حکومتیں ہر سال کچھ کچھ رقم اور ادا کرتی ہیں ہر صوبہ کی مجلس وضع قوانین بہ پابندی چند شرائط اپنے صوبہ میں جدید محصول عائد کرنے کی مجاز ہے۔

صوبوں کی مجالس وضع قوانین کے اختیارات سرکاری محاصل اور مخارج کے بارے میں جو کچھ ہیں اس سے قبل ایک باب میں بیان ہو چکے ہیں۔ یہاں چند اور امور توجہ طلب ہیں۔ پارلیمنٹری کمیٹی نے اس دشوار سوال پر بھی غور کیا کہ کس اصول کی بنا پر

صوبوں کے محاصل اور فاضلات صوبوں کی حکومتوں کے دونوں شعبوں میں تقسیم کئے جائیں۔ کمیٹی کو خوف تھا کہ اس بارہ میں کشمکش پیدا ہونی ممکن ہے اسی واسطے اسنے یہ تجویز کیا کہ گورنر کو ایسے اختلافات کے تصفیہ کا اختیار ہونا چاہیے۔ چنانچہ قانون کے تحت میں جو قواعد مرتب ہوئے ہیں ان میں گورنر مجاز کردیا گیا ہے کہ وہ صوبہ کے محاصل اور فاضلات کو امور مختصہ اور امور مفوضہ میں اس طرح تقسیم کرسکتا ہے کہ ہر دو قسم کے امور کے واسطے محاصل اور فاضلات کی جزوی نسبت مقرر کردے (مثلاً نصف نصف وعلی ہذا)

سرکاری حسابات کی کمیٹی۔ ہر گورنر کے صوبے میں سرکاری حسابات کی ایک کمیٹی مقرر ہے۔ اسکے اراکین میں کم ازکم دو ثلث تو مجلس کے غیر سرکاری اراکین کی طرف سے منتخب ہوتے ہیں اور بقیہ اراکین گورنر کی طرف سے نامزد ہوتے ہیں۔ کمیٹی کا یہ فرض ہے کہ صوبہ کے حساب کی تحویل اور تنقیح کی جانچ پرتال کرے اور کچھ بے ضابطگیاں ہوں تو مجلس کو اطلاع دے۔ ہر صوبہ میں ایک محکمۂ مال بھی ہے اور وزیر مال اس کا ذمہ دار ہے۔

ہندوستان کے محاصل چونکہ ہندوستان کا مالی انتظام تبدیل ہو رہا ہے۔ اس لئے گزشتہ برسوں کی مالی کیفیتوں کا تفصیلی مطالعہ کچھ زیادہ بکار آمد نہ ہوگا۔ ذیل میں سرکار ہند کے محاصل کی کیفیت بابتہ سنہ ۱۹-۱۹۱۸ء درج کی جاتی ہے۔ اس کا منشا صرف اس قدر ظاہر کرنا ہے کہ محاصل کے ذرائع حصول کیا ہیں اور بعض ضروری مدات کا مفہوم کیا ہے۔

محاصل

محاصل کے خاص مدات	حسابات سنہ ۱۷-۱۹۱۶ء	سنہ ۱۸-۱۹۱۷ء کا تخمینہ بعد نظر ثانی	سنہ ۱۹-۱۹۱۸ء کا تخمینہ موازنہ
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
مالگزاری	۲۲۰۴۱۲۶۵	۲۱۶۱۱۱۰۰	۲۲۷۹۸۶۰۰
افیون	۳۱۶۰۰۰۵	۳۰۶۸۵۰۰	۳۱۹۱۸۰۰
نمک	۴۸۲۶۲۶۰	۵۴۷۲۸۰۰	۳۴۹۲۲۰۰
اسٹامپ	۵۷۷۶۴۹۶	۵۷۴۵۰۰۰	۵۹۳۸۰۰۰
آبکاری	۹۲۱۵۸۹۹	۱۰۰۷۶۸۰۰	۱۰۶۴۷۰۰۰

	حسابات ۱۹۱۶-۱۷ء	۱۹۱۷-۱۸ء کا تخمینہ بعد نظر ثانی	۱۹۱۸-۱۹ء کا تخمینہ موازنہ
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
کروڑگیری	۸۶۵۹۱۸۲	۱۱۲۰۴۲۰۰	۱۰۸۱۴۴۰۰
انکم ٹیکس	۳۷۷۲۹۶۷	۶۰۷۵۸۰۰	۶۳۳۳۲۰۰
دیگر مدات	۳۶۵۵۱۹۶	۳۸۲۸۰۰۰	۳۸۷۰۷۰۰
میزان خاص مدات	۶۱۱۰۷۴۷۰	۶۷۰۸۲۲۰۰	۶۷۰۸۵۹۰۰
سود	۱۱۳۶۵۰۴	۲۲۴۵۳۰۰	۳۵۵۲۶۰۰
ڈاکخانہ اور تار	۴۱۷۴۶۰۷	۴۴۹۲۱۰۰	۴۷۸۲۸۰۰
دارالضرب	۶۸۹۸۶۶	۵۳۰۷۰۰	۳۷۶۰۰۰
محکمہ جات دیوانی کی آمدنی	۱۷۳۹۷۱۳	۱۹۲۶۷۰۰	۱۹۵۶۱۰۰
متفرقات	۸۴۷۵۳۰	۲۵۹۹۹۰۰	۱۲۹۵۲۰۰
ریلوے خالص آمدنی	۲۱۳۱۳۷۹۷	۲۴۰۵۱۶۰۰	۲۳۹۸۳۷۰۰
آبپاشی	۵۱۵۵۶۲۴	۵۱۷۴۷۰۰	۵۳۲۰۴۰۰
دیگر تعمیرات	۳۰۹۳۷۳	۳۱۸۹۰۰	۳۰۴۹۰۰
فوجی آمدنی	۱۵۷۵۹۴۶	۱۵۰۲۲۰۰	۱۵۳۲۷۰۰
میزان محاصل	۹۸۰۵۰۴۳۰	۱۰۹۹۲۴۳۰۰	۱۰۹۱۹۰۳۰۰

مالگذاری ایسی اہم اور پیچیدہ مد ہے کہ اس پر اگلے باب میں جداگانہ غور ہوگا۔

اب اُن محاصل کو لیجیئے جو بذریعہ ٹکس یا محصول وصول ہوتے ہیں۔

(۱) محصول نمک۔ مالیات کے متعلقین کے واسطے محصول نمک کی سرگزشت بہت دلچسپی کا باعث ہے صرف یہی ایک محصول ہے جسکو غریب سے غریب لوگ بھی ادا کرتے ہیں۔ یورپ کے بعض ممالک مثلاً فرانس اور جرمنی میں بھی نمک پر محصول لیا جاتا ہے ہندوستان میں محصول نمک کی دو مدیں ہیں۔ ایک تو وہ جو نمک کی درآمد سے وصول ہوتا ہے۔ دوسرے وہ جو خاص ہندوستان کے نمک پر لیا جاتا ہے۔ خواہ نمک اجازت یافتہ کارخانوں میں تیار ہوا ہو خواہ سرکاری اجارہ میں تیس سال قبل مختلف صوبوں میں

باب ۱

محصول کی شرح مختلف تھی ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو نمک ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ میں جاتا تھا اس پر محصول در آمد لیا جانے لگا اول تو اس انتظام میں خرچ بہت زیادہ پڑتا تھا دوسرے ہر قسم کی تجارت میں رکاوٹ پیدا ہوتی تھی سنہ ۱۸۸۲ء میں سرکار نے یہ نہایت عقلمندی کی کہ تمام صوبوں میں شرح محصول مساوی کر دی ۔ شرح میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں ۔ سنہ ۱۸۸۸ء میں شرح محصول دو روپیہ من سے ڈھائی روپیہ من کر دی گئی ۔ لیکن سنہ ۱۹۰۳ء میں وہ پھر دو روپیہ ہو گئی اور سنہ ۱۹۰۷ء میں گھٹ کر صرف ایک روپیہ من رہ گئی ۔ محصول کی تخفیف بہت عاقلانہ بات تھی محصول کی مقدار گھٹی تو سہی لیکن نہ اس قدر جتنا کہ اندیشہ تھا ۔ وجہ یہ ہے کہ ارزاں ہونے پر نمک کا خرچ بھی بڑھ گیا اس محصول کی مقدار میں جو کمی بیشی ہوتی رہتی ہے وہ اس لحاظ سے خاص طور پر قابل دلچسپی ہے کہ اس سے ملک کی عام مرفہ الحالی اور افلاس کا پتا چل جاتا ہے ۔ جب سستا سماں ہوتا ہے تو نمک بھی بہت زیادہ فروخت ہوتا ہے قحط سالی میں نمک کا خرچ بہت تھوڑا رہ جاتا ہے ۔ سنہ ۱۹۱۶ء میں جنگ کی مجبوریوں کی وجہ سے محصول نمک سوا روپیہ من کر دیا گیا ۔ احاطہ بمبئی میں محکمہ نمک ایک خاص کمشنر کے تحت میں ہے جسکو کمشنر سالٹ اور اکسائز وغیرہ کہتے ہیں ۔ اس کی مدد کے واسطے ایک کلکٹر کچھ اسسٹنٹ کلکٹر اور چند چھوٹے عہدہ دار مقرر ہیں ۔

(ب) اسٹامپ ۔ اس محصول کے دو ذریعے ہیں ۔ دیگر ممالک کی طرح ہندوستان میں بھی کاروباری دستاویزات پر اسٹامپ یا ٹکٹ لگتا ہے ۔ علاوہ بریں ٹکٹوں کے ذریعہ سے عدالتی کارروائیوں پر بھی محصول وصول کیا جاتا ہے ۔ یہ محصول کیا ہے عدالتوں کے اخراجات کا ایک حصہ ہے جو ان لوگوں سے وصول کیا جاتا ہے جو عدالتوں سے خدمت لیں ۔

(ج) چنگی یا آبکاری ۔ آبکی خاص مد وہ محصول ہے جو ملک میں مسکرات کی پیداوار اور فروخت پر وصول کیا جاتا ہے اور جس کو اصطلاحاً آبکاری کہتے ہیں ۔ شروع شروع میں تو ٹھیکہ کا طریق رائج تھا گویا مسکرات تیار کرنے اور فروخت کرنے کا اجارہ لوگوں کے ہاتھ فروخت کیا جاتا تھا ۔ چند سال سے اس انتظام میں کچھ ترمیم ہو گئی ہے آبکاری کی نگرانی آجکل بیشتر مقامی حکومتوں کے سپرد ہے ۔ اور ہر ایک صوبہ کا

باب

طریق جدا ہے۔ مسکرات کی درآمد پر جو محصول لیا جاتا ہے وہ کسٹم یا کروڑ گیری شمار ہوتا ہے۔ لیکن ہوٹلوں طعام خانوں، اور تفریح گاہوں کو مسکرات فروشی کے جو اجازت نامے فروخت کئے جاتے ہیں اُن کی آمدنی اکسائز یعنی چنگی میں شامل ہے۔

(د) کروڑ گیری یا محصول درآمد۔ اس محصول کی سرگزشت بھی بہت دلچسپ ہے اور وقتاً فوقتاً اس پر بہت کچھ رائے زنی ہوا کی سرکار کو صرف تحصیل محصول ہی کا تو خیال نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے کہ محصول لگانے یا نہ لگانے سے ملک کی تجارت پر کیا اثر پڑتا ہے۔

اس کتاب میں اتنی تو گنجائش نہیں کہ طریق تابین تجارت کی خوبیوں اور نقائص سے بحث کیجائے البتہ یہ جتا دینا ضروری ہے کہ انگلستان اور ہندوستان میں دونوں جگہ اس معاملہ میں بہت اختلاف رائے پھیلا ہوا ہے۔ سنہ ۱۸۶۰ء میں محصول درآمد دس فیصدی تھا بلکہ بعض چیزوں پر اس سے بھی زیادہ بعد کو محصول میں تخفیف ہوئی حتیٰ کہ سنہ ۱۸۷۵ء میں وہ صرف پانچ فیصدی رہ گیا۔ اس کے بعد سرکار برطانیہ نے یہ تجویز پیش کی کہ محصول درآمد بالکل اڑا دیا جائے، لیکن ہندوستان میں اس کی سخت مخالفت ہوئی۔ اس زمانے کے وائسرائے لارڈ نارتھ برک نے استعفا دیدیا مگر محصول اُٹھانا گوارا نہ کیا، لارڈ لٹن ان کے جانشین بنے جدید وائسرائے نے اپنے وزیر مال سر جان اسٹریچی کی مدد سے محصول پارچہ میں تخفیف کرنے کی پالیسی شروع کردی، گو اس معاملہ میں اس کو اپنی کونسل کی کثرت رائے منسوخ کرنی پڑی بالآخر محصول درآمد بالکل اڑ گیا۔ البتہ نمک اور شراب پر قائم رہا تاکہ خود ہندوستان میں جو ان چیزوں پر محصول لیا جاتا تھا اس کا توازن ہوجائے۔ سنہ ۱۸۹۴ء میں خزانہ خالی ہوگیا تو پھر محصول بڑھانے کی ضرورت پڑی مجبوراً ۵ فیصدی محصول درآمد قائم کردیا لیکن روئی کا پارچہ اب بھی مستثنیٰ رہا۔ کچھ تبدیلیاں اور ہوئیں تو روئی کے پارچہ پر ۳½ فیصدی محصول درآمد قائم کردیا۔ لیکن ساتھ ہی ہندوستانی کارخانے کے بنے ہوئے کپڑے پر بھی اسی قدر محصول لگا دیا۔ امید تو تھی کہ اس طریق سے ملک میں دستی پارچہ بافی کی صنعت کو ترقی ہوگی مگر واقعی کس حد تک ترقی ہوئی یہ امر بحث طلب ہے۔ سنہ ۱۹۱۶-۱۷ء کے موازنہ میں کروڑ گیری کی فہرست از سر نو مرتب کی گئی

تاکہ جنگ سے مالی حالت میں جو ابتری پھیل گئی تھی اس کی تلافی کے واسطے مزید محاصل دستیاب ہو سکیں۔ شکر کے سوا باقی عام درآمد کا محصول ۷ ½ فیصدی قرار پایا۔ چونکہ ہندوستان میں سب ملکوں سے زیادہ شکر پیدا ہوتی ہے۔ اس پر محصول درآمد دس فیصدی مقرر کیا گیا۔ سوتی کپڑے کے محصول درآمد میں کوئی تغیر نہیں ہوا ۱۹۱۷-۱۸ء کے موازنہ میں البتہ یہ بھی عام محصول درآمد کے برابر ہو گیا یعنی ۷ ½ فیصدی حالانکہ دیسی سوتی پارچہ پر شرح چنگی وہی ۳ ½ فیصدی برقرار رہی۔

۱۹۱۶-۱۷ء کے موازنہ میں چاء اور جوٹ پر بھی محصول برآمد قائم ہو گیا۔ دوسرے سال یہ محصول دوچند کر دیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ اس سے ۵ لاکھ پونڈ مزید آمدنی حاصل ہو۔

(کا) انکم ٹکس یا محصول آمدنی اول اول ۱۸۶۰ء میں قائم ہوا۔ اس کے بعد وہ اٹھ گیا اور پھر دوبارہ قائم ہوا اور اب تک جاری ہے۔ جو آمدنی کہ زراعت یا زمینداری سے حاصل ہوتی ہے وہ اس محصول سے مستثنیٰ ہے۔ مزید براں محصول کے مدارج اس طریق سے قرار دئے گئے ہیں کہ دولتمند اسکی اعلےٰ شرح ادا کرتے ہیں۔ متوسط الحال کم تر اور وہ غربا کو معاف ہے۔ انکم ٹکس سے بہت کچھ ناراضی پھیل چکی ہے۔ لیکن اس کے واجبی ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ اس کا بار زیادہ تر دولتمندوں پر پڑتا ہے اور بہت سے ایسے لوگوں پر جو اس کے بغیر شاید ہی اپنا حصہ رسد محصول ادا کرتے۔ صرف یہی ایک بلا واسطہ محصول ہے جو ہندوستان میں رائج ہے۔ جو لوگ محصول کو محصول سمجھکر ادا کرتے ہیں ان کو قدرتاً یہ خیال ہو جاتا ہے کہ سرکار کفایت شعاری سے کام لے اور عوام کا روپیہ فضول خرچیوں میں نہ اڑائے ۱۹۱۶ء میں جنگ کی وجہ سے بڑی بڑی آمدنیوں پر شرح محصول بڑھا دی گئی۔ چنانچہ شرح کے اعلےٰ مدارج یوں قرار پائے۔ پانچ ہزار سے لیکر دس ہزار سالانہ آمدنی تک شرح محصول ۶ پائی فی روپیہ یا ۷ ½ پنس فی پونڈ، دس ہزار سے پچیس ہزار تک ۹ پائی فی روپیہ یا ۱۱ ¼ پنس فی پونڈ اور اس سے زیادہ آمدنی پر ایک آنہ فی روپیہ یا ۱ ¼ شلنگ فی پونڈ۔

دوسرے ہی سال محصول زائد قائم ہو گیا۔ محصول زائد ان آمدنیوں پر وصول کیا جاتا ہے جو پچاس ہزار سالانہ سے زیادہ ہیں۔ یہ بھی اصول متزاید کے مطابق قرار پاتا ہے۔ یعنی اعلےٰ آمدنیوں پر اسکی شرح بیش رہتی ہے اور ادنیٰ پر کم۔

باب ۱۱

ہندوستان کا مسلکِ تجارتِ خارجہ

پارلیمنٹری کمیٹی کا بیان ہے کہ ہندوستان اور برطانیہ عظمیٰ کے باہمی خوشگوار تعلقات کو نقصان پہنچنے کا سب سے زیادہ خطرہ ہے تو اس عقیدہ سے ہے کہ انگلستان کے وزرا وہائٹ ہال میں بیٹھ کر ہندوستان کا مسلکِ تجارتِ خارجہ حکماً قرار دیتے ہیں اور وہ بھی اس غرض سے کہ برطانیہ عظمیٰ کی تجارت کو فروغ ہو۔ کمیٹی نے بہت افسوس ظاہر کیا کہ لوگوں میں یہ عقیدہ پھیلا ہوا ہے۔ شاہی کانفرنس میں ہندوستان کی حیثیت تسلیم ہو چکی ہے۔ اس سے راہ نکل آئی کہ ہندوستان اور بقیہ سلطنتِ برطانیہ کے مابین محصول تجارت خارجہ کے بارے میں گفت و شنید کی جائے۔ لیکن مشوروں کے بعد قانون پاس ہو جانا چاہیئے۔ اس لئے کمیٹی نے تجویز کیا کہ اگر سرکارِ ہند اور اس کا محکمہ قانون تجارت خارجہ کے انتظامات کے بارے میں متفق ہوں تو وزیر ہند کو صرف اس صورت میں مداخلت کرنی چاہیئے جبکہ سلطنت کے بین الاقوامی حقوق کی حفاظت مطلوب ہو۔

(۹) رجسٹری۔ یہ مد بہت قلیل ہے۔ جائداد غیر منقولہ کے تمام بیعناموں اور رہن ناموں کا رجسٹری ہونا ضروری ہے البتہ اگر مالیت سنو سے کم ہو تو حسب مقدار کچھ فیس اسٹامپ سے لی جاتی ہے۔ رجسٹری ضروری نہیں۔

دوسرے ان محاصل کو لیجئے جو ٹکس کے بجائے دیگر ذرائع سے حاصل ہوتے ہیں

(۱) افیون۔ برطانوی ہندوستان میں پوست کی کاشت اور افیون کی تیاری اسکی تملیک، درآمد و برآمد، نقل اور تجارت کے متعلق سرکار نے قواعد بنا دئے ہیں جنکی خلاف ورزی سخت سزا کی مستوجب ہے یعنی ایک سال تک قید ہزار روپیہ تک جرمانہ یا دونوں۔ بعض دیسی ریاستوں میں بھی افیون پیدا ہوتی ہے جسکو مالوہ افیون کہتے ہیں۔ اور اس پر بہت گراں بار محصول ادا کرنا پڑتا ہے۔ سابق میں بہت زیادہ افیون چین کو جاتی تھی اور حکومت ہند کو اس کی تجارت سے ایک معقول آمدنی حاصل ہوتی تھی۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں حکومت چین نے یہ دیکھکر کہ افیون کے کثرت استعمال سے ملک کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے، حکومت ہند سے استدعا کی کہ افیون ترک کرانے میں اس کا ہاتھ بٹائے۔ تجویز یہ ہوئی کہ حکومت چین اپنی سلطنت میں پوست کی کاشت روکدے اور ہندوستانی افیون کی درآمد بھی بند ہو جائے۔ پس یہ قرار پایا کہ ہندوستانی

افیون کی برآمد بقدر دسویں حصہ کے ہر سال گھٹتی جائے حتیٰ کہ ۱۹۱۹ء میں اس کا بالکل خاتمہ ہو جائے بعد کے غور و مشورہ کا نتیجہ یہی نکلا کہ چین سے افیون کی تجارت بند ہو گئی۔

(ب) جنگلات۔ چند سال سے حکومت نے جنگلات کی دیکھ بھال اپنا خاص فرض قرار دے لیا ہے۔ عمدہ نگرانی کا نتیجہ یہی نہیں کہ لکڑی کی فروخت سے سالانہ آمدنی حاصل ہوتی ہے بلکہ جنگلات کی سرسبزی سے بارش میں اضافہ ہوتا ہے محکمۂ جنگلات کا کام آئندہ کسی باب میں جداگانہ بیان ہوگا۔

(ج) ڈاک اور تار۔ ان محکموں کی حالت اس قدر اچھی ہے کہ کچھ چند سال سے سرکار کو ان مدوں میں بھی منافع مل رہا ہے حالانکہ سرکار کا منشا یہ ہے کہ حتی الوسع کمتر شرح محصول پر منجانب عوام ڈاک اور تار کا انتظام رکھے نہ یہ کہ ان کے ذریعے کوئی آمدنی وصول کرے، دنیا کے کسی ملک میں ڈاک کا محصول اس قدر کم نہیں جتنا کہ ہندوستان میں ہے۔ حال میں ان محکموں کا کام بہت بڑھ گیا ہے ۱۸۵۶ء میں خطوط، پارسلو اور اخباروں کی سالانہ مقدار تین کروڑ اسی لاکھ تھی۔ لیکن ۱۹۱۲ء میں اس کی نوبت ایک ارب اور ڈیڑھ کروڑ تک پہنچی۔ منافع بیشتر انھیں محکموں کی ترقی اور اصلاح میں صرف ہوتا ہے۔

(د) ریل اور نہریں۔ ریلوں اور نہروں کی نگرانی اور انتظام کے متعلق سرکار ہند کی جو پالسی ہے اس سے آئندہ بحث کی جائیگی۔ ہندوستان میں بیشتر ریلیں سرکاری ملک ہیں اس صدی کے شروع تک تو سرکار کو ریلوں سے منافع کے بجائے نقصان اٹھانا پڑا لیکن اس کے بعد سے ایک ریل کے سوا باقی اور ریلوں کی آمدنی مصارف سے بڑھی رہی۔ حالانکہ مصارف میں ریل چلانے کے کل اخراجات، قرضہ کا سود اور باقی دیگر مصارف شامل ہیں حال میں تو منافع بہت ہی بڑھ گیا۔

(ہ) دیسی ریاستوں کا خراج یہ بھی ایک چھوٹی سی مد ہے دیسی ریاستوں نے جو سرکار کو فوج بہم پہنچانے کا ذمہ لیا تھا اس کے بجائے رقم ادا کر دیتی ہیں تاکہ ان کے خرچ سے سرکار خود فوج کا انتظام کرے۔ نیز بعض صورتوں میں تخت نشینی کے موقع پر سرکار ہند کو نذرانہ پیش کیا جاتا ہے۔

مخارج انگلستان اور ہندوستان میں سرکار ہند کو جو مصارف پیش آئے انکی ایک

باب

تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

مخارج

	حسابات سنہ ۱۹۱۶-۱۷ء	سنہ ۱۹۱۷-۱۸ء کا تخمینہ بعد نظر ثانی	سنہ ۱۹۱۸-۱۹ء کا تخمینہ موازنہ
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
محاصل پر راست مطالبات	۹۳۲۸۴۶۸	۹۹۵۰۳۰۰	۱۰۳۵۴۸۰۰
سود	۱۱۷۴۸۶۴	۷۷۹۷۵۰۰	۷۷۸۴۳۰۰
ڈاکخانہ اور تار	۳۴۴۱۳۸۷	۳۵۹۹۰۰۰	۳۹۳۱۴۰۰
دارالضرب	۱۶۷۴۱۱	۱۷۹۸۰۰	۱۷۰۰۰۰
سول محکموں کے مشاہرے اور اخراجات	۱۹۰۸۱۲۳۰	۲۰۹۳۶۸۰۰	۲۳۱۶۴۳۰۰
متفرق سول مطالبات	۵۴۱۴۲۷۲	۵۸۹۴۸۰۰	۵۶۷۱۵۰۰
امداد قحط اور بیمہ	۱۰۰۰۰۰۰	۱۰۰۰۰۰۰	۱۰۰۰۰۰۰
ریلوے کا سود اور متفرق مطالبات	۱۳۸۳۱۹۲۲	۱۳۸۷۶۸۰۰	۱۳۷۸۲۰۰۰
آبپاشی	۳۵۴۹۹۱۲	۳۷۳۲۸۰۰	۳۹۲۸۷۰۰
دیگر تعمیرات	۴۶۱۸۵۳۵	۵۱۲۲۵۰۰	۶۰۵۷۷۰۰
فوجی خدمات	۲۶۵۶۶۷۵۷	۳۰۲۸۴۷۰۰	۳۰۵۳۲۷۰۰
مجموعی میزان شاہی و صوبہ واری	۸۸۱۷۴۹۵۸	۱۰۲۳۷۵۰۰۰	۱۰۶۴۷۷۴۰۰
جمع صوبوں کی بچتیاں یعنی جو رقوم وہ خرچ نہ کرسکے	۲۳۹۷۳۰۲	۲۰۶۸۹۰۰	۵۷۲۶۰۰
تفریق صوبوں کی کمیاں یعنی صوبوں کے وہ اخراجات جو فاضلات سے ادا ہوئے۔		۲۳۱۲۰۰	۴۴۱۲۰۰

	۹۰۵۷۲۲۶۰	۱۰۴۲۱۲۷۰۰	۱۰۶۶۰۸۸۰۰
بیشی ——	۷۴۷۸۱۷۰	۵۷۱۱۶۰۰	۲۵۸۱۵۰۰
میزان کل	۹۸۰۵۰۴۳۰	۱۰۹۹۲۴۳۰۰	۱۰۹۱۹۰۳۰۰

(۱) قرضہ- ہندوستان کے معاملات کا انتظام کمپنی کے ہاتھوں سے نکلکر تاج برطانیہ کے تفویض میں آیا تو حکومت ہند نے کمپنی کا قرضہ بھی جسکی مقدار ایک کرور سات ارب تھی اپنے ذمہ لے لیا اور چند در چند وجوہات سے قرضہ میں اضافہ ہوتا رہا حتیٰ کہ ۱۹۱۴ء میں اس کی مقدار بڑھکر چار ارب گیارہ کرور روپیہ ہوگئی - اس اضافہ کا خاص باعث یہ ہے کہ ریلیں اور نہریں نکالنے کے واسطے کچھ قرض لیا گیا- اگرچہ سرکار نے کاموں کے واسطے گزشتہ چند سالوں میں بہت قرض لیا ہے -لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ معمولی اور غیر پیدآور قرضہ کا بہت بڑا حصہ ادا کرتی رہی ہے- جو روپیہ کہ معمولی قرضہ کی ادائی میں کام آسکتا تھا وہ تعمیرات میں لگتا رہا- اور ایسی رقمیں معمولی قرضہ سے منہا ہو ہوکر تعمیرات کے قرضہ میں شامل ہوتی رہیں -

نتیجہ یہ کہ ۱۹۱۴ء میں منجملہ کل ۴ ارب ۱۱ کرور قرضہ کے صرف ۱۹ کرور معمولی یا غیر پیدآور قرضہ تھا اس کا سالانہ سود صرف ایک کرور تھا اور بقیہ پیدآور قرضہ کا سود ۱۳ کرور گویا ہندوستان کے مطالبات سود کل ۱۴ کرور تھے ان کے مقابل ریلوے اور آبپاشی سے جس میں سرکاری قرضہ کا روپیہ لگا ہوا ہے اسی سال تقریباً ۲۳ کرور روپیہ منافع ملا- اس طرح کل قرضہ کا سود ادا ہونے پر ملک کو ۹ کرور خالص منافع ملا -

ہندوستان کی امداد جنگ اور قرضہ جنگ

پس معلوم ہوا کہ ہندوستان کا مالیہ بہت مستحکم حالت میں تھا- حتیٰ کہ ۱۹۱۷ء میں ملک کی طرف سے سرکار ہند نے اخراجات جنگ کے واسطے دس کرور پونڈ کا ایک خاص نذرانہ سرکار برطانیہ کو پیش کیا- اس طرح ہندوستان کے سرکاری قرضہ کی مقدار ۱۹۱۸ء میں پانچ ارب ۸ ۵ کرور روپیہ تک پہنچ گئی - جس میں سے ایک ارب ۴۳ کرور غیر پیدآور تھا- ہندوستان میں روپیہ لگانے والوں نے ۱۹۱۷ء اور ۱۹۱۸ء کے جنگی قرضوں میں خوب دل کھول کر روپیہ لگایا اور کل تقریباً ۷ کرور تیس لاکھ پونڈ کی رقم دونوں قرضوں سے وصول ہوئی - ۱۹۱۷ء کے قرضہ میں روپیہ لگانے والوں کی

تعداد نقد رقمیں خریدنے والوں کے علاوہ ۱۰۳۵۵۱ تھی اور ۱۹۱۸ء کے قرضہ میں تعداد ۲۲۷۷۰۶ تک پہنچ گئی۔ نتیجہ بہت قابل اطمینان نکلا۔ لوگوں میں روپیہ لگانے کا شوق پیدا ہو گیا۔ جو خود انکے اور انکے ملک کے حق میں بہت مفید ہے۔

امداد قحط اور بیمہ

۱۸۷۸ء میں سرکار ہند اس نتیجہ پر پہنچی کہ قحط کے زمانہ میں جو زائد مصارف کا بار پڑتا ہے اور ساتھ ہی محاصل میں تخفیف ہو جاتی ہے اس کے واسطے بیمہ کی کوئی شکل نکالنا ضرور ہے۔ پس یہ قرار پایا کہ حتی الوسع ہر سال محاصل میں سے اس غرض کے لئے دس لاکھ پونڈ پس انداز ہوتے رہیں۔ یہ رقم یا تو قرض کی ادائی میں کام آتی ہے۔ یا تعمیرات میں لگتی ہے جسکے واسطے بصورت دیگر قرض لینے کی ضرورت پڑتی۔ اس طرح قحط اور مصیبت کے وقت کا کچھ انتظام ہو گیا۔ ۱۹۱۹ء کے قانون میں امداد قحط کو صوبوں کی حکومتوں کے ذمہ ڈالدیا ہے۔ مثلاً بمبئی کی حکومت کو ہر سال ۶۳ لاکھ ۹۰ ہزار کی رقم قحط کی امداد اور بیمہ کے اخراجات کے واسطے مہیا کرنی پڑتی ہے۔

مطالبات وطن یعنی انگلستان کے مطالبات

محاصل کا کچھ حصہ انگلستان میں بھی صرف ہوتا ہے ان اخراجات کو مطالبات وطن سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان مطالبات کی ادائی کا طریقہ یہ ہے۔ ہندوستان کی برآمد یہاں کی درآمد سے بہت بڑھی رہتی ہے اس زائد مقدار کی قیمت دوسرے ملک ہندوستان کو ادا کرتے ہیں اور وہ اس طرح پر کہ سرکار ہند کے نام وزیر ہند کی ہنڈیاں خرید لیتے ہیں۔ یہ ہنڈیاں یہاں کے سرکاری خزانہ میں سکاری جاتی ہیں۔ اول تو ہندوستان کی طرف سے مندرجہ بالا مطالبات انگلستان کو ادا ہو جاتے ہیں اور یورپ کے تاجروں پر زائد برآمد کی بابت ہندوستان کا جس قدر دین ہوتا ہے وہ بھی ہندوستان کو وصول ہو جاتا ہے کبھی توازن موافق میں ہندوستان کا لین مطالبات وطن سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ تب وزیر ہند مطالبات کی مقدار سے بھی زیادہ ہنڈیاں چلاتا ہے اور زائد ہنڈیوں کی قیمت یا ذخیرہ زر میں داخل ہو جاتی ہے یا آئندہ مطالبات کی ادائی کے واسطے جمع رہتی ہے۔ اور دونوں صورتوں میں فائدہ ہندوستان ہی کا ہے۔

گیارھواں باب

مالگذاری

مالگزاری کی سرگزشت

قدیم زمانہ سے ہندوستان میں یہ دستور چلا آتا ہے کہ محاصل کا بڑا حصہ زمین سے وصول کیا جاتا ہے منوجی کے شاستر سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی پیداوار کا ایک معین حصہ سلطنت کا حق شمار ہوتا تھا مثلاً کل پیداوار کا ایک تہائی یا چوتھائی حصہ پہلے مالگزاری میں صرف غلہ وصول کیا جاتا تھا۔ اس طریق میں یہ تو بڑی خوبی تھی کہ فصل کی حالت کے مطابق سرکار اور کاشتکار کو اپنا اپنا حصہ مل جاتا تھا لیکن ساتھ ہی کئی دقتیں بھی لگی ہوئی تھیں۔ مثلاً غلہ فراہم کرنا اس کے واسطے بڑا عملہ رکھنا اور پھر بھی خورد برد ہو جانا شاہان مغلیہ کے عہد میں لگان کا طریق باقاعدہ بن گیا۔ اکبر اور اس کے ہندو وزیر راجہ ٹوڈرمل نے ایک ایسی زبردست حکومت قائم کرنے کی کوشش کی کہ ملک کے تمام حصوں میں اس کے اختیارات نافذ ہوں اور اس غرض سے ایک موثر مالی انتظام کی بنا ڈالی کیونکہ تمام حکومتوں کو اسی کی سب سے زیادہ ضرورت رہتی ہے اول تو لگان میں پیداوار کے بجائے نقد رقم وصول ہونے لگی۔ دوسرے بندوبست کی رو سے یہ قرار پایا کہ اتنی مدت تک اس قدر معین رقم بطور لگان کے ہر سال ادا کرنی ہوگی۔ چنانچہ گزشتہ دس سال کے نرخوں کا حساب لگا کر حکومت کا واجبی حق اوسط پیداوار کا ایک ثلث قرار دیا گیا۔ جب مسلمانوں کی سلطنت کو زوال ہوا تو مالگزاری کی حالت بھی ابتر ہوئی۔ تحصیل کا ٹھیکہ دینے کا بُرا طریق عام طور پہ رائج ہو گیا۔ مالگزاری کے ٹھیکہ دار یا تو ہندو سرگروہ ہوتے تھے جن کی دلجوئی مسلمان حکمرانوں کو مقصود تھی یا ایسے لوگ جو اپنے رتبہ یا سابق خدمات کی وجہ سے سلطنت پر کوئی نہ کوئی حق رکھتے تھے بنگال میں تو وہ زمیندار کہلاتے تھے اور اودھ و گجرات میں ان کو تعلقہ دار کہتے تھے جوں جوں زمانہ گزرتا گیا زمیندار خود رائے ہوتے گئے جس قدر چاہا کاشتکاروں سے لگان طلب

باب ۱۱

کیا اور جس قدر ہوسکا وصول کرلیا رہی مالگزاری سو جتنی سرکار سے طے ہوئی تھی خزانے میں داخل کردی باقی رقم خود رکھ لی۔

الفنسٹن صاحب کا بیان

پیشوا کے مقبوضات احاطہ بمبئی میں ضم ہونے سے قبل مرہٹے جس قدر مالگزاری تحصیل کرتے تھے الفنسٹن صاحب نے اس کا حال اپنی سرکاری تحریرات میں صاف بیان کیا ہے۔ اس زمانہ میں مالگزاری کے بڑے عہدہ دار معاملتدار ہوتے تھے جن کے تحت میں ایک ایک ضلع رہتا تھا کچھ لوگ جو طرفدار کہلاتے تھے اُن کی ماتحتی میں تھوڑے تھوڑے دیہات کا انتظام کرتے تھے اور کہیں کہیں ان سے بھی اعلیٰ عہدہ دار مامور ہوتے تھے جن کو درکدار کہتے تھے یہ معاملتداروں کے کام کی نگرانی رکھتے تھے اور اُن کی بداعمالیاں روکتے تھے۔ مالگزاری کے ادنیٰ عہدہ دار دیہات کے پٹیلوں سے معاملہ رکھتے تھے اور وہ بطور خود رعیت سے مالگزاری مقرر کرلیتے تھے زمانہ گزرتا گیا اور بیجا مطالبات کا اضافہ ہوا کیا۔ معاملتدار کا عہدہ نیلام ہونے لگا۔ جو سب سے زیادہ بولی بولتا اس کو مل جاتا اور وہ پھر بطور خود شرح مالگزاری بڑھا کر ضلع کسی ذیلی کو ٹھیکہ پر اُٹھا دیتا پس تحصیل مالگزاری میں جو لوگ بھی شریک تھے معاملتدار سے لیکر پٹیل تک سب نے ایک جتھا بنا لیا تھا کہ جہاں تک ہوسکے بدنصیب رعیت سے زیادہ مالگزاری وصول کیجائے اور کوئی ان کی مزاحمت کرنے والا نہ تھا۔

طریق مالگزاری کے اختلافات

جوں جوں صوبے برطانوی حکومت میں آتے گئے تحصیل مالگزاری کا طریق ہر صوبے کی خاص ضروریات کے لحاظ سے جُدا جُدا مقرر ہوتا رہا یہی وجہ ہے کہ برطانوی ہندوستان میں جا بجا تحصیل لگان کے مختلف طریق رائج ہیں جن کے سمجھنے میں خواہ مخواہ دقت اور پیچیدگی محسوس ہوتی ہے مزید براں سرکار کا صرف یہی کام نہیں کہ بندوبست کیا اور مالگزاری تحصیل کرلی بلکہ اور انتظام بھی اس کے سپرد ہے۔ مثلاً جن لوگوں کا اراضی سے تعلق ہے خواہ مالگزاری ان سے قرار نہ پائی ہو سب کے حقوق باقاعدہ رجسٹر میں درج کئے جاتے ہیں پس بندوبست و مالگزاری کے تحت میں سرکار کو بہت دشوار کام انجام دینے پڑتے ہیں شروع شروع میں بیشک بہت غلطیاں سرزد ہوئیں اور کبھی کبھی واجبی سے زیادہ مالگزاری وصول کی گئی۔ دکن میں یہ حالت خاص طور پر پیش آئی اور اصلی خرابی کا خاص باعث یہی ہوا کہ مسلسل طور پر فصلیں تباہ ہوتی رہیں

انگریز حکام نے جن میں سے بہتوں کا نام بھی فراموش ہوگیا بتدریج ایک ایسا طریق نکال لیا کہ جو مکمل نہ سہی لیکن پہلے طریقوں سے بہتر ہے

محکمہ کا انتظام

جسقدر معاملات زمین سے متعلق ہیں ان سب کی عام نگرانی سرکار ہند کے محکمہ مالگزاری وزراعت کے سپرد ہے یہ محکمہ جداگانہ طور پر ۱۸۷۱ء میں جاری ہوا اس محکمہ کا افسر اعلےٰ گورنر جنرل کی انتظامی مجلس میں شریک رہتا ہے مالگزاری کا انتظام بیشتر مقامی حکومتوں کے ہاتھ میں ہے اور مختلف صوبوں میں مختلف ہے مدراس میں چونکہ قسمت وار کمشنر نہیں رہتے اس لئے ایک مالگزاری بورڈ مقرر ہے جس میں چار ممبر شریک ہیں۔ ان میں سے دو تو مالگزاری کے معاملات طے کرتے ہیں تیسرا بندوبست اور اراضیات کے سیاہوں کی دیکھ بھال رکھتا ہے اور چوتھا مالگزاری کے دوسرے شعبوں کی نگرانی کرتا ہے مثلاً محصول نمک جنگی و آبکاری بعض دیگر صوبوں میں جہاں قسمت وار کمشنر موجود ہیں مجلس مالگزاری کے صرف دو ممبر ہوتے ہیں۔ صوبہ متوسط اور برما میں بورڈ کا کل کام ایک ایک کمشنر مال انجام دیتا ہے بمبئی کا طریق اس سے بھی مختلف ہے وہاں صرف قسمت وار کمشنر ہیں نہ کوئی بورڈ ہے اور نہ کمشنر مال۔ انتظام مالگزاری اضلاع میں منقسم ہے۔ آئینی صوبوں میں ہر ضلع کا اعلیٰ حاکم کلکٹر کہلاتا ہے اور غیر آئینی صوبوں میں ڈپٹی کمشنر۔ یہ بھی مالگزاری کا خاص حاکم شمار ہوتا ہے اور بتوسط کمشنر مقامی حکومت کا کام انجام دیتا ہے۔ اس کی ماتحتی میں اسسٹنٹ اور ڈپٹی کلکٹر رہتے ہیں۔ اکثر صوبوں میں ہر ضلع کئی حصوں میں منقسم ہوتا ہے جنکو تحصیل یا تعلقہ کہتے ہیں ہر حصے کے اعلےٰ حاکم کو تحصیلدار کہتے ہیں۔ لیکن بمبئی میں وہ معاملتدار اور سندھ میں مختار کار کہلاتا ہے۔ ان حاکموں کے دفتر میں محاسبوں اور انسپکٹروں کا عملہ رہتا ہے جن کا یہی کام ہے کہ دیہات کے سرکاری ملازموں کے نگران رہیں اور مالگزاری کے حسابات اور سیاہوں کو درست رکھیں۔ جیساکہ آگے چل کر بیان ہوگا۔ گانوں بھی کئی وضع کے ہیں لیکن ان سب میں ایک سرکاری مقدم رہتا ہے جو کسی نہ کسی صورت سے تحصیل مالگزاری کا ذمہ دار ہے۔ دیہاتی محاسب کو جو شمالی ہند میں پٹواری اور جنوبی ہند میں کلکرنی تلاٹی یا کرنام کہلاتا ہے بہت اہم عہدہ دار سمجھنا چاہیئے کیونکہ اسی پر مالگزاری کے تمام سابق اور حال کے انتظام کا دارومدار ہے متعدد

باب

کام اس کے سپرد ہیں۔ گانؤں کے حسابات مرتب کرنا نقشے اور سیاہے تیار کرنا، مزروعہ فصلوں کے تختے بنانا، اور حد بندی کے نشانات برقرار رکھنا تاکہ کوئی ان کو اڑا اور مٹا نہ سکے ہر سال جمعبندی تیار کرنی اور ہر گانؤں کی واجب الادا مالگزاری کا حساب بنانا۔

حقیقت اراضی زمینداری اور رعیت داری

مالگزاری کے بندوبست اور تحصیل کا طریق بیان کرنے سے قبل یہ واضح کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں حقیقت اراضی کی کیا کیا صورتیں موجود ہیں اس سے قبل بیان ہوچکا ہے کہ اٹھارھویں صدی کے ختم پر مالگزاری کی تحصیل ٹھیکہ داروں کے سپرد تھی۔ بعض مقامات مثلاً بنگال میں یہ لوگ زمین کے مالک بن بیٹھے اور قانون بھی ان کو مالک تسلیم کرنے لگا دیگر مقامات مثلاً بمبئی اور جنوبی ہندوستان میں بیشتر یہ لوگ باقی نہیں رہے یا کچھ باقی ہیں بھی تو صرف چند فرائض ان کے ذمے رہ گئے ہیں۔ سر جان اسٹریچی لکھتے ہیں کہ صوبۂ بمبئی و مدراس میں بیشتر اراضی خود کاشتکاروں کی ملک ہے اور سرکار ہر ایک سے جدا جدا مالگزاری مقرر کرتی ہے اس طریق ملک کو رعیت داری کہتے ہیں صاحب موصوف سنہ ۱۸۸۰ء کے قحط کمشنروں کی رپورٹ کا مندرجۂ ذیل اقتباس پیش کرتے ہیں "جنوبی ہند میں طریقۂ مالگزاری نہایت سادہ ہے اور رعیت کی ملک زمینداروں کی مداخلت سے محفوظ ہے اس کو زمین پر مالکانہ حقوق حاصل ہیں البتہ سرکار کو مالگزاری ادا کرنی پڑتی ہے جس کی مقدار تیس سال کے واسطے معین کردی جاتی ہے۔ اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ چاہے تو فصلی سال کے آخر میں کل اراضی یا کسی خاص کھیت سے دست بردار ہوجائے زمین کو وہ جس قدر اپنی کوشش سے ترقی دے۔ اس کی بنا پر بندوبست کے وقت مالگزاری میں کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا وہ چاہے تو اپنی زمین فروخت کرے، لگان پر اٹھا دے۔ سرکار سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں اور مالک کی وفات کے بعد قانون وراثت کے بموجب زمین اس کے وارثوں کو مل جاتی ہے" شمالی ہندوستان میں ملک اراضی کا جو طریق رائج ہے وہ کسی قدر مختلف ہے اس کو زمینداری کہتے ہیں۔ وہاں پورے پورے دیہات کا یکجائی بندوبست ہوتا ہے۔ اور سرکار مالکان اراضی سے معاملہ کرتی ہے جن کو بالعموم زمیندار اور خاص

باب ۱۱

اودھ میں تعلقدار کہتے ہیں یہ لوگ کاشتکاروں سے لگان وصول کرکے کچھ حصہ تو سرکار کو بطور مالگزاری دیتے ہیں اور باقی خود رکھ لیتے ہیں بعض حصوں میں مثلاً صوبۂ آگرہ کے مغرب اور پنجاب میں ایک ایک گاؤں میں بہت سے چھوٹے چھوٹے حصہ دار ہوتے ہیں اور وہ سب ایک دیہاتی جماعت بنا کر رہتے ہیں ایسی حالت میں کل جماعت اور نیز لوگ فرداً فرداً مالگزاری کے ذمہ دار سمجھے جاتے ہیں اور بحیثیت مجموعی کل جماعت زمیندار شمار ہوتی ہے۔ قحط کمشنر اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ ایسی جماعت کا کوئی نہ کوئی منتخب شدہ یا موروثی سرگروہ ہوتا ہے اور کل جماعت پورے گاؤں کی مالگزاری ادا کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے کہیں کہیں ملک مشترک ہوتی ہے۔ آمدنی یکجا رہتی ہے اور حسب دستور جماعت میں تقسیم ہو جاتی ہے کہیں ہر ایک کی ملک جدا جدا رہتی ہے ہر ایک اپنی اراضی کی مالگزاری ادا کرتا ہے اور منافع اپنی گرہ میں باندھتا ہے۔ مشترک ذمہ داری عائد کرنے کا رواج روز بروز ترک ہو رہا ہے اور عملی لحاظ سے شمالی ہندوستان کی چھوٹی چھوٹی ملکوں اور جنوب کی رعیتواری میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

بیڈن پاول صاحب اور حقیت اراضی

بیڈن پاول صاحب جو کہ ہندوستانی طریق حقیت اراضی کے معاملات میں بڑے مستند مانے جاتے ہیں ہر دو قسم کے دیہات کی نہایت صاف صاف اور مختصر تعریف یوں بیان کرتے ہیں رعیت واری دیہات میں لوگ فرداً فرداً اپنے کنبے کی مدد سے زمینیں کاشت کرتے ہیں۔ سب کے کھیت جدا جدا ہوتے ہیں اور کاشتکار گاؤں کے کل رقبۂ مشترک کے حصہ دار شمار نہیں ہوتے لیکن گاؤں کے ذی اقتدار مقدم اور دیگر عہدہ داروں کے اثر سے وہ سب باہم مل جل کر رہتے ہیں کچھ دستکار اور ادنیٰ خدمتگار ہوتے ہیں جن کو حسب رواج کچھ حق الخدمت ملتا ہے کبھی کبھی اس سلسلے میں ان کو موروثی زمین بھی ملجاتی ہے زمینداری گاؤں کی عام خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہاں کوئی شخص یا خاندان باقی کاشتکاروں سے ممتاز شمار ہوتا ہے بلکہ وہی کل گاؤں کی زمین کا مالک مانا جاتا ہے۔

دوامی بندوبست

زمینداری اور رعیت واری ہر دو قسم کی اراضیات کا بندوبست مالگزاری غور کرنے کے قابل ہے زمینداری گاؤں کی اراضیات ایک فرد کے بجائے ایک جماعت

کی ملک ہوسکتی ہیں۔ ایک اور فرق بھی قابل لحاظ ہے۔ بعض بندوبست دوامی اور بعض میعادی ہیں اول قسم کا بندوبست بنگال میں اور صوبۂ متحدہ اور مدراس کے بعض حصوں میں رائج ہے۔ ۱۷۹۳ء میں لارڈ کارن والس نے بنگال میں دوامی بندوبست جاری کیا۔ زمیندار جو دراصل تحصیل مالگزاری کے ٹھیکہ دار تھے مالک زمین تسلیم کر لئے گئے اور جس قدر لگان وہ تحصیل کرتے تھے اس میں سے نوے فی صدی سرکاری مالگزاری قرار پایا چند اہل الرائے کا خیال ہے کہ دوامی بندوبست کے بہت عمدہ نتائج نکلے کیونکہ اضافۂ مالگزاری کا خوف نہ ہونے کی وجہ سے زمینداروں نے پورے شوق اور کوشش سے اپنی اراضیات کو ترقی دی۔ ساتھ ہی اس طریق میں چند بڑے نقص بھی نظر آتے ہیں۔ بندوبست کے وقت کاشتکاروں کے حقوق اور مفاد محفوظ رکھنے کی کوشش تو کی گئی تھی مگر چونکہ اس زمانے میں اراضیات کی پیمائش وغیرہ بہت دشوار تھی لہذا اس کا اہتمام نہ ہوسکا دولت و آبادی بڑھنے کی وجہ سے زمین کی مانگ میں بھی بہت اضافہ ہوگیا جو لوگ اس کے خواستگار ہیں ان میں باہم برابر کشمکش رہتی ہے بنگال میں تو یہ نوبت ہے کہ بندوبست کے زمانے کے مقابلے میں آجکل لگان چالیس گنا بڑھ گیا ہے اس انقلاب کے بہت سے اسباب ہیں۔ کاشتکار کی محنت، ریلوں کا اجرا، آبادی کا اضافہ، سرکار کی امداد اور اکثر زمینداروں کی طرف سے کھیتوں کی اصلاح و ترقی، لیکن کل منافع زمیندار کی جیب میں چلا جاتا ہے۔ کاشتکار کو جب تک قانون لگان سے مدد نہ ملے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور سرکار کو بھی دوسرے صوبوں کے مقابل بنگال سے بہت کم مالگزاری وصول ہوتی ہے۔ اودھ کے تعلقداروں کا حال اس سے بھی جداگانہ ہے ۱۸۵۶ء میں جب اودھ انگریزی علاقہ میں شامل ہوا تو ان لوگوں کے ساتھ کچھ انصاف نہیں برتا گیا اور اس بنا پر دوسرے ہی سال ان میں بغاوت پھیل گئی۔ لارڈ کیننگ کو امن قائم ہونے کے بعد سے یہ فکر لگی ہوئی تھی کہ زمینداروں کے طبقے سرکار کے حامی اور طرفدار بن جائیں۔ چنانچہ اسی خیال سے تعلقداروں کو ان کی ریاستیں اور حقوق واپس دے دیئے گئے لیکن یہاں جو بندوبست ہوا وہ بنگال کے بندوبست سے مختلف تھا۔ مالگزاری میں وقتاً فوقتاً کمی بیشی ہوسکتی ہے

زمین کی باقاعدہ پیمائش ہو چکی ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ زمین میں جن جن لوگوں کے حقوق ہیں اُن سب کی یادداشت موجود ہے۔

اب بندوبست کا دوسرا طریق دیکھنا چاہیئے وہ یہ کہ کسی ایک زمیندار کے بجائے بہت سے حصہ دار زمین کے مالک ہوتے ہیں اور سب مالگزاری ادا کرنے کے ذمہ دار سمجھے جاتے ہیں صوبۂ آگرہ اور پنجاب میں مالک زمین کا یہ طریق زیادہ رائج ہے۔ بنگال کے مقابل وہاں بہت زیادہ احتیاط برتی گئی اور اول اول ہر چند سال کے بعد بندوبست کی تجدید ہوتی تھی اس طرح سے طریق مالگزاری پر مزید غور کرنے کا موقع ملا اور بالآخر ثابت ہوا کہ زمین کی پیمائش نہایت ضروری ہے اور دوامی بندوبست بہت خلاف مصلحت ہے۔ چنانچہ اب یہ حال ہے کہ اکثر جگہ ہر تیس سال بعد بندوبست بدلتا ہے۔ جدید بندوبست سے قبل مالگزاری میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا اور جب خود مالک اپنی زمین کو کسی قسم کی ترقی دے تو خاص اسکی بنا پر ہمیشہ یا عرصۂ دراز تک مالگزاری میں اضافہ نہیں کیا جاتا۔

رعیت واری طریق مدراس اور بمبئی کے احاطوں میں خاص طور پر رائج ہے۔ مدراس کے گورنر مقرر ہونے سے چند سال قبل خود ٹامس منرو صاحب نے وہاں کی مالگزاری کا بندوبست کیا وہاں طریق یہ ہے کہ مالگزاری ہر ایک زمین کی تخمینی خالص پیداوار کی ایک مقررہ نسبت سے وصول ہوتی ہے مثلاً تہائی یا چوتھائی حصہ۔ رعیت واری علاقوں میں ہر ایک کھیت کی باقاعدہ اور مکمل پیمائش لازمی ہے احاطۂ بمبئی میں البتہ ایک عجیب طریق رائج ہے بندوبست کے سلسلہ میں مسٹر گولڈاسمتھ اور لفٹنٹ ونگیٹ نے ۱۸۳۵ء میں جو پیمائش شروع کی اسکی تکمیل کہیں ۱۹۰۱ء تک ہو سکی زمین کی قسمیں پیداوار کے حساب سے قرار نہیں پائیں بلکہ مٹی کی قسم اور اس کی تہ کی موٹائی کے حساب سے زمین کی زرخیزی بنظر سہولت روپیہ کے اجزا کی اصطلاح میں بیان کی جاتی ہے۔ مثلاً اعلیٰ درجہ کے کھیت کی زرخیزی سولہ آنے شمار ہوتی رہی ہے۔ پھر جوں جوں کھیتوں میں نقص بڑھیں مثلاً سطح ڈھلوان یا ناہموار ہو۔ جو پانی ضرورت سے زیادہ ہو یا مٹی خراب یا زمین کی تہ پتلی ہو اُتنے ہی آنے بھی گھٹتے جاتے ہیں بعض کھیتوں کی

باب ۱۱

زرخیزی بارہ آنے قرار پاتی ہے اور بعض کی آٹھ اور بعض کی صرف چھ آنے۔

لارڈ کرزن کی اصلاحات

لارڈ کرزن کے عہد میں سرکار ہند نے صوبہ واری حکومتوں کی مدد سے ہندوستان کے طریق مالگزاری کی مفصل اور شرح تحقیقات کی۔ اعلیٰ حکام بندوبست کی میعاد بڑھانے کے تو موافق تھے لیکن دوامی بندوبست کے اساسی اصول کے سخت خلاف تھے ان کی رائے میں بنگال کا سا دوامی بندوبست قحط کا ہرگز مانع نہ تھا اور سرکار کا یہ بھی فرض تھا کہ اس صوبے میں کاشتکاروں کو زمینداروں کی سخت گیری سے بچائے۔ شرح مالگزاری پر بھی غور کیا گیا اور ثابت ہوا کہ مفلسی اور قرضداری کا عام باعث مالگزاری کی زیادتی نہیں ہے۔ یہ بھی جتا دیا گیا کہ طریق مالگزاری کی سختی سے پابندی کرنی ضرور نہیں۔ لگان یا پیداوار کا وہی حصہ جس سے کہیں بہت منافع یا ماحصل زائد بچ رہتا ہے۔ دوسری جگہ وبال بن جاتا ہے ہندوستان کے اکثر حصوں میں مالگزاری خالص لگان کا نصف رہتی ہے اور بحساب مجموعی پیداوار اس کا تخمینہ ۵۔ اور ۱۰ فیصدی کے درمیان نظر آتا ہے رعیت واری علاقوں میں مالگزاری مجموعی پیداوار کے دس فی صدی سے کچھ کم ہی رہتی ہے۔

مذکورۂ بالا تحقیقات کا صرف یہی نتیجہ نہیں نکلا کہ انگریزی حکومت کے طریق مالگزاری کا مفصل حال ضبط تحریر میں آگیا بلکہ اس کی بدولت بعض اصلاحات بھی عمل میں آئیں۔ بندوبست کی کارروائی بہت سہل کر دی گئی تاکہ لوگوں کو دقت محسوس نہ ہو۔ پہلے طریق مالگزاری سخت تھا اس میں بھی نرمی ہونے لگی ہے تجربے سے ثابت ہوا کہ اضافہ مالگزاری کا بار کبھی ادا کنندوں کو بہت گراں گزرتا ہے۔ پس جب زیادہ اضافہ کرنا مقصود ہوتا ہے تو بتدریج کیا جاتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ متوسط درجہ کی فصل کی پیداوار کے حساب سے مالگزاری مقرر ہوتی ہے اور جب فصل خراب ہو جاتی ہے تو مالگزاری ادا کرنی مشکل ہوتی ہے۔ اور یہ توقع عبث ہے کہ عمدہ فصلوں کے زمانے میں لوگ اس غرض سے کچھ پس انداز کر رکھیں گے کہ قحط سالی میں مالگزاری دیں پس مالگزاری ملتوی اور معاف کرنے کے طریق نکالے گئے تاکہ برے وقت میں رعایا زیربار نہو۔

قحط یا مرض یا کسی اور وجہ سے اگر کوئی تباہ حال ہو جائے تو اس کی مالگزاری معاف یا اس میں مناسب تخفیف ہو سکتی ہے۔

ہندوستان کا موجودہ طریق مالگزاری سالہا سال کے تجربے اور تحقیقات کا نتیجہ ہے تعین رقم اور طریقۂ تحصیل ہر دو لحاظ سے اس کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر مقام کے مناسب حال ہے صوبے صوبے کا طریق جدا ہے۔ مالگزاری کے معاملے میں سرکار کی جو پالسی ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ سرکار اپنے عہدہ داروں کی ہدایت کے واسطے چند عام اور فیاضانہ اصول مقرر کر دیتی ہے جن میں ہر صوبے کی قدیم روایات اور مقامی حالات کا خاص لحاظ رکھا ہے۔ اور نیز تاکید کر دیتی ہے کہ اضافۂ مالگزاری میں اعتدال کا اور تحصیل لگان میں نرمی و ہمدردی کا خیال رکھا جائے۔

بارھواں باب

تعلیم

تعلیم کے دور

انگریزی عہد میں ہندوستان میں جو تعلیم پھیلی اس کے چار دور حسب ذیل قرار پا سکتے ہیں۔

(۱) سنہ ۱۷۸۲ء–۱۸۱۸ء ابتدائی دور

(۲) سنہ ۱۸۱۸ء–۱۸۵۴ء اس دور میں تعلیم کی بنا پڑی اور نہایت اہم تعلیمی معاملات طے ہوئے۔

(۳) سنہ ۱۸۵۴ء–۱۹۰۱ء تعلیم بہت سرعت سے پھیلی۔

(۴) سنہ ۱۹۰۱ء سے آج تک چھان بین اور ترمیمات ہو رہی ہیں۔

انگلستان اور ہندوستان کی تاریخ میں بہت قریب کا تعلق ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جو واقعات انگلستان میں ظہور پذیر ہوئے انھوں نے ہندوستان میں کیا عمل کیا اور اس کی پالیسی پر کیا اثر ڈالا۔

سنہ ۱۷۸۲ء–۱۸۱۸ء جنگ کا زمانہ

دونوں ملکوں میں یہ زمانہ جنگ کی نذر ہوا انگلستان کو اول تو آزادی امریکہ کی جنگ پیش آئی اس کے بعد وہ فرانس کے انقلاب اور نپولین کی جنگ میں مبتلا ہو گیا اصلاحات ملتوی رہیں اور وزیر اعظم پٹ کو امن، کفایت شعاری، اور اصلاح، ان تینوں منصوبوں سے دست بردار ہونا پڑا حالانکہ اس کو ان کا از حد خیال تھا چنانچہ کہتے ہیں کہ یہی منصوبے اس کی سیاسی زندگی کے شروع میں چراغ ہدایت بنے رہے اور آخر عمر میں محض چھلاوہ ثابت ہوئے یعنی باوجود مرکوز خاطر ہونے کے وہ ان کی تکمیل نہ کر سکا یہ وہی زمانہ ہے جبکہ ہندوستان میں بعہد وارن ہسٹنگس مسلسل جنگ ہو رہی تھی۔ جنوبی ہندوستان میں کارن والس مہمات سر کر رہا تھا حتی کہ مرہٹوں کی طاقت اور اتحاد کا خاتمہ ہو گیا۔ سرکار انگریزی کو اگر جنگ سے فرصت ملتی بھی تھی تو وہ تمام تر کوشش اپنے اقتدار کے استحکام میں

صرف کرتی تھی اصلاح اور ترقی کے اصولوں پر توجہ کرنے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ انگریزوں کی طرف سے وارن ہسٹنگس نے سب سے پہلے مسلمانوں کے لئے ۱۷۸۲ء میں ایک مدرسہ بمقام کلکتہ قائم کیا اور ۱۷۹۲ء میں سنسکرت کالج ہندوؤں کے لئے بنارس میں جاری ہوا تو سرکار نے اس کو بھی امداد دی سرکار کی غرض یہی تھی کہ مشرقی زبانوں کی تعلیم کو ترقی ہو۔

چند سال بعد دو سبب ایسے پیدا ہو گئے کہ تعلیمی پالیسی میں خود تبدیلی ہونے لگی۔ اور مشرقی علوم کے بجائے مغربی علوم کا شوق ہر طرف پھیل گیا۔ ایک تو عیسائی مشنری ہندوستان پہنچے اور سب سے اول مدراس میں اسکول اور کالج کھولنے شروع کئے۔ دوسرے جب یہ معلوم ہوا کہ انگریزی زبان دانی کارآمد اور مفید ہے تو خود ہندوستانیوں میں انگریزی اور مغربی علوم کا شوق پیدا ہو گیا اس تحریک کے بانی راجہ رام موہن رائے تھے جو ہندوستان کے بہترین مصلحین تمدن شمار ہوتے ہیں۔ انھی کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ کلکتہ میں ہندو کالج قائم ہوا جو آجکل پریزیڈنسی کالج کہلاتا ہے۔

۱۸۱۵ء تا ۱۸۵۴ء اصلاحات کا زمانہ

۱۸۱۵ء سے ۱۸۵۴ء تک انگلستان میں امن اور اصلاح کا دور رہا نپولین کے معرکوں کا خاتمہ ہو چکا تھا اور ترقیات کا ہر طرف ظہور تھا۔ ہندوستان کی تاریخ میں بھی یہ دور درخشاں نظر آتا ہے۔ بنٹینگ۔ الفنسٹن۔ اور منرو صاحب کا زمانہ تھا بمبئی میں الفنسٹن صاحب تعلیم کے بڑے حامی رہے اور ان کے رخصت ہوتے وقت لوگوں نے چندہ کر کے ان کی یادگار میں دو پروفیسریاں قائم کیں اول اول تو بمبئی کے دارالبلد ٹون ہال میں لکچر ہوا کئے اور بالآخر ایک کالج قائم ہو گیا جو اب تک الفنسٹن صاحب کے نام سے موسوم ہے۔

لارڈ میکالے کی رپورٹ

۱۸۳۴ء میں لارڈ میکالے گورنر جنرل کی کونسل کے سب سے پہلے قانونی ممبر مقرر ہو کر ہندوستان پہنچے۔ اس زمانے میں دو خیال کے لوگ تھے اور ہر فریق اپنے خیال کا بڑا حامی تھا سوال یہ تھا کہ آیا سرکار السنۂ مشرقیہ کی تعلیم میں مدد دینے پر قناعت کرے یا اس کو چاہیئے کہ یہاں مغربی علوم اور تہذیب کو رواج دے ہندوستان میں سرکار کو جو پیچیدہ معاملات پیش آئے اُن میں یہ مسئلہ بھی شامل تھا اور اہمیت میں کسی سے کم نہ تھا۔ اس مسئلہ پر اُس وقت بہت سرگرمی سے بحث

ہو رہی تھی۔ مگر میکالے صاحب نے تھوڑے ہی عرصے میں رائے قائم کرکے ایک رپورٹ پیش کی جو اب تک مشہور ہے انھوں نے مغربی علوم کی اس شد و مد سے حمایت کی اور مشرقی زبانوں کا مضحکہ اڑایا کہ اس معاملے کا فیصلہ ہی کر دیا۔ مشرقی زبانوں کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ طلبہ کو ان کے مطالعہ سے اول تو وہی باتیں معلوم ہوں گی جو اب سے دو ہزار سال پہلے معلوم تھیں۔ دوسرے وہ نمائشی اور بے معنی موشگافیاں ان کے مطالعے میں آئیں گی جو لوگوں نے خیال دوڑا دوڑا کر پیدا کرلی ہیں اور جن کی تعلیم پہلے سے ہندوستان کے ہر حصے میں جاری ہے۔ سنسکرت کی تعلیم کا نتیجہ اس سے بڑھ کر کچھ نہیں نکل سکتا کہ ملک میں تاریکی پھیلی رہے۔ اگر سرکار کا منشا یہ ہے کہ ہندوستان کے لوگ ترقی کریں تو طریق تعلیم زیادہ وسیع ہونا چاہیے کہ اس میں ریاضیات، فلسفہ، کیمیا، طبیعیات، اور دیگر مفید علوم بھی داخل ہوں۔ مکالے صاحب فرماتے ہیں کہ آیا یہ جائز ہوگا کہ عوام کے خرچ سے وہ پرانے طبی اصول پڑھائے جائیں جن سے ایک انگریز سالوتری کو بھی عار ہوگا یا وہ علم ہیئت جس کے مسائل سن کر انگلستان کے کسی اسکول کی لڑکیاں تک قہقہہ لگائیں یا وہ تاریخ جس میں تیس تیس فٹ کے بلند قامت راجاؤں کا ذکر ہو۔ یا تیس تیس ہزار سال کے عہد حکومت کا بیان ہو۔ یا وہ جغرافیہ جس میں آب حیات اور دودھ کے سمندروں کا حال درج ہو۔

رپورٹ کی تنقید

اس میں شک نہیں کہ مکالے صاحب جس نتیجے پر پہنچے وہ بالکل درست ہے کچھ تو سیاسی مجبوریاں آپڑیں کچھ ذرائع آمد و رفت کی ترقی نے مشرق و مغرب کو ملا دیا۔ اور سب پر طرہ یہ کہ خود ہندوستانیوں کو مغربی خیالات کا شوق پیدا ہوگیا۔ غرضکہ بہت سے اسباب نے مندرجہ بالا رائے کی تائید کی اور کسی دوسری تعلیمی پالیسی کا نفاذ ناممکن ہوگیا۔ مکالے صاحب لکھتے ہیں کہ ہندوستانی لوگ جس تعلیم کے بھوکے ہیں وہ تعلیم تو ہم نے ان سے بچا رکھی ہے اور جس تعلیم سے ان کا دل بھر گیا ہے وہ زبردستی ان کے دماغ میں ٹھونسی جاتی ہے لیکن اصل رائے کے علاوہ مکالے صاحب نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں مشرقی علوم اور مصنفوں کا جو مضحکہ اڑایا ہے اور لے دے کی ہے وہ نہ صرف بیجا بلکہ انصاف پسندی

کے منافی ہے الفنسٹن صاحب کی رائے زیادہ مدبرانہ تھی اگر اس پر عمل ہوتا تو بہتر تھا۔ الفنسٹن صاحب لکھتے ہیں کہ میں کبھی یہ گوارا نہ کرتا کہ ہندوؤں کے ادب کا خالص جزو تعلیم سے خارج کر دیا جائے تعلیم کا یہ بالکل الٹا طریقہ ہے کہ کسی قوم کا اپنا ادب تو کس مپرسی کی حالت میں ہو اور دیگر علوم سے ان کے دماغ مالا مال کئے جائیں اور میرا قطعی خیال یہ ہے کہ آئندہ ہندوستانی لوگ تعلیم میں اس وقت ترقی کریں گے جبکہ جدید معلومات میں ان کے قدیم علوم کی چاشنی داخل ہوگی اور ان کے خاص اور اصلی خیالات و حسیات جدید تعلیم میں سرایت کر جائیں گے۔

بالآخر معاملۂ متنازعہ کا فیصلہ ہو گیا۔ جدید تعلیم کے مدرسے کھلنے لگے اور اس کا جو کچھ نتیجہ ہوا ظاہر ہے اسکولوں اور کالجوں میں بسرعت اضافہ ہوا۔ اور اسباب بھی کچھ ایسے جمع ہو گئے کہ میکالے صاحب ہی کی رائے کے موافق تعلیم پھیلنے لگی ۱۸۴۴ء میں لارڈ ہارڈنگ نے قواعد جاری کئے کہ سرکاری ملازمت میں وہی لوگ داخل کئے جائیں جو انگریزی تعلیم پا چکے ہیں دوسرے تمام سرکاری کاروبار کی زبان بھی انگریزی قرار پائی۔ اس وجہ سے ہندوستان میں انگریزی تعلیم کو اور بھی جلد ترقی ہوئی۔

۱۸۵۴ء کا مراسلہ ۱۸۵۴ء میں مجلس نگراں کے صدر سر چارلس وڈ نے لارڈ ڈلہاؤزی گورنر جنرل کو ایک مراسلہ لکھا جو اب تک مشہور ہے اور جس کی بنا پر ایک اور اہم فیصلہ قرار پایا۔ تعلیم کے دوسرے دور کا اسی مراسلہ پر خاتمہ ہوتا ہے۔ اب تک تعلیم اعلیٰ طبقوں تک محدود رہی امید یہ تھی کہ سر بر آوردہ لوگ اپنے طور پر عوام میں تعلیم پھیلائیں گے اسی طریق کو فیض علم سے تعبیر کرتے ہیں یعنی یہ کہ علم اعلیٰ طبقوں سے جاری ہو کر ادنیٰ طبقوں میں پہنچے اس مراسلہ میں عوام کی تعلیم سے بحث کی گئی تھی اور صاف لکھا تھا کہ تعلیم کے معاملہ میں سرکار پر کروڑہا جفاکش ہندوستانی رعایا کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے خود سرکار کی خواہش ہے کہ عوام کی جہالت دور کرے کیونکہ جہالت سے بڑھ کر ملک کے حق میں کوئی وبال نہیں اس غرض سے تعلیمات کا ایک محکمہ قائم کیا گیا اور عہدہ داروں کا ایک عملہ مقرر ہوا تاکہ ابتدائی اور ثانوی تعلیم کو ترقی دی جائے دیسی زبانوں کے بارہ میں میکالے صاحب کی جو پالیسی تھی اس کی

خرابیوں کی بھی اس مراسلہ میں اصلاح تجویز کردی گئی۔ کیونکہ قرار یہ پایا کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ مقامی زبان پر بھی خاص توجہ رہنی ضرور ہے اور جسقدر معمولی تعلیم اس زبان کے ذریعے سے ہوسکتی ہے دی جائے۔ یہی مراسلہ آگے چل کر ہندوستان کی یونیورسٹیوں کا سنگ بنیاد بن گیا۔

۱۸۵۷ء تا ۱۹۰۰ء توسیع سریع

تیسرے دور میں تعلیم بہ سرعت پھیلی اول اول تو ۱۸۵۷ء کی شورش اور دیگر ناموافق حالات کی وجہ سے کام بہت کم ہوا۔ ۱۸۶۲ء میں کلکتہ مدراس اور بمبئی کی تینوں یونیورسٹیوں میں مٹریکیولیشن کے کل ۴۲۹ ۷ امیدوار شریک تھے اور ۱۸۸۹ء میں ان کی تعداد ۱۴۸ ۱۹۱ ہوگئی۔ جدید تعلیم کی اس کامیابی پر ازحد خوشی منائی گئی چنانچہ سرہنٹر ہی ین لکھتے ہیں کہ کوئی ذرا اس بات کو آنکھوں سے دیکھے تو یقین آئے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کونسی بات زیادہ حیرت انگیز اور عجیب مانی جائے۔ آیا طلبہ کی جماعت جن کی تعداد اب نہیں تو چند سال بعد سیکڑوں کے بجائے ہزاروں کے حساب سے شمار ہوگی یا طلبہ کا ذوق وشوق جو وہ تعلیم میں دکھا رہے ہیں۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ قرون وسطی سے لیکر آجتک کسی یورپ کی یونیورسٹی کو یہ بات نصیب نہیں ہوئی۔ اور کلکتہ سے لیکر لاہور تک ہندوستانیوں کے اعلی طبقے شاید ہی انگریزی حکومت کی کسی بات میں اس قدر اظہار شوق کرتے ہوں جسقدر کہ یونیورسٹی کے امتحانات میں کرتے ہیں۔

۱۸۸۲ء میں زیر صدارت سر ولیم ہنٹر جو تعلیمی کمیشن مقرر ہوا اسنے مدارس کے واسطے سرکاری امداد کے طریق کو اور بڑھانے کی تائید کی۔ کمیشن نے اس مسلک کی سفارش کی کہ ایک حد تک اعلی تعلیم سرکار کی نگرانی سے نکال کر لوگوں کو اپنے طور پر کوشش کرنے کی ترغیب دینی چاہیئے۔ کہنے کو یہ فیصلہ درست تھا لیکن عمل کرنیکے لیئے غلط تھا۔ روپیہ بچانے کی مہلک خواہش میں سرکار نے یہ غلط خیال پھیلادیا کہ اسکول اور کالج ان ادنی فیسوں سے چل سکتے ہیں جن کے وصول ہونے کی ہندوستانی والدین سے توقع کی جاسکتی ہے۔ کچھ عرصہ میں ایک ناقابل عمل طریق دوہری نگرانی کا جاری ہوگیا جسکی رو سے یونیورسٹیاں جن کے پاس اپنا کوئی ذخیرہ نہ تھا۔ مدارس کے الحاق پر مامور کردی گئیں محکمہ تعلیمات کو موقع دیا

گیا کہ خانگی مدارس کی طرف سے آنکھ بند کرلے اور چند سرکار کے منظور نظر مدارس کی ترقی کو کافی سمجھے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اس طریق کی بدولت وہ وہ خرابیاں پیدا ہوگئیں جو بڑے تغیر و تبدل اور بیدریغ خرچ سے رفع ہوسکتی ہیں۔

لارڈ کرزن اور تعلیم

چوتھا آخری دور جبکہ اصلاح اور ترمیمات عمل میں آئیں ۱۹۰۱ء سے شروع ہوتا ہے۔ لارڈ کرزن وائسرائے تھے اور انھوں نے تمام تر کوشش تعلیمی اصلاحات پر صرف کی۔ ایک تعلیمی مشیر مقرر کیا گیا جو ڈائرکٹر جنرل یا صدر ناظم تعلیمات کہلاتا تھا اور اب اسکو کمشنر تعلیمات کہتے ہیں ایک تحقیقاتی کمیشن نے ہندوستان میں دورہ کیا اور ہندوستانی یونیورسٹیوں کی حالت اور ان کی ضروریات کے متعلق ایک نہایت قابل قدر رپورٹ تیار کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۹۰۴ء میں یونیورسٹی کا قانون پاس ہوگیا۔ ۱۹۱۱ء میں تعلیمی ضروریات اس قدر بڑھ گئیں کہ گورنر جنرل کی کونسل میں ایک ممبر تعلیم کا اضافہ کیا گیا۔

یونیورسٹیاں

۱۹۱۹ء میں چھ صوبوں کی یونیورسٹیاں بمقام کلکتہ۔ مدراس، بمبئی۔ الہ آباد لاہور اور پٹنہ قائم تھیں۔

کلکتہ یونیورسٹی میں تو خود گورنر جنرل چانسلر ہوتا ہے اور باقی یونیورسٹیوں میں صوبہ کے اعلٰے حاکم یعنی گورنر یا لفٹنٹ گورنر چانسلر ہوتے ہیں یونیورسٹی کی انتظامی جماعت سنڈیکیٹ کہلاتی ہے اس کا صدر وائس چانسلر ہوتا ہے جسکو سرکار نامزد کرتی ہے۔ ناظم تعلیمات تو سرکاری ممبر شمار ہوتا ہے مگر سنڈیکیٹ کے باقی ممبر علما کی مختلف جماعتوں کی طرف سے منتخب ہوتے ہیں۔ رجسٹرار کو سینٹ مقرر کرتی ہے اسکا کام یہ ہے کہ سینیٹ اور سنڈیکیٹ کے اجلاس کی روئداد مرتب کرے اور یونیورسٹی کا کل کام بھی اسی کے ذمہ ہے۔ علاوہ بریں ایسی مجالس قائم ہیں جو کتب نصاب تجویز کرتی ہیں۔ اور درس کی بھی عام نگرانی رکھتی ہیں یونیورسٹی کی مجلس وضع قوانین سینٹ کہلاتی ہے اس کے بیشتر رکن تو سرکار نامزد کرتی ہے۔ اور کچھ گریجویٹوں اور علما کی طرف سے بھی منتخب ہوتے ہیں۔ سینٹ یونیورسٹی کے کام کے متعلق قواعد وضوابط بنا سکتی ہے لیکن ان کے واسطے سرکار متعلقہ کی منظوری لازم ہے۔ اس صدی کے شروع میں یونیورسٹی کی تنظیم میں چند نقص پیدا ہوگئے۔ سینٹ اس قدر بڑھ گئی

تھی کہ اس کا سنبھالنا دشوار تھا مثلاً بمبئی یونیورسٹی کی سینیٹ میں ممبروں کی تعداد تین سو دس تک پہنچ چکی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ یونیورسٹیاں حال کی تعلیمی جدتوں کا ساتھ نہ دے سکیں اور طرح طرح کی ضروری اصلاحوں میں بھی تاخیر ہونے لگی سنہ ۱۹۰۴ء کے قانون یونیورسٹی کی بنا پر کچھ تبدیلیاں عمل میں آئی ہیں ہر یونیورسٹی میں سینیٹ کے ممبروں کی زیادہ سے زیادہ تعداد سو مقرر ہو گئی ہے اور یہ بھی بندوبست ہو گیا کہ جو لوگ تعلیم کے کام میں مشغول ہیں اُن کی خاص تعداد سنڈیکیٹ کی ممبری کے لئے منتخب ہوا کرے۔ البتہ بنارس اور میسور کی جدید یونیورسٹیوں کے دستور کسی قدر مختلف ہیں۔ بنارس یونیورسٹی میں یہ تفریق رکھی گئی ہے کہ انتظامی معاملات تو ایک بڑی نیابتی جماعت کے تفویض کئے گئے ہیں جو کورٹ کہلاتی ہے اور تعلیمی معاملات خاص کر ایک سینیٹ کے سپرد ہیں جن میں بیشتر خود یونیورسٹی کے اساتذہ شریک ہیں۔

کالجوں کا معائنہ

یونیورسٹی کے قانون میں ایسے کالجوں کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے جو یونیورسٹی کے ساتھ ملحق ہیں اور جن میں سے اکثر کسی قدر ناقص حالت میں تھے۔ اب تک یونیورسٹی ایک جماعت تھی جس نے ہر امتحان کا ایک معیار مقرر کر دیا تھا اور بس۔ لیکن یونیورسٹی کی طرف سے ملحقہ کالجوں کا معائنہ ہونے لگا تو یونیورسٹی کو ان کالجوں کی اصلاح کرنے کا موقع بھی مل گیا۔ اب قرائن ایسے نظر آتے ہیں کہ آگے چل کر یونیورسٹی دوسرے کام اور فرائض بھی اپنے ذمے لے گی۔ لارڈ ہارڈنگ کا قول ہے کہ محض ممتحن یونیورسٹی سے ترقی پذیر ہندوستان کا کام نہیں چل سکتا۔ کلکتہ میں خاصکر یونیورسٹی کے اساتذہ کی ایک بڑی جماعت گریجویٹ ہونے کے بعد کی تعلیم میں اور علمی تحقیق میں مشغول ہے۔

نصاب درس اور امتحانات

مختلف یونیورسٹیوں کے نصاب درس میں فروعی اختلافات تو ضرور ہیں لیکن اصول سب کے یکساں ہیں علوم اور سائنس میں وہی چار سال کا نصاب ہے۔ درمیان میں امتحان ہوتا ہے جسکو انٹرمیڈیٹ یا ایف، اے، کا امتحان کہتے ہیں چار سال کے آخر میں بی۔ اے کا امتحان ہوتا ہے یہی قاعدہ سائنس میں رائج ہے اس کے امتحان ایف، ایس، سی، اور بی، ایس، سی۔ کہلاتے ہیں۔ آنرز یعنی امتیازی امتحان کے قواعد مختلف ہیں۔ کلکتہ میں امتیازی اور معمولی امتحانوں

کے نصاب جدا جدا ہیں بمبئی میں امتیازی امتحان کے طلبہ کو معمول کے علاوہ تین زائد پرچے لکھنے پڑتے ہیں اور مدراس میں ایسے طلبہ کو معمولی امتحان کے بعد اگلے ہی سال امتیازی نصاب پڑھنا پڑتا ہے۔ بی اے کی سند حاصل کرنے کے بعد ایک یا دو سال بعد ایم اے کا امتحان دینا پڑتا ہے۔ مدراس میں امتیازی امتحان بھی قریب قریب ایم اے کا ہم پلہ شمار ہوتا ہے۔ بی ایل یا ایل ایل بی کی سند صرف گریجویٹوں کو مل سکتی ہے اور بعض قسم کے نصاب ہیں مثلاً زراعت، طب، انجینیری، انکے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ امیدوار اول سال دو سال کسی علمی کالج میں شریک رہے اسکے بعد فنی کالج میں داخل ہو۔

تھوڑے ہی دنوں کی بات ہے کہ صنعتی تعلیم گاہیں بڑے بڑے پیمانوں پر جاری ہوئی ہیں اکثر جگہ صنعتی مدارس ہیں مگر وہاں کی تعلیم ناکافی ہے۔ اس میں بعض مدارس کو سرکار سنبھالے ہوئے ہے بعض کو بلدیاتی یا مقامی مجالس امداد دیتی ہیں اور بعض چندے سے چلتے ہیں جو خانگی مدارس کہلاتے ہیں۔ صنعتی تعلیم گاہوں میں غالباً وکٹوریا ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ سب سے پیش پیش ہے۔ جو ملکہ وکٹوریا کی جوبلی کی یادگار میں قائم ہوا تھا اس میں طلبہ کو سائنس کی باتیں سمجھائی جاتی ہیں تاکہ وہ کسی صنعت میں کام کر سکیں۔ مسٹر ٹاٹا آنجہانی کی فیاضی سے ایک انسٹی ٹیوٹ آف سائنس بنگلور میں قائم ہوا اس میں بی اے کے بعد درس اور تحقیق کا موقع ملتا ہے سرکار کی طرف سے مدارس صنعت و حرفت پریزیڈنسی شہروں اور لاہور میں جاری ہیں طلبہ کو نہ صرف نقاشی، سنگ تراشی، اور معماری کے کام سکھائے جاتے ہیں بلکہ دوسرے فنون اور پیشوں کی بھی تعلیم ہوتی ہے۔ مثلاً کوزہ گری، آہن گری، چوبی کندہ کاری، مینا کاری، اور طلائی و نقرئی کام، انجینیری کے کالج بھی موجود ہیں ان سب میں ٹامسن کالج رڑکی سب سے زیادہ قدیم ہے جو اپنے بانی کے نام سے مشہور ہے۔ شمالی مغربی صوبے کے لفٹنٹ گورنر نے اس کو ۱۸۴۸ء میں قائم کیا تھا۔ ایسے ہی کالج اور بھی ہیں مثلاً بنگال میں سبپور کالج، پونا میں کالج آف سائنس، انجینیری کالج مدراس میں طلبہ کو یا تو بنج کے کارخانوں میں تربیت دی جاتی ہے یا محکمۂ تعمیرات میں ایک محکمہ کارآموزی کا، اور ایک کلاس دستکاروں کی بھی موجود ہے جہاں پیشتر عملی قسم کی تعلیم ہوتی ہے شمالی ہندوستان میں بمقام دیرہ دون جنگلات

کا مدرسہ قائم ہے کچھ دنوں سے زراعتی کالجوں میں سائنسی طریق کاشت کی تعلیم میں بہت ترقی نظر آتی ہے اور صوبہ بہار و اوڑیسہ میں بمقام پوسہ ایک عظیم الشان کالج موجود ہے جہاں خاص طور پر زراعت کے متعلق طرح طرح کی تحقیقات ہوتی رہتی ہے تجارتی تعلیم کی طرف بھی توجہ ہو رہی ہے چنانچہ اسکول فائنل کے امتحان میں بھی کھاتہ خلاصہ نویسی، اور خط و کتابت جیسے کاروباری مضمون بھی نصاب میں داخل ہیں اور بمبئی میں تو باقاعدہ تجارت کی سند ملتی ہے، طبی اسکول اور کالج بھی قائم ہیں جن میں بہت سے طلبہ شریک ہوتے ہیں یہ تعلیم گاہیں مختلف یونیورسٹیوں کے ماتحت طبی علوم کی تعلیم دیتی ہیں اور بڑے بڑے شفاخانوں میں خود طبی کالج کے پروفیسر طلبہ کو جراحی کا کام سکھاتے ہیں۔

اخلاقی تعلیم اور دارالاقامہ

سرکار انگریزی کی یہ پالیسی ہے کہ مذہبی معاملات میں دخل نہ دے سرکاری اسکول اور کالجوں میں کسی قسم کی مذہبی تعلیم نہیں دیجاتی البتہ امدادی کالجوں میں مذہبی تعلیم کی کوئی ممانعت نہیں صرف یہی شرط ہے کہ غیر مذہبی تعلیم عمدہ طور پر ہو۔ سر ویلنٹائن جرول کا خیال ہے کہ ایک قسم کی ناقص تعلیم بے احتیاطی سے پھیل رہی ہے جو نہ تو ذہانت پر مبنی ہے اور نہ جس میں کوئی اخلاقی اور مذہبی خوبی ہے یہ بہت اہم اور غور طلب رائے ہے اور دوسرے اہل الرائے بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اس معاملے میں سرکار بالکل بے پروا ہے بلکہ طلبہ کی اخلاقی تعلیم اور اصلاح مذاق کے واسطے بہت کچھ اہتمام ہوتا رہا ہے بہت سے عیسائی کالج موجود ہیں جہاں مذہبی تعلیم ہوتی ہے۔ سر سید احمد خاں مرحوم نے علیگڈھ میں ایک کالج قائم کیا جہاں مسلمانوں کو دینی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ ہندوؤں کی بنارس یونیورسٹی موجود ہے جس کا سنگ بنیاد ۱۹۱۶ء میں لارڈ ہارڈنگ نے نصب کیا دارالاقاموں میں بھی طرح طرح کی اصلاحات ہوئیں طبی نگران کاروں و دیگر منتظمین کا خیال ہے کہ خاصکر کلکتہ اور عام طور پر دوسرے مقامات کے دارالاقاموں میں طلبہ کی ایسی زندگی بسر ہوتی ہے کہ ان کی صحت اور اخلاق پر اس کا برا اثر پڑتا ہے۔ کلکتہ میں یونیورسٹی کی طرف سے معائنہ ہوتا رہتا ہے اور ہندوستان بھر میں غیر سرکاری انجمنوں اور نیز سرکار کی طرف سے عمدہ عمدہ دارالاقامے قائم ہوتے چلے جاتے ہیں۔

باب ۱۲

مدارس

اسکول کا اہتمام اور نگرانی خاص طور پر سرکار کے ذمے ہے۔ سر انڈریو فریزر نے
مدارس کے معاملے میں سرکار کی پالیسی مختصراً یوں بیان فرمائی ہے۔ ۱۸۸۲ء کی تعلیمی
کمیشن نے یہ مشورہ دیا تھا کہ ثانوی اور اعلیٰ تعلیم بتدریج لوگوں کی ذاتی کوشش
اور اولوالعزمی پر چھوڑ دی جائے اور گورنمنٹ کو اس معاملے میں مسابقت کے بجائے
کنارہ کشی کرنی مناسب ہے۔ اب بالعموم اس مشورے کے مطابق عمل درآمد ہو رہا ہے
لیکن اس پالیسی کے ساتھ سرکار اس اصول کی پابندی بھی ضروری سمجھتی ہے کہ تعلیم
کے شعبہ میں وہ کچھ تعلیم گاہیں اپنی طرف سے قائم رکھے تاکہ نجی کی تعلیم گاہوں کے
واسطے وہ نمونے کا کام دیں اور ان کے ذریعے سے تعلیم میں اعلیٰ معیار قائم رہے۔ ذاتی
انتظام سے دستکش ہونے کے بعد بھی سرکار کے لئے ضروری ہے کہ خاص نگرانی کے
ذریعے سے عام تعلیم گاہوں پر اپنا قابو رکھے۔ سر انڈریو فریزر کے مندرجہ بالا قول
کی اس سے تصدیق ہوتی ہے کہ بہت تھوڑی تعلیم گاہیں سرکاری ہیں ورنہ بیشتر یا تو
بلدیات یا مقامی مجلسوں یا عام لوگوں یا عیسائی انجمنوں کے ہاتھ میں ہیں۔ البتہ ان کو
سرکاری امداد مل سکتی اور ملتی ہے۔ پہلے تو امداد اچھے نتائج کی بنا پر دی جاتی تھی لیکن
یہ طریق نہ تو انگلستان میں اچھا ثابت ہوا اور نہ ہندوستان میں۔ موجودہ پالیسی یہ ہے کہ
اسکول کی عام حالت کے لحاظ سے مدد دی جاتی ہے اور اس کا خاص خیال رہتا ہے
کہ مدرسوں کی تنخواہوں عمارتوں اور متفرق ضروری سامان میں کس قدر رقم خرچ ہوتی ہے۔

ثانویہ اور فوقانیہ مدارس

سرکار کا مسلک یہ ہے کہ کچھ ہائی اسکول یعنی فوقانیہ مدارس قائم کر دیتی ہے تقریباً
ہر ضلع میں ایک، تاکہ نجی کے مدارس کے واسطے وہ نمونہ اور معیار کا کام
دیں۔ سنہ ۱۹۱۱-۱۲ء میں ہندوستان میں کل ۱۲۱۹ فوقانیہ مدارس لڑکوں کے واسطے قائم
تھے۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں ان کی تعداد ۱۴۵۹ ہو گئی۔ سنہ ۱۹۱۱-۱۲ء میں طلبا کی تعداد ۳۹۰۸۸
تھی اور سنہ ۱۹۱۱ء میں ۱۳۷۳۵۴ ہو گئی۔ یہ کوشش ہو رہی ہے کہ ان
مدارس میں عملی تعلیم اور کام کی باتوں کی طرف توجہ پیدا کی جائے۔ سنہ ۱۸۸۲ء کے کمیشن
کی تجویز تھی کہ ثانویہ مدارس میں دو شعبے ہونے چاہئیں۔ ایک تو وہ جو یونیورسٹی
کے امتحان داخلہ تک طلبہ کو پہنچا سکے۔ دوسرا وہ جو عملی قسم کی تعلیم ان طلبہ کو
دے سکے جو تجارت یا دوسرے غیر علمی قسم کے کام اختیار کرنا چاہیں۔ کچھ سال بعد بنگال

کے بعض مدارس میں الف اور ب درجے قائم ہو گئے۔ مگر چونکہ وہ یونیورسٹی کی تعلیم کے واسطے رہنمائی نہیں کرتے تھے۔ کامیاب نہ ہوئے۔ حال میں سرکار ہند نے اسکول فائنل کا امتحان جاری کرنے کی تائید کی ہے جس میں بیشتر عملی قسم کے مضامین کی تعلیم دی جائے گی۔ میٹریکیولیشن امتحان کی اصلاح و ترقی کے واسطے بھی کوشش ہو رہی ہے۔ اور زبانی سوالات اور اسکول کے کام کی اہمیت بڑھا دی گئی ہے۔ مدراس میں اس امتحان کو ایک بورڈ یا مجلس کی نگرانی میں رکھدیا گیا جو یونیورسٹی اور سرکار کی قائم مقام بھی۔ لیکن وہ کسی قدر گراں بار ثابت ہوا اور اب اس میں کچھ ترمیمیں ہو رہی ہیں۔ صوبہ جات متحدہ میں صرف اچھے قسم کے مدارس کو اسکول فائنل امتحان کی تیاری کرانے کی اجازت ملتی ہے۔ اسی وجہ سے نتائج بھی بہتر حاصل ہو رہے ہیں۔ پنجاب اور بمبئی میں اسکول لیونگ کے امتحان کا انتظام بورڈ یا مجلس کرتی ہے۔ لیکن اصل وقت کو ابھی ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ یونیورسٹی جو مدارس کا الحاق کرتی ہے اس کے پاس اتنا روپیہ نہیں کہ ان کی اصلاح و درستی کرے۔ اور محکمۂ تعلیمات جو سرکاری امداد تقسیم کرتا ہے وہ مدارس کے الحاق کے واسطے کسی طرح ذمہ دار نہیں ہے اس دوہری حکومت اور تقسیم ذمہ واری کا مدارس پر ایک ناخوشگوار اثر پڑا ہے مدارس کا معیار بھی اس قدر گرا ہوا ہے کہ میٹریکیولیشن پاس کرنے کے بعد طلبہ اکثر کالج کی تعلیم سے مستفید ہونے کے ناقابل رہتے ہیں میسور میں البتہ مدارس کا معیار بڑھ گیا ہے اور وہ اس طرح کہ سال اوّل کی جماعت یونیورسٹی سے نکال کر ریاست کے چند اچھے مدارس میں قائم کر دی گئی۔

ابتدائی تعلیم

ابتدائی تعلیم خاصکر مقامی مجالس اور بلدیات کے زیر نگرانی ہے گزشتہ چند سال سے ان مدارس میں طلبہ کی تعداد بہت سرعت سے بڑھ رہی ہے تاہم ابھی بہت کمی پوری ہونی باقی ہے۔ گزشتہ مردم شماری کی رپورٹ میں لکھے پڑھوں کی تعداد فی ہزار ۵۹ درج ہے۔ مردوں میں فی ہزار ۱۰۶ اور مستورات میں فی ہزار صرف ۱۰۔ ۱۹۱۱ء میں مسٹر گوکھلے آنجہانی نے شاہی مجلس وضع قوانین میں تحریک پیش کی تھی کہ جبریہ ابتدائی تعلیم کا طریق مناسب ترمیم کے ساتھ ملک میں جاری کر دیا جائے لیکن سرکار اسکو منظور نہ کر سکی۔ حال میں بعض صوبوں کی مجالس وضع قوانین خاصکر

بمبئی کی مجلس نے قانون پاس کر دیا جسکی رو سے بلدیات اپنے حلقوں میں جبریہ ابتدائی تعلیم عائد کرنے کے مجاز ہیں چنانچہ احاطہ بمبئی میں بعض بلدیات نے سرکار کی مدد سے اس قانون کا استفادہ شروع کر دیا مجلس نے بمبئی کے بلدیہ کے نام ان اغراض کے واسطے ایک بڑی سالانہ رقم کی منظوری بھی دی ہے ۔

وظائف — وظائف کا ایک با قاعدہ طریق جاری ہے جسکے مطابق کوئی ذہین طالب علم ابتدائی مدرسے سے لیکر کالج تک وظیفہ پا سکتا ہے حتی کہ وہ گریجویٹ ہو جائے نیز سرکاری یونیورسٹیوں اور عام انجمنوں کے پاس ایسے ذخیرے موجود ہیں جن میں سے طلبہ کو ولایت کی تعلیم کے لئے وظیفہ دیا جاتا ہے ۔ دفتر وزیر ہند میں ایک محکمہ خاص اسی کام کے لئے قائم ہے کہ ہندوستانی طلبہ کو ولایت میں ضروری معلومات اور مشوروں سے مدد دے ۔

مالیہ — سرکار کے تعلیمی اخراجات میں برابر اضافہ ہو رہا ہے ۱۹۰۶ء میں تعلیم کے مجموعی اخراجات کی مقدار ۵ کروڑ ۹۰ لاکھ روپیہ تھی اور اب وہ ۱۱ کروڑ ۲۹ لاکھ روپیہ ہے اس میں سے ۶ کروڑ ۴۱ لاکھ کی رقم عام فنڈ یا ذخیروں سے ملتی ہے ۔ ذیل کے اعداد و شمار سے ظاہر ہوگا کہ مختلف صوبے تعلیم عامہ پر راست اور بالواسطہ کس قدر مجموعی رقم خرچ کرتے ہیں ۔

تعلیم عامہ پر مجموعی اخراجات ۔ راست اور بالواسطہ

	دس سال قبل ۱۹۰۶-۰۷ء	پانچ سال قبل ۱۹۱۱-۱۲ء	قبل جنگ ۱۹۱۳-۱۴ء	۱۹۱۶-۱۷ء
	بحساب لاکھ روپیہ	بحساب لاکھ روپیہ	بحساب لاکھ روپیہ	بحساب لاکھ روپیہ
بنگال	۱۱۸	۱۶۲	۲۲۱	۳۴۳
مدراس	۹۸	۱۳۹	۱۸۰	۳۱۷
بمبئی	۱۰۶	۱۳۶	۱۹۰	۱۵۶
صوبہ جات متحدہ	۷۵	۱۰۸	۱۲۸	۱۴۷
پنجاب	۵۲	۶۹	۹۶	۱۰۹

	دس سال قبل ۰۷-۱۹۰۶ء	پانچ سال قبل ۱۲-۱۹۱۱ء	قبل جنگ ۱۴-۱۹۱۳ء	۱۷-۱۹۱۶ء
	بحساب لاکھ روپیہ	بحساب لاکھ روپیہ	بحساب لاکھ روپیہ	بحساب لاکھ روپیہ
بہار و اوڑلیسہ	(الف)	(الف)	۸۰	۸۲
برما	۳۵	۴۷	۶۲	۶۷
صوبہ جات متوسط	۲۲	۳۳	۴۱	۴۹
آسام	۵۱ (ج)	۸۰ (ج)	۲۳	۲۶
دلی	(ب)	(ب)	(ب)	۱۲
دیگر صوبجات (د)	۴	۷	۱۴	۲۱
میزان کل	۵۶۰	۷۸۸	۱۰۰۵	۱۱۲۹

(الف) بنگال میں شامل ہے (ب) پنجاب میں شامل ہے (ج) مشرقی بنگال میں شامل ہے۔ (د) اس میں شمالی مغربی سرحدی صوبہ ۔ اجمیر مارواڑ۔ بلوچستان کورگ اور بنگلور شامل ہے ۔ بنگلور صرف ۱۷-۱۹۱۶ء میں شریک ہوا ہے۔

انتظام تعلیم یوں تو صوبوں کی حکومتوں کے تحت میں ہے لیکن گورنر جنرل کی کونسل میں بھی ایک ممبر موجود ہے جو صوبوں کے تعلیمی محکموں پر عام نگرانی رکھتا ہے۔ ہر صوبے میں ایک ناظم تعلیمات رہتا ہے اور اسکی ماتحتی میں بہت سے پروفیسر، انسپکٹر، اور مدرس کام کرتے ہیں محکمۂ تعلیمات میں بھی عہدہ داروں کے تین طبقے ہیں۔ انڈین ایجوکیشن سروس یعنی شاہی تعلیمی خدمت پراونشیل سروس یعنی صوبہ واری خدمت اور سب آرڈینیٹ سروس یعنی ماتحت خدمت طبقۂ اول کے عہدہ دار ولایت سے لئے جاتے ہیں باقی دو طبقوں کے ہندوستان سے جیساکہ بیان ہوچکا ہے، ہر یونیورسٹی کا اپنا جدا جدا انتظام ہے۔ البتہ ناظم تعلیمات ہر جگہ سنڈیکیٹ، اور سینیٹ کا سرکاری ممبر شمار ہوتا ہے۔ نیز بہت سے پروفیسر سینیٹ اور سنڈیکیٹ میں شریک رہتے ہیں بغرض معائنہ ہر صوبے میں بہت سے حلقے قرار دیئے گئے ہیں۔ ہر حلقہ ایک انسپکٹر کی نگرانی میں رہتا ہے البتہ

یورپین مدارس کیواسطے ہر صوبے میں ایک ایک انسپکٹر مقرر ہے ۔
گورنمنٹ کو یہ بہت فکر لگی رہتی ہے کہ مدارس میں قابل اطمینان اور کارگزار ۔ اساتذہ معلم کام کریں مدرسوں کے مشاہرے بہت قلیل ہیں ۔ اس بنا پر اندیشہ ہوتا ہے کہ جیسے معزز اور ذہین لوگ اس صیغہ کے لئے درکار ہیں وہ اس میں شریک ہونا گوارا نہ کریں گے ۔

یورپین اسکول

جن یورپین لوگوں نے ہندوستان میں بودوباش اختیار کرلی ہے ان کے اور نیز یوریشین لوگوں کے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم میں بہت دقت پیش آرہی ہے ۔ جب سے ہندوستان میں تعلیم کی حالت درست ہونی شروع ہوئی جن عہدوں کے واسطے انگریزی دانی کی شرط تھی وہ ان کے لڑکوں کے واسطے مخصوص نہیں رہے مزید براں وہ اپنی اعلیٰ طرز معاشرت کی وجہ سے اپنے ہم لیاقت ہندوستانی کے مقابل زیادہ تنخواہ کے طالب ہوتے ہیں ۔ لارڈ کرزن کا مقولہ ہے کہ ہر وائسرائے نے اس مسئلہ پر غور کیا مگر باوجود ہمدردی کے کچھ نہ کرسکا تاہم اس بارے میں آج کل بہت کچھ سعی کی گئی ہے ۔ ہر صوبے میں یورپین اسکولوں کے لئے ایک ایک انسپکٹر مقرر ہوا ہے جو اپنے تحت کے کل مدارس میں سرکاری امداد تقسیم کرتا ہے اور تعلیم کو ترقی دینے کی کوشش کرتا رہتا ہے اکثر صوبوں میں یورپین اسکول فائینل امتحان ہوتا ہے جو بعض حالتوں میں میٹریکیولیشن کا ہم پلہ مانا جاتا ہے بعض اسکولوں میں کیمبرج لوکل امتحان کی تیاری ہوتی ہے لیکن قسم قسم کے امتحانات بھی ایک بڑی خرابی کا باعث تصور ہوتے ہیں ۔ یورپین لوگوں کے واسطے تعلیم کو ہندوستان میں ترقی دینے کی غرض سے ایک صاحب نے ۱۹۱۱ء میں بہت بڑا عطیہ دیا تھا اور اس سلسلے میں ہندوستان اور ولایت میں عوام سے بھی چندہ اور امداد کی استدعا کی گئی تھی

تعلیم نسواں

اب تک تو سرکار نے تعلیم نسواں میں زیادہ مدد دی نہیں حالانکہ ۱۸۸۲ء کی کمیشن نے سفارش کی تھی کہ ایسی تعلیم سرکار کی خاص توجہ اور فیاضی کی مستحق ہے لیکن جو لوگ اس میدان میں اصلاح کا بیڑا اٹھائیں ان کو طرح طرح کی دشواریوں کا سامنا ہوگا ۔ اول تو استانیاں کم ملتی ہیں ۔ دوسرے سر جان اسٹریچی کا قول ہے کہ ہندوستان میں جو مختصر جماعت مغربی خیالات کے زیر اثر ہے ان کو بھی بہ بابت

عجیب معلوم ہوتی ہے کہ لڑکیاں مدرسوں میں لڑکوں کی طرح تعلیم پائیں تاہم چند سال سے تعلیم نسواں کچھ کچھ پھیل رہی ہے۔ لڑکیوں کے ابتدائی اور ثانوی مدرسے جاری ہیں اور کہیں کہیں لڑکیاں لڑکوں کے پہلو بہ پہلو یونیورسٹی کی سند کے لئے تعلیم پا رہی ہیں آیا لڑکے اور لڑکیوں کا ساتھ ساتھ پڑھنا جیسا کہ یورپ وغیرہ میں رواج ہے ہندوستان کے مناسب حال ہے یا نہیں یہ بحث یہاں غیر ضروری ہے لیکن عام رجحان اسی طرف ہے کہ لڑکیوں کے لئے جداگانہ کالج قائم ہوں چنانچہ مدراس میں ایسے دو کالج پہلے سے موجود ہیں اور بیتھون کالج کلکتہ میں۔ بمبئی میں بھی الکزنڈرا انسٹیٹیوٹ گرلز انگلش انسٹی ٹیوشن ایک مشہور مدرسہ ہے جو بہ یادگار تخت نشینی ملک معظم ایڈورڈ ہفتم سنہ ۱۹۰۳ء میں قائم ہوا۔ لیڈی ہارڈنگ آنجہانی کی یادگار میں ایک زنانہ طبیہ کالج دہلی میں قائم ہو رہا ہے جس کے لئے لوگوں نے دل کھول کر چندہ دیا ہے۔

سنہ ۱۹۱۷ء میں ڈاکٹر ام۔ ای۔ سیڈلر۔ وائس چانسلر۔ لیڈس یونیورسٹی کے زیر صدارت ایک کمیشن مقرر ہوا کہ کلکتہ یونیورسٹی کے حالات اور قرائن کی بابت تحقیقات کرے اور اس سلسلہ میں جو سوالات پیش آئیں ان کے مدنظر رکھ کے ایک تعمیری مسلک کے مسئلہ پر غور کرے کمیشن نے تعلیم میں بڑی بڑی تبدیلیاں تجویز کیں۔ انتظام میں بھی اور طریق تعلیم میں بھی۔

ایک خاص تجویز یہ بھی کہ انٹرمیڈیٹ جماعتیں یونیورسٹیوں سے ایک نئے قسم کے مدارس میں منتقل کر دی جائیں جو انٹرمیڈیٹ کالج کہلائیں گے۔ یہ کالج اور مدارس فوقانیہ ایک سرکاری جماعت کے زیر نگرانی رہیں گے جو ثانوی اور انٹرمیڈیٹ تعلیم کا بورڈ کہلائے گی۔ کمیشن نے یہ بھی سفارش کی کہ ایک وحدانی اور اقامتی یونیورسٹی بمقام ڈھاکہ قائم کی جائے جو خود ہی نگرانی رکھے اور خود ہی کل تعلیم کا کام انجام دے۔ اور بنگال میں دوسرے مقامات پر بھی ایسی ہی یونیورسٹیاں قائم کرنے کا انتظام شروع کر دینا چاہئے حتی کہ وہ مقامات ایسی ذمہ داریاں برداشت کرنے کے قابل ہو جائیں۔ کلکتہ میں البتہ کمیشن نے کالجوں کو برقرار رکھنے کی تائید کی لیکن ساتھ ہی یہ صلاح دی کہ بمقابل سابق ان پر زیادہ نگرانی رکھنا اور یونیورسٹی سے ربط ضبط بڑھانا چاہئے۔

کمیشن نے یہ بھی محسوس کیا کہ کلکتہ یونیورسٹی کا نظام ناقص طور پر مرتب کیا گیا اور اس بنا پر یہ تجویز کیا کہ ایک بڑی سی نیابتی کورٹ ۔ ایک مختصر سی انتظامی مجلس اور ایک علمی مجلس قائم کی جائے جو یونیورسٹی کی تعلیم کی نگرانی کرے۔ ایک سال بعد شاہی مجلس وضع قوانین نے ڈھاکہ میں ایک یونیورسٹی کے قیام کا قانون پاس کر دیا۔

تیرھواں باب

طبی امداد اور صفائی

اصلاح کی دشواریاں سرکار کے جس قدر محکمے ہیں۔ ان میں طبی امداد اور صفائی کا محکمہ غالباً سب سے زیادہ اہم ہے اور ساتھ ہی اس کا کام بھی دقت طلب ہے یورپ کے مقابل ہندوستان کی طرز بود و باش حفظ صحت کے لئے زیادہ موافق نہیں ہے اس کے سوا بیماریوں کے مقابلے کی طاقت بھی لوگوں کے جسم میں بہت کم ہے کم عمری کی شادیوں کا مشرق میں بہت رواج ہے اور اس کا مضر اثر والدین کے علاوہ اولاد پر بھی پڑتا ہے صحت کے لئے موافق اور مقوی غذا بھی ضروری ہے۔ ہندوستان میں کھانا پکانے کے قدیم طریق اب تک رائج ہیں۔ کھانا دیر ہضم ہوتا ہے جس کی وجہ سے صحت کو نقصان پہنچتا ہے۔ افلاس اور تنگدستی کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو نہ پیٹ بھر کھانا ملتا ہے نہ پہننے کو کافی لباس اور نہ رہنے کے قابل مکان بچوں کی شرح اموات اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ تشویش ہوتی ہے۔ اس خرابی کے بہت سے اسباب ہیں۔ کم عمری کی شادی و ماؤں کی جہالت۔ غذا کی قلت گرد و نواح کی گندگی۔ اور ماؤں کا وضع حمل کے زمانے تک جسمانی محنت میں لگا رہنا۔ انتظام صفائی ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں ابتدائی حالت میں ہے اور دیہات و اضلاع میں تو ان کا پتہ بھی نہیں۔ دیہات کے اکثر مکانات میں ہوا کافی نہیں پہنچ سکتی اور ان میں لوگ گنجائش سے زیادہ بھرے رہتے ہیں اور دیہات کے اندر اور آس پاس گندگی پھیلی رہتی ہے۔ کہیں مویشی کھڑے ہیں کہیں گھاس پھونس پڑا سڑ رہا ہے اور کہیں گڑھوں میں رکا ہوا پانی ہوا کو خراب کر رہا ہے گاؤں کے ایک ہی تالاب کا پانی نہانے دھونے کھانے پکانے اور پینے کے کام آتا ہے۔ پھر وہ کس طرح صاف رہ سکتا ہے۔ ایک طرف تو جسموں میں قوت دافعہ کم اور دوسری طرف طرز بود و باش اس قدر مضر صحت نتیجہ

یہ ہے کہ ہندوستان میں شرح اموات بہت بڑھی ہوئی ہے اور بیماری و خرابی صحت بہت عام ہے۔ تاہم اصلاح کی کوشش برابر ہو رہی ہے موجودہ خرابی کا باعث یہ نہیں کہ سرکار یا اس کے طبی عہدہ دار کوشش میں کمی کرتے ہوں۔ جو لوگ شہروں میں رہتے ہیں وہ اس بات کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ وہاں کس قدر اصلاح اور ترقی ہوئی علاوہ بریں صدیوں کی روایات اور ادنیٰ طبقوں کے توہمات و جہالت کے خلاف اصلاح کے خیال سے جو کوشش جاری ہے اس کے نتیجے کو بھی ہم ناکامی سے تعبیر نہیں کر سکتے اس میں کچھ نہ کچھ کامیابی ضرور ہو رہی ہے۔

طبی خدمات زیادہ اہم طبی خدمات پر جو لوگ مقرر ہوتے ہیں وہ انڈین میڈیکل سروس یا شاہی طبی خدمت کے رکن شمار ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ولایت میں امتحان مقابلہ کے ذریعے سے بھرتی کئے جاتے ہیں۔ کچھ ہندوستانی بھی اس مقابلے میں کامیابی حاصل کر چکے ہیں شروع میں اس خدمت کی تین شاخیں تھیں جو بنگال، مدراس اور بمبئی کی افواج سے جدا جدا تعلق رکھتی تھیں لیکن ۱۸۹۶ء میں یہ تفریق مٹ کر سب خدمات ایک ہو گئیں سب سے اول ۱۷۶۴ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے ملازموں اور فوجی رسالوں کے علاج معالجے کی غرض سے بنگال میں طبی خدمت کا طریق نکالا۔ اگرچہ طبی عہدہ دار بھی کمیشن یافتہ ہوتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا۔ فوجی کام کے بجائے یہ لوگ اکثر سول خدمت انجام دیتے ہیں ان کی فوجی خدمات ہندوستانی فوج تک محدود رہتی ہے اور جو انگریزی رسالے ہندوستان میں رہتے ہیں رائل آرمی میڈیکل کور یعنی شاہی فوجی طبی جماعت کے عہدہ دار اُن کی طبی ضروریات کے نگراں رہتے ہیں اس کے علاوہ فوجی اور سول سب آرڈینیٹ سروس یعنی ماتحت خدمات ہیں جن میں ہندوستان کے وہ لوگ بھرتی کئے جاتے ہیں جو یہاں کے طبی کالجوں میں تعلیم پا کر ضروری امتحانات پاس کر چکے ہوں ماتحت خدمت کے اعلےٰ عہدہ دار بڑے بڑے شفا خانوں میں اسسٹنٹ سرجن کا کام کرتے ہیں یا چھوٹے شفا خانے ان کے سپرد کر دئے جاتے ہیں۔ اور بعض حالتوں میں وہ انڈین میڈیکل سروس یعنی شاہی طبی خدمت کے عہدوں پر بھی ترقی پا جاتے ہیں۔ طبی محکمہ میں سب آرڈینیٹ سروس سے وہی سروس مراد ہے جو دیگر محکموں

ہیں پراونشیل یا صوبہ داری کہلاتی ہے ۔

طبی انتظام صوبہ داری حکومتوں کے تحت ہیں ہے اس محکمے کا اعلیٰ حاکم مدراس ۔ بنگال، اور بمبئی میں سرجن جنرل کہلاتا ہے اور انسپکٹر جنرل آف سول ہاسپٹلز باقی صوبوں میں ۔ اکثر صوبوں کے صدر مقام میں کمشنر صفائی بھی رہتا ہے جو کل صوبہ میں صفائی کے معاملات کی دیکھ بھال رکھتا ہے ہر ضلع میں طبی صیغہ اور صفائی کا اہتمام ایک سول سرجن کے سپرد ہے جو مقامی حکام کو شفاخانوں اور دواخانوں کے انتظام میں مدد دیتا ہے ۔ لیکن بمبئی میں کچھ نائب کمشنر صفائی بھی مقرر ہیں جن کا امور صحت عامہ سے تعلق رہتا ہے ۔ انڈین میڈیکل سروس کا ڈائرکٹر جنرل سرکار ہند کے ماتحت ہوتا ہے اس کا کام یہ ہے کہ کل ہندوستان میں طبی کاموں کی نگرانی کرے ۔ ایک کمشنر صفائی بھی اس کام کے لئے مقرر ہے کہ سرکار ہند کو ان معاملات میں مشورہ دے ۔

ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں بعض شفاخانے سو سال سے بھی زیادہ قدیم ہیں ۔ لیکن عام طور پر شفاخانے اور دواخانے گزشتہ چالیس سال کے اندر اندر قائم ہوئے سابق میں بہت کچھ دقتوں کا سامنا ہوا ۔ طبی عہدہ داروں کی قلت تھی ہندوستانی لوگ مغربی طریق علاج سے بالکل ناواقف تھے ۔ اور اگرچہ نج کے طور پر لوگوں نے روپیہ دینے میں بہت فیاضی دکھائی تاہم سرمایہ کی از حد کمی تھی آجکل کے بیشتر شفاخانے سرکاری نگرانی میں ہیں ۔ انکو صوبہ داری ۔ اضلاعی اور بلدی سرمایوں اور نیز نج کے چندوں سے مالی مدد ملتی ہے طبی امداد کی بہم رسانی میں کچھ روز سے مقامی حکام بھی روز افزوں توجہ کر رہے ہیں ۔ چنانچہ تخمینہ یہ ہے کہ مقامی مجالس اور بلدیات طبی امداد اور صفائی کے مصارف میں بقدر ۳۴ فیصدی شریک ہیں ۔ کچھ شفاخانے نج کے طور پر بھی قائم ہیں خاصکر احاطہ بمبئی میں اور بعض کا ریلوے اور پولیس کے جیسے سرکاری محکموں سے تعلق ہے ہر مستقر ضلع میں ڈسٹرکٹ سرجن کی نگرانی میں ایک شفاخانہ قائم ہے جہاں زیادہ نازک علاج ہوتے ہیں ۔ پریذیڈنسی شہروں میں تو بہت ہی بڑے شفاخانے ہیں جن میں زیادہ تر انڈین میڈیکل سروس کے عہدہ دار کام کرتے ہیں ۔ طبی کالجوں سے بھی بڑے بڑے شفاخانے ملحق ہیں جن میں کالج کے

پروفیسر ہی علاج معالجہ کرتے ہیں گرانٹ میڈیکل کالج بمبئی میں پانچ سال درس پانے کے بعد بمبئی یونیورسٹی سے طبی سند مل سکتی ہے طلبہ جمشید جی بھائی کے شفاخانے میں کام سیکھتے ہیں جہاں احاطہ بھر کے سربرآوردہ سرجن بڑے بڑے دشوار اعمال جراحی انجام دیتے ہیں۔

زنانے شفاخانے

سرکار کو مستورات کے علاج کے معاملہ میں بہت دقت پیش آرہی ہے ہندوستان میں بالخصوص اعلیٰ طبقوں کی مستورات رسم پردہ کی وجہ سے ان شفاخانوں میں نہیں جاتیں کیونکہ وہاں مرد معالج ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ مستورات میں امراض کی کثرت ہے۔ ۱۸۸۵ء میں کاونٹس ڈفرن نے ہندوستانی مستورات کو طبی امداد بہم پہنچانے کی غرض سے ایک نیشنل ایسوسی ایشن یعنی انجمن قائم کی اور اس کار خیر کو لیڈی کرزن اور دوسرے ویسراؤں کی بیگمات برابر ترقی دیتی رہیں۔ یہ انجمن نجی چندوں سے چلتی ہے کبھی کبھی سرکار سے بھی مدد مل جاتی ہے۔ سر جان اسٹریچی نے اس انجمن کے اغراض و مقاصد اور کام کو یوں بیان کیا ہے۔

اس انجمن کی ایک غرض تو یہ ہے کہ بڑے پیمانے پر ہندوستان میں عورتوں کو ایسی تعلیم و تربیت دینے کا اہتمام کرے کہ وہ ڈاکٹر ہاسپٹل اسسٹنٹ۔ نرس یعنی تیمار دار اور دایہ اور قابلہ کے کام اچھی طرح پر انجام دینے کے قابل بن جائیں۔ دوسرے یہ کہ مستورات ہی کے زیر نگرانی مستورات اور بچوں کے علاج معالجہ کی غرض سے شفاخانے اور دواخانے قائم کیے جائیں موجودہ شفاخانوں میں مستورات کے زیر اہتمام زنانہ وارڈ یا مریض خانے کھولے جائیں۔ اور وہاں کے علاج معالجہ کے واسطے مستورات ہی طبی افسر اور تیمار دار مقرر ہوں۔ اور شفاخانوں کے علاوہ نجی کے طبی کام کے لئے تربیت یافتہ تیمار دار۔ دایہ اور قابلہ بہم پہنچائی جائیں۔ غرضکہ ہر مناسب طریق سے مستورات کو طبی امداد پہنچانا اس انجمن کا اصل مقصد ہے۔

لیڈی ہارڈنگ کی یادگار میں ایک زنانہ طبی کالج حال میں بمقام دہلی قائم ہوا ہے ہندوستان کے تمام حصوں کی لڑکیاں یہاں تعلیم میں شریک ہو سکتی ہیں۔

شفاخانوں میں جراحی کا کام بہت زیادہ رہتا ہے۔ اور اس شعبہ میں یہاں بہت نمایاں ترقی ہو رہی ہے۔ سرجنوں کو اپنے فن میں اعلیٰ درجہ کی مہارت

حاصل ہے۔ چنانچہ عمل جراحی میں ان کو جس قدر کامیابی ہوئی ہے اس سے ان کی قابلیت ظاہر ہے ۱۹۱۳ء میں بمبئی میں ۹۰۷۰ عمل جراحی انجام پائے جن میں سے صرف ۲۲۳ مہلک ثابت ہوئے۔

طاعون ۱۸۹۶ء سے ہندوستان میں طاعون شروع ہوا اول اول تو احاطۂ بمبئی میں اس کا زور شور رہا لیکن بتدریج وہ ہندوستان کے حصہ حصہ میں پھیل گیا۔ شرح اموات کے متعلق مستند اعداد و شمار ملنے تو دشوار ہیں لیکن تخمینہ یہ ہے کہ اس صدی کے شروع سے اب تک ساٹھ لاکھ جانیں طاعون کی نذر ہو چکی ہیں۔ بلکہ غالباً اس سے بھی زیادہ بمبئی صوبۂ سندھ اور پنجاب میں اس کی خاص طور پر شدت رہی ہے باہر جانے والے جہازوں کی بہت دیکھ بھال ہوتی ہے تاکہ دوسرے ملکوں میں کہیں یہ وبا نہ پھیل جائے اور اسی دیکھ بھال کی بدولت دوسرے ملک محفوظ بھی رہے ہیں۔ تحقیق ہوا ہے کہ طاعون کے جراثیم چوہوں میں پیدا ہو کر مچھروں کے ذریعے جلد کی راہ سے انسان کے جسم میں داخل ہوتے ہیں۔ سکانات کی صفائی اور موش کشی کے ذریعے سے اب بہت امن ہو گیا ہے۔ طاعون کا ٹیکہ بھی بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ اعداد و شمار اس قول کی صداقت پر شاہد ہیں۔ چند مثالیں کافی ہونگی۔ بلگام میں تراسی لوگ تھے۔ فوجی اسپتالی ٹولی کے ملازم اور ان کے بیوی بچے جو اردلین شفاخانے کے قریب رہتے تھے ان میں سے تین کے سوا باقی سب کے ٹیکے لگ چکے تھے پلیگ کا دور ختم ہونے پر معلوم ہوا کہ ٹیکہ لگے ہوئے اسی میں سے ایک بھی اس مرض میں مبتلا نہیں ہوا۔ حالانکہ باقی تین میں سے دو اسی کی بھینٹ چڑھے۔ خاندیس کی پولیس میں سے پندرہ سو آٹھ نے تو ٹیکے لگوائے مگر دو سو تین راضی نہیں ہوئے ٹیکے والوں کے مقابل بے ٹیکہ والوں میں سے وہ چند لوگ ضائع ہوئے۔ طاعون زدہ اضلاع میں خاص ٹیکہ لگانے والے دورہ کرتے ہیں۔ اور عملی طور پر لوگوں کے ذہن نشین کرتے ہیں کہ موش کشی وصفائی اور ٹیکہ اس وبا کے روکنے میں کس درجہ مفید ہے۔

چیچک سندوستان میں چیچک کی بھی بہت کثرت ہے۔ بالخصوص مدراس اور بنگال میں یہ بھی کیسی بلائے عظیم ہے اس کے برابر کوئی مرض متعدی نہیں کسی زمانے میں

انگلستان میں بھی اس کا دور دورہ تھا۔ لیکن ٹیکہ کا اثر دیکھئے کہ اب وہاں اس کا پتا بھی نہیں۔ وہاں ہر شخص ٹیکہ لگواتا ہے۔ پورا پورا فائدہ تب ہوتا ہے کہ ہر چھٹے ساتویں سال ٹیکہ لگواتے رہیں اور جب اس کا دور ہو تب بھی احتیاطاً ٹیکہ لگوالیں۔ برطانوی ہند میں سنہ ۱۷-۱۹۱۶ء میں جو بیس کرور ساٹھ لاکھ کی آبادی میں سے بیاسی لاکھ کے پہلے پہل ٹیکہ لگا۔ اور دس لاکھ سے کچھ زیادہ لوگوں نے اس کی تجدید کرائی۔ تاہم چند گزشتہ سال سے ٹیکہ کا رواج نمایاں طور پر بڑھ رہا ہے۔ اگرچہ اب بھی بہت سی دقتوں کا سامنا ہوتا ہے اور لوگ ٹیکہ کے فوائد سے بے خبر ہونے کی وجہ سے اب تک جان چراتے ہیں۔ گزیٹیر سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۸۶۴ء میں بنگال صوبہ متحدہ اور پنجاب۔ ان تینوں میں کل ۵۶ ۵ لوگوں نے ٹیکہ لگوایا اور انھی صوبوں میں سنہ ۱۷-۱۹۱۶ء میں پچاس لاکھ سے زیادہ لوگوں کے ٹیکہ لگا۔ ہر صوبہ میں بلدیہ یا مقامی مجالس یا سرکار کی طرف سے ٹیکہ لگانے والوں کے عملے مقرر ہیں۔ یہ لوگ گاؤں گاؤں پھر کر بچھڑوں کے مادّہ سے لوگوں کے ٹیکہ لگاتے ہیں۔ احاطہ بمبئی میں بمقام بلگام ایک ٹیکہ گھر قائم ہے جہاں یہ ٹیکا تیار ہوتا ہے۔

ہیضہ ہندوستان میں ہیضہ کی بھی کثرت رہتی ہے۔ اس کے جراثیم پینے کے پانی کے ذریعہ سے جسم میں پہنچتے ہیں۔ جہاں کہیں ہیضہ پھیلتا ہے۔ اس کے اسباب تحقیق کرنے کے لئے خاص حاکم بھیجے جاتے ہیں۔ وہ یہ بھی نگرانی رکھتے ہیں کہ حفظ ماتقدم کا پورا پورا لحاظ رہے اور مریضوں کا اچھی طرح علاج معالجہ ہو۔

بخار بخار ہندوستان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ ہر سال تخمیناً چالیس پچاس لاکھ جانیں اس کی نذر ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ لاکھوں مرتے نہیں تو اس کے ہاتھوں نہایت کمزور اور مضمحل ضرور ہو جاتے ہیں۔ یہ عام خیال ہے کہ بخار کے جراثیم مچھروں کے ذریعے سے پھیلتے ہیں۔ پس اس کی سخت ضرورت ہے کہ استادہ پانی جہاں مچھر بکثرت پیدا ہوتے ہیں جلد سے جلد نکال دیا جائے اور تمام کنوئیں اور حوض ڈھکے رہیں۔ جہاں تک ممکن ہے سرکار لوگوں کو اور بالخصوص ان کو جو بخار میں مبتلا ہیں کنین استعمال کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ چنانچہ کنین کی خوراکیں نہایت سستی قیمت پر ڈاکخانوں سے مل سکتی ہیں۔

صفائی یہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ ہر صوبے میں ایک کمشنر صفائی مقرر ہے اور ہر ضلع

اپنے ضلع کا حاکم صحت ہے لیکن بمبئی میں نائب کمشنر صفائی بھی مقرر ہیں جو صفائی اور صحت عامہ کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ۱۸۸۸ء سے ہر صوبہ میں ایک مجلس صفائی بھی قائم ہے جسکا فرض یہ ہے کہ مجالس اضلاع اور بلدیات جسقدر بھی آبرسانی اور بدررو کی اسکیموں کے متعلق کام کریں وہ اسکی نگرانی رکھے۔ بمبئی کے قانون صفائی کے مطابق وہاں مقامی انجمن ہائے صفائی قائم ہیں جن کا کام یہ ہے کہ اپنے اپنے حلقوں میں صفائی کے انتظامات کی نگرانی کریں۔ جو لوگ قانون صفائی کی خلاف ورزی کریں ان کو سزا دیں۔ اور صفائی کے اغراض کے واسطے تھوڑا سا محصول بھی وصول کریں۔ بلدیات، صفائی کی بڑی بڑی اسکیموں کے واسطے سرکار سے قرض لے سکتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ پریزیڈنسی شہروں کی صفائی کا انتظام بہت بڑے پیمانے پر کیا جاتا ہے اور اس کی نگرانی کے واسطے بلدیات میں خاص ماہر رہتے ہیں۔ بمبئی میں جو پانی برتا جاتا ہے وہ تنسا دھار اور تلسی جھیل سے آتا ہے۔ بمبئی اور کلکتہ میں محکمہ آرائش بلدہ کی بدولت بھی بہت کچھ اصلاح اور ترقی ہوئی۔

سرکار منطقہ حارہ کے امراض کی تحقیقات کرنے میں ہمت افزائی کرتی رہتی ہے۔ اور شملے کے قریب کسولی میں ایک ایسا انتظام موجود ہے کہ وہاں طبی ماہریں تحقیقات میں مصروف ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی جابجا سرکاری تجربہ خانے موجود ہیں جہاں اسی طرح کی تحقیقات کا کام ہوتا ہے۔ احاطہ بمبئی میں تجربہ خانے بمقام پریل اس عمارت میں واقع ہیں جو سابق میں گورنمنٹ ہاؤس یعنی ایوان حکومت تھی۔ تمام ہندوستان کے لئے طاعون کا تجربہ خانہ یہیں قائم ہے کسولی۔ شلانگ اور کونور میں پاسٹیور خانے موجود ہیں جہاں کتے کے کاٹے کا علاج ہوتا ہے۔

صحت اور صفائی کے متعلق اس باب میں جو کچھ بیان ہوا اس کی مزید تشریح کے لئے پرسیول رین صاحب کی کتاب الصحت جو ہندوستانی ہائی اسکول کے لئے لکھی گئی ہے مطالعہ کرنا مفید ہوگا۔

چودھواں باب

تعمیرات

نظم و نسق ہند کی تاریخ میں محکمۂ تعمیرات بھی خاص طور پر نمایاں رہا ہے۔ انگلستان میں یہ بات نہیں۔ کیونکہ وہاں ریلیں کمپنیوں کے ہاتھ میں ہیں۔ سڑکوں اور ریلوں کی تعمیر اور نگہداشت مجالس کونٹی اور بلدیات کے ذمے ہے اور عمارات عامہ کمپنیوں کی معرفت تیار ہوتی ہیں۔ سرکار کو صرف دیکھ بھال کا اختیار حاصل ہے یہ کام بھی محکمہ جات متعلقہ کے ملازم یعنی انسپکٹر لوگ انجام دیتے ہیں۔ ہندوستان کی حالت بالکل جداگانہ ہے پہلے زمانے میں لوگ مفلس تھے اور مل جل کر کام کرنا نہیں جانتے تھے۔ آبرسانی کا ایسا انتظام نہ تھا جیسا کہ اب ہے۔ اور ریلیں تو بہت ہی کم تھیں۔

محکمۂ تعمیرات کا انتظام

لارڈ ڈلہاوزی کے عہد میں سرکار کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ تعمیرات کا انتظام اپنے ذمے لے۔ ممالک مغربی و شمالی کے لفٹنٹ گورنر مسٹر ٹامسن نے پہلے ہی سے سڑکیں بنوانی شروع کر دی تھیں اور ۱۸۵۴ء میں نہر گنگ کھدنی شروع ہو گئی تھی۔ سب سے پہلے ۱۸۵۳ء میں بمبئی سے تھانہ تک بیس میل لمبی ریلوے لائن جاری ہوئی اور دوسرے ہی سال کلکتہ سے ہگلی تک ریل نکل گئی۔ اسی زمانے میں تعمیرات کا ایک ایک محکمہ بنگال مدراس اور بمبئی کے صوبوں میں قائم ہوا۔ ان کی نگرانی کے لئے چیف انجنیئر مقرر ہوئے۔ اور تعمیرات کا ایک معتمد سرکار ہند نے اپنے ہاں مقرر کیا۔ اس وقت سے فوجی اور سول تعمیرات جدا جدا شمار ہونے لگے۔ فوجی عمارات کی دیکھ بھال فوجی محکمے کے سپرد ہے۔ ریلوے لائنوں کی نگرانی جو پہلے محکمۂ تعمیرات کے متعلق تھی ایک ریلوے بورڈ کے سپرد ہے گورنر جنرل کی کونسل میں تجارت و صنعت کا صیغہ جس رکن کے سپرد ہے وہی اس کا نمائندہ شمار ہوتا ہے آبپاشی عمارات اور سڑکیں صوبہ واری حکومتوں کے انتظام میں ہیں اور مدراس و بمبئی میں تعمیرات کا

باب ۱۶

صیغہ گورنر بالعموم اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ ہر محکمہ کے لئے ایک تو سڑکوں اور سول عمارات کا معتمد مقرر ہے اور ایک آبپاشی کا۔ اب عام رجحان یہ ہے کہ معمولی سڑکوں اور چھوٹی چھوٹی عمارتوں کی مالی ذمہ داریاں مجالس اضلاع اور بلدیات پر ڈالدی جاتی ہیں۔ سرکار ہند کا ایک اپنا محکمہ تعمیرات بھی ہے وہ اس ممبر کونسل کے تحت میں رہتا ہے جس سے مالگذاری اور زراعت کا صیغہ متعلق ہے۔ اور مقامی حکومتوں کے اس قسم کے کام کی نگرانی کرنے کا بھی اس کو اختیار حاصل ہے بالعموم وہ صرف خاص خاص تجاویز میں دخل دیتا ہے جس میں بڑی بڑی رقمیں خرچ ہوں۔ بغرض انتظام ہر صوبہ میں چند حلقے قرار دیئے جاتے ہیں اور کبھی کبھی ضلعے ایک حلقے میں شامل ہوتے ہیں۔ ہر حلقہ ایک ناظم تعمیرات کے سپرد ہے اور ہر ضلع میں ایک مہتمم تعمیرات رہتا ہے جسکے تحت میں مددگار مہتمم اور ماتحت عملہ کام کرتا ہے۔

ملازمین محکمہ

تعمیرات کے محکمہ میں تین طبقے ہیں۔ امپیریل سروس یا شاہی خدمت پراونشل سروس یا صوبوں کی خدمت اور سب ارڈنیٹ یا ماتحت خدمت پہلی میں چیف انجینیر ناظم تعمیرات۔ مہتمم تعمیرات اور مددگار مہتمم شامل ہیں۔ سنہ ۱۸۷۱ء میں انگلستان میں بمقام کوپرہل رائل انڈین انجینیرنگ کالج قائم ہوا۔ جہاں طلبہ ہندوستان کے محکمہ جات ریلوے، تعمیرات جنگلات۔ اور انجینیری کے لئے تعلیم پاتے ہیں سنہ ۱۹۰۶ء میں یہ کالج بند ہوگیا اور محکمہ تعمیرات کے افسر اب وزیر ہند کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں۔ صوبہ واری اور ماتحت خدمات میں وہ لوگ شامل کئے جاتے ہیں جو رڑکی۔ پونہ مدراس یا سبپور کے انجینیرنگ کالج میں تعلیم پاچکے ہیں۔

مالیہ

سول تعمیرات کے مصارف جن میں عمارات عامہ داخل ہیں یا تو مقامی حکومت کے ذمے پڑتے ہیں۔ یا بعض حالتوں میں مجالس ضلع یا بلدیات کے ذمے۔ اور اگر مصارف کا تخمینہ ایک مقدار معین سے زائد ہو تو سرکار ہند کی منظوری بھی ضروری ہے۔ ایک ناظم آبپاشی مقرر ہے جس کا کام یہ ہے کہ آبپاشی کی اسکیموں کے جو نقشے اور تخمینے سرکار ہند میں آئیں ان کی جانچ اور تنقید کرے۔ اور تعمیرات آبپاشی پر عام نگرانی رکھے۔ سرکار ہند سے منظوری ملنے کے بعد تعمیر اور داشت کا کام صوبہ واری حکومتوں کے ہاتھ میں آجاتا ہے۔

باب ۱۲

آبپاشی سرکار ہند نے بہت اچھا کیا کہ آبپاشی پر بہت زیادہ توجہ صرف کی اور اس کام میں سرکار کو جس قدر کامیابی حاصل ہوئی ہے وہ کبھی [illegible] سے کم نہیں بلکہ اکثر سے بڑھی ہوئی ہے۔ آبپاشی کے نہر نالوں سے پانی بھی قابو میں آجاتا ہے۔ اور ان سے مسافروں اور اسباب کی نقل و تحویل کا بھی کام نکلتا ہے پانی کی قلت ہندوستانی زراعت کے لئے بہت بڑی سدّ راہ تھی لیکن اس آبپاشی کی بدولت کوئی چار کرور ساٹھ لاکھ ایکڑ زمین قابل کاشت ہوگئی اور اب اس پر نہایت حاصل خیز فصلوں کی کاشت ہوتی ہے علاوہ بریں بنگال کے سوا اور حصوں میں بیشتر دریا کشتی رانی کے قابل نہیں ہیں لیکن نہروں سے اس خرابی کی بہت کچھ تلافی ہوگئی ہے۔

کنویں آبپاشی کے ہندوستان میں کئی طریق ہیں لیکن وہ سب بآسانی تین قسموں کے تحت میں آسکتے ہیں کنویں تالاب اور نہریں۔ ہزارہا کنویں موجود ہیں جن میں تہ زمین سے پانی نکلتا ہے۔ اور ان میں سے بعض کی تعمیر میں معتدبہ رقم لگی ہے۔ کنواں تنہا کچھ زیادہ کارآمد نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ ایک سے لیکر بیس ایکڑ تک آبپاشی کرسکتا ہے اس سے زیادہ نہیں فی نفسہ یہ رقبہ تھوڑا معلوم ہوتا ہے لیکن یہاں کنوؤں کی اس درجہ کثرت ہے کہ ان کے ذریعہ سے تخمیناً ایک کرور تیس لاکھ ایکڑ زمین کی آبپاشی ہوتی ہے۔

تالاب تالابوں کی تو مدراس میں بہت کثرت ہے دو پہاڑوں کے درمیان جہاں تنگ گھاٹی ملی وہیں بند باندھکر پانی روکدیا اور ایک جھیل کا سا بڑا تالاب بن گیا۔ جس طرف تالاب کی تہ نیچی ہوئی نالیاں نکال لیں اور گرد و نواح کی آبپاشی کرلی۔ بہت سے تالاب لوگوں نے نجی طور پر تیار کرلئے ہیں لیکن کچھ بڑے بڑے تالاب سرکار نے بھی بنوائے ہیں اور اکثر تالابوں کی داشت سرکار نے اپنے ذمے لے رکھی ہے کوئی ستر لاکھ ایکڑ کی مدراس میں اس طرح آبپاشی ہوتی ہے۔

نہریں دریاؤں سے بذریعہ نہروں کے آبپاشی کرنا۔ یہ کام کیا بلحاظ تعمیر اور کیا بلحاظ داشت تمام و کمال سرکار خود انجام دے رہی ہے۔ دریا کے ڈیلٹا یا ٹکوں کی دہانہ پر اس کنارے سے اُس کنارے تک وارپار ایک بند باندھتے ہیں تاکہ جو پانی سمندر میں گرتا ہے وہ رک جائے۔ جب پانی اس طرح فراہم ہوگیا تو کناروں سے نالے نکال

نکال کر کھیتوں میں تقسیم کر دیا۔ آبپاشی کا یہ طریق احاطہ مدراس میں خاص طور سے رائج ہے۔ شمالی ہندوستان کا طریق ذرا مختلف ہے بنگال میں آبپاشی کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ وہاں کافی بارش ہو جاتی ہے۔ البتہ صوبہ متحدہ اور پنجاب میں اس کی سخت ضرورت رہتی ہے کہیں کہیں گنگا اس قدر پھیلی ہے کہ چھ چھ میل کا پاٹ ہو گیا ہے اور اس کی سطح بھی گرد و نواح سے بہت پست ہے اس بنا پر یہ تدبیر کرنی پڑی کہ اس کا پانی ہمالیہ سے اترتے ہی ہردوار پر روکا اور ایک چوڑی نہر کے ذریعے سے جس کو مصنوعی دریا کہیں تو بجا ہے دوآبہ کے بیچ ڈھال تک پانی لے گئے جہاں سے وہ نالوں کے ذریعے ملک میں دور دور تک باسانی پہنچ سکتا ہے۔ پنجاب میں بھی اسی طرح ستلج۔ جہلم اور چناب سے آبپاشی ہوتی ہے۔ بالخصوص چناب کے ذرائع آبپاشی بہت وسیع ہیں۔

ریلوں کا انتظام ۱۹۰۵ء میں ریلوں کا انتظام ایک ریلوے بورڈ کے سپرد کر دیا گیا ہے جس میں ایک صدر اور دو ممبر شریک ہیں اور گورنر جنرل کی کونسل میں ریلوں کا کام تجارت و صنعت کا ممبر انجام دیتا ہے یہ بورڈ سرکار کے تحت میں ہے صوبہ داری حکومتوں کی ماتحت نہیں۔ ریلوے کمپنیاں اپنے اپنے عملے مقرر کرتی ہیں لیکن اعلےٰ عہدہ داروں کے تقرر میں سرکار ہند کی منظوری کو بھی دخل ہے ہر کمپنی کا اعلیٰ عہدہ دار بالعموم ایجنٹ کہلاتا ہے۔ اس کی ماتحتی میں کئی عہدہ دار کام کرتے ہیں۔ ٹریفک مینیجر یعنی ناظم نقل و تحویل چیف انجینیر لوکو موٹو سپرنٹنڈنٹ جس کی نگرانی میں انجن وغیرہ رہتے ہیں اور اسٹور کیپر یعنی مہتمم گودام۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے صیغے کا اعلےٰ حاکم شمار ہوتا ہے۔ اعلےٰ عہدوں کے واسطے لوگ انگلستان سے لئے جاتے ہیں لیکن اگر یہاں بھی کسی میں ضروری صفات موجود ہوں تو وہ مستثنیٰ صورتوں میں مقرر ہو سکتا ہے۔

ریلوں کا مالیہ گزشتہ صدی کے وسط میں سرکار کو ریلوں کی تعمیر اور داشت میں ہاتھ بٹانے کی ضرورت محسوس ہونی شروع ہوئی۔ اس غرض سے ولایت کی چند کمپنیوں سے معاہدے کئے گئے سرکار نے ان کمپنیوں کو ریلوے لائنوں کے لئے زمین مفت دے دی اور اصل پر ۵ فیصدی سود کا خود ذمہ لے لیا۔ اور اگرچہ منافع

اس سے زیادہ رہے تو اس کا کمپنی اور سرکار کے درمیان تقسیم ہونا قرار پایا۔ سرکار کو یہ بھی حق رہا کہ ۲۵ سال کے بعد بشرح معین ریلوں کو خرید لے اور ریلوں کے انتظام اور کاروبار کی نگرانی کے ذرائع بھی اس کو حاصل رہے۔ جن کمپنیوں سے مذکورہ بالا معاہدہ ہوا وہ یہ ہیں گریٹ انڈین پنینسلا ریلوے۔ مدراس ریلوے۔ سدرن ریلوے ایسٹ انڈین ریلوے۔ بمبئی۔ بڑودہ۔ سنٹرل انڈیا ریلوے۔ ایسٹرن بنگال ریلوے نارتھ ویسٹرن ریلوے اور اودھ روہیلکھنڈ ریلوے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کمپنیوں کے کام سے ملک کو بیحد فائدہ پہنچا۔ لیکن چند وجوہات سے مالی نتائج اچھے نہ رہے اول تو تعمیر میں اندازہ سے زیادہ صرفہ ہوا۔ دیگر شعبوں میں بھی بہت فضول خرچی رہی نگرانی بھی ناقص تھی اور سب سے بڑھکر یہ دقت پیش آئی کہ ۱۸۵۷ء کے غدر نے کچھ عرصے کے لئے سارا انتظام درہم برہم کر دیا ۱۸۶۹ء سے سرکار نے یہ تجویز کی کہ وہ خود ریلوے تعمیر کرے اور کچھ سال کے لئے اس کام کے واسطے ایک رقم بھی مقرر ہو گئی لیکن یہ نئی تجویز بار آور نہ ہوئی کام کی رفتار بہت سست تھی آخرکار پھر وہی گارنٹی یا کفالت کا طریق جاری کیا۔ یعنی ایک مقررہ شرح سود کا سرکار نے ذمہ لے لیا۔ لیکن دیگر شرائط میں کچھ ترمیمیں کر دیں جو سرکار کے حق میں مفید تھیں گزشتہ چالیس سال سے بہت سی کمپنیاں جدید شرائط کی پابندی کے ساتھ ہندوستانی ریلوں کی ترقی و توسیع کا کام کر رہی ہیں ریلوں کے واسطے سرکار بھی اکثر قرضہ لیتی رہی ہے۔ قرض ستانی کا طریق اگلے باب میں بیان ہوگا۔ سرکار کو اب بھی حق حاصل ہے کہ میعاد معین کے بعد ان ریلوں کو خرید لے جن کی اس طرح کفالت کی گئی ہے اور اکثر ایسا ہو بھی رہا ہے

ریا کا سرکار ہند کی ریلوے پالیسی پر بہت کچھ نکتہ چینی کی جاتی ہے یہ سچ ہے کہ شروع شروع میں کمپنیوں کے ساتھ بہت نرمی برتی گئی نگرانی کافی نہیں ہوئی اور فضول خرچی بھی ہوتی رہی لیکن اس صدی کے شروع سے تقریباً ہر سال ریلوں کے مالیہ میں ادا شدہ قرضہ اور دیگر مصارف کاروبار منہا ہونے کے بعد منافع بچ رہتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ریلیں نکالنا ایک بڑا دانشمندانہ اور تاجرانہ کام ہے اس کے علاوہ ریلوں کی خوبی کا صحیح اندازہ صرف نفع و نقصان کے گوشوارے

سے نہیں ہو سکتا ہر ملک میں خاصکر ہندوستان جیسے وسیع ملک میں ریلوں نے لوگوں کی دولت میں بیحد اضافہ کیا ہے جن اضلاع میں آبادی بہت چھدری ہے - وہاں بھی باوجود منافع کی امید نہ ہونے کے ریلیں اس غرض سے نکالدی ہیں کہ ذرائع آمدورفت کشادہ ہونے سے وہاں کے ذرائع پیداوار میں ترقی ہو کچھ ریلیں بالخصوص شمال مغرب میں فوجی مصلحتوں کی خاطر نکالی گئی ہیں اگر ان میں مالی خسارہ بھی ہو تو عجب نہیں - اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ریلوں سے قحط دفع کرنے میں بہت مدد ملتی ہے - ریلوں کی یہ کارگزاری اس قدر اہم ہے کہ وہ اگلے باب میں جداگانہ بیان ہوگی -

پندرھواں باب

امدادِ قحط

امدادِ قحط کا انتظام

تعمیراتی کے سلسلے میں قحطوں کی دردناک سرگزشت اور نیز وہ کوششیں قابل ذکر ہیں جو قحط کے بُرے اثر رفع کرنے کے لئے اس زمانے میں کی گئی ہیں۔ قدیم زمانے سے ہندوستان میں قحط پڑتے رہے ہیں۔ موسمی ہوا نہ چلنے۔ لوگوں کی تنگدستی اور جماعت کثیر کا ذریعہ معاش محض زراعت ہونے کی وجہ سے یہ خوفناک مصیبت پیش آتی ہی۔ پہلے زمانے میں لوگوں کی قحط میں کچھ مدد نہیں کی جاتی تھی کہ ان کی مصیبت گھٹتی۔ لارڈ نارتھ بروک نے خوب سمجھ لیا کہ وقتاً فوقتاً قحط پڑنا ضروری ہے۔ اور سرکار کا فرض ہے کہ قحط کے بارے میں ایک خاص پالیسی قرار دے کہ اس کو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے۔ چنانچہ لارڈ لٹن نے ایک کمیشن مقرر کیا جسکے صدر سر رچرڈ اسٹریچی تھے تاکہ وہ کمیشن قحط کے اسباب تحقیق کرے۔ اور نیز یہ بھی تجویز کرے کہ کس طرح سرکار مصیبت زدوں کی مدد کر سکتی ہے بعد میں دو کمیشن اور مقرر ہوئے ایک کے صدر سر جیمس لیال تھے اور دوسرے کے سر انٹنی جواب لارڈ مکڈانل کہلاتے ہیں۔

ان کمیشنوں نے جو رپورٹیں پیش کیں اور بعد میں جو کچھ کارروائیاں ہوئیں ان سے ہم قحط کے باب میں سرکاری پالیسی کے بنیادی اصول اخذ کر سکتے ہیں۔ جان بچانا اور شدید تکلیف سے نجات دلانا یہ بڑا مقصد اس وقت عمدہ طور پر حاصل ہو سکتا ہے۔ جبکہ خیراتی امداد اس طرح پہنچائی جائے کہ اس کا کوئی بُرا اثر امداد پانیوالوں کے عادات اور اخلاق پر نہ پڑنے پاوے۔ کیونکہ تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ بے محل اور زائد از ضرورت خیرات سے لوگوں کے اخلاق و عادات ضرور بگڑ جاتے ہیں۔ سرکاری خیرات کی تقسیم کے وقت یہ نہیں ہوتا کہ آنکھیں بند کر کے خیرات بانٹنی شروع کر دی جائے بلکہ حتی الوسع یہ کوشش کیجاتی ہے کہ لوگوں میں کفایت شعاری

باب ۱۵

اور خود اعتمادی برقرار رہے عام اصول یہ ہے کہ قحط کے زمانے میں ہر شخص کو کام کرنے کا حق حاصل ہے لیکن ہر کسی کو خیرات پانے کا حق نہیں۔ ہر گانوں میں ایسے لوگوں کی ایک فہرست تیار ہو جاتی ہے جو جسمانی مجبوریوں کی وجہ سے کام کرنے سے معذور ہیں۔ اور جو خیرات نہ ملنے کی صورت میں فاقہ کریں گے۔ ایسے لوگوں کو البتہ کچھ غلہ دیدیا جاتا ہے بچوں کو ان کے والدین سے جدا امداد ملتی ہے لیکن نقد کے بجائے ان کو بھی کھانا ہی دیا جاتا ہے۔ گانوں میں کسی معتبر شخص کے زیر اہتمام خیراتی باورچیخانہ کھل جاتا ہے اور بچے ہر روز وہیں سے اپنا کھانا لے آتے ہیں۔

امدادی کام

تجربے سے معلوم ہوا ہے کہ قحط کی مصیبت گھٹانے کے واسطے ضروری ہے کہ سمے کے زمانے میں کچھ رقم پس انداز کی جائے۔ چنانچہ ہر سال ڈیڑھ کرور کی رقم امداد قحط اور بیمہ کی مدمیں داخل ہوتی رہتی ہے۔ اس رقم سے یا تو قرضہ ادا کر دیا جاتا ہے یا اس کو ریلوں اور آبپاشی میں صرف کر دیتے ہیں تاکہ ان کاموں کے واسطے مزید قرضہ نہ لینا پڑے قحط کے زمانے میں اتنی ہی رقم امداد کے واسطے قرض لے لیتے ہیں اور سرکار پر کوئی بار نہیں پڑنے پاتا۔ امدادی کام چھیڑے جاتے ہیں مثلاً ریلوے لائن یا آبپاشی کے نہر نالوں کی تیاری شروع کر دی جاتی ہے اور جو لوگ کام کرنے کے قابل ہیں وہ محنت مزدوری سے لگ جاتے ہیں۔ نگرانی میں بہت احتیاط ضروری ہے اور مزدوروں پر بھی چند شرائط کی پابندی لازم ہوتی ہے۔ اجرت کم دی جاتی ہے۔ بس اس قدر کہ ضروریات حیات پوری ہو سکیں کام خوب لیا جاتا ہے اور مزدوروں کے دیہات سے کام کا مقام دور رکھا جاتا ہے تاکہ وہ لوگ کام کی جگہ رہیں نہ کہ اپنے گھروں پر۔ اس طرح سے بغیر کسی فضول خرچی کے کافی امداد پہنچ جاتی ہے۔ بارش شروع ہونے پر امدادی کام روک دیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ اس وقت کھیتی کے کام کے لئے چاروں طرف مزدوروں کی مانگ ہوتی ہے۔ اگر ضرورت ہوئی تو چھوٹے چھوٹے امدادی کام اور وہ بھی مزدوروں کے دیہات کے قریب چھوٹا میں جاری رکھے جاتے ہیں کاشتکاروں کو تخم اور مویشی خریدنے کے لئے پیشگی رقم تقسیم کر دی جاتی ہے اور ہر ممکن طریقے سے امداد کی جاتی ہے تاکہ زراعت کا کام شروع ہو قحط کے زمانے میں مالگزاری بھی ملتوی ہو جاتی ہے۔

باب ۱۵

ریلوے اور آبپاشی

اوپر کے بیان سے معلوم ہوا کہ سرکار کی طرف سے قحط کے زمانے میں لوگوں کی جان بچانے کی کیسی کیسی کوششیں ہوتی ہیں۔ قحط کمیشن نے قحط روکنے کی بھی کچھ تدبیریں پیش کی ہیں۔ ریلوں اور ذرائع آبپاشی کی تیاری کا اس سے قبل ذکر آچکا ہے۔ آبپاشی کے کام قحط روکنے میں بہت کارگر ہوتے ہیں۔ کیونکہ خشک سالی میں اُن کے ذریعے سے زراعت جاری رہ سکتی ہے۔ ریلوں سے بھی کچھ مدد ملتی ہے۔ بات یہ ہے کہ تمام ملک میں تو ایک ساتھ فصل خراب ہوتی نہیں بلکہ کسی خاص حصے میں فصل کو نقصان پہنچتا ہے۔ پس بحیثیت مجموعی ملک میں غلہ ضرور موجود رہتا ہے ریلوں کا بڑا کام یہ ہے کہ جہاں غلے کی کمی ہوئی وہیں دوسرے حصوں سے لاکر پہنچا دیا بلکہ کچھ عرصے سے یہی ہوتا ہے کہ قحط زدہ حصوں کے مزدور ریل کے ذریعے سے ایسے مقامات میں پہنچ جاتے ہیں جہاں ان کو مزدوری اور کھانا مل سکتا ہے۔

زراعتی محکمے

قحط کے زمانے میں جس قدر برداشت اور سہار لوگوں سے ظاہر ہوتی ہے اسکی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ اس کی بھی بیشمار مثالیں موجود ہیں کہ لوگوں نے بیج کے طور پر امداد دی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ لوگوں کے ذرائع آمدنی بہت محدود ہیں اور جب کبھی دو ایک فصلیں خراب ہوئیں قحط شروع ہوجاتا ہے۔ سرکار یہ اپنا فرض سمجھتی ہے کہ ذرائع امداد دوسرے طریقوں پر بڑھائے۔ سرکار ان لوگوں کے مفاد اور بہبودی کو خاصکر پیش نظر رکھتی ہے جو غریب بے زبان جفاکش اور اطاعت شعار کاشتکار ہیں جن کی تعداد ملک میں اسی فیصدی سے کم نہیں۔ جن کو سیاسیات سے کچھ سروکار نہیں لیکن سیاسی معاملات کی بھلائی بُرائی بھگتنی پڑتی ہے۔ اور جن کے حال پر اور تو اور خود ان کے ہم وطن نظر نہیں ڈالتے صوبوں کی حکومتوں کے تحت میں زراعتی محکمے قائم ہیں۔ اور ان کی امداد کے لئے سرکار ہند کی طرف سے ایک مشیر زراعت مقرر ہے اس اہتمام کی غرض یہ ہے کہ لوگوں کو سائنسی طریقے کی زراعت سیکھنے کی ترغیب ہو جا بجا سرکاری کھیت موجود ہیں جہاں علمی تجربے کئے جاتے ہیں اور اُن کی بنا پر کاشتکاروں کو مفید مشورہ دیا جاتا ہے۔ ہر بڑے صوبے میں ایک زراعتی کالج موجود ہے اور زیر نگرانی سرکار ہند ایک بڑا کالج پوسا میں بھی قائم ہے جہاں زراعت کے متعلق تحقیق ہوتی رہتی ہے۔ اس کالج کے

باب ۱۵

واسطے رقم کثیر ایک امریکہ کے باشندے مسٹر فِبس نے مرحمت کی تھی جو لارڈ کرزن سے بڑے راج تھے۔

جنگلات کے محکمے ۱۸۶۴ء سے قائم ہیں۔ یوں تو صوبہ واری حکومتوں کی ان پر نگرانی رہتی ہے۔ لیکن سرکار ہند کی طرف سے بھی مدد کے لئے ایک انسپکٹر جنرل یعنی صدر ناظم جنگلات مقرر ہے۔ ہر صوبے میں متعدد حلقے یا قسمیں قرار دیکر ان کو جداگانہ ایک ایک کنزرویٹر یعنی ناظم جنگلات کے سپرد کر دیا ہے اس محکمے میں بھی تین طبقے ہیں۔ امپیریل سروس یعنی شاہی خدمت جس کے لئے انگلستان سے ایسے لوگ لئے جاتے ہیں جو انگلستان، فرانس اور جرمنی میں خاص تعلیم پا چکے ہوں پراونشیل یا صوبہ واری اور ماتحت خدمات میں ہندوستان کے لوگ داخل کئے جاتے ہیں ان میں سے اکثر دہرہ دون کے کالج جنگلات کے پرانے طالب علم ہوتے ہیں ایک لاکھ مربع میل رقبہ مخصوص جنگلات کا اور ڈیڑھ لاکھ مربع میل محفوظ جنگلات کا ہے پہلی قسم کے جنگلات میں نگہداشت کے قواعد قسم دوم کے مقابل بہت زیادہ سخت ہیں لیکن خاص خاص حالتوں میں قرب و جوار کے رہنے والوں کو ایسے جنگلات سے بھی خانگی استعمال کے لئے ایندھن مل سکتا ہے آجکل جنگلات کے انتظام سے خوب فائدہ ہو رہا ہے ۱۹۱۳-۱۴ء میں آمدنی کی مقدار (۲۲۲۰۱۰۳) پونڈ تھی اور خرچ کی مقدار (۱۱۶۹۵۶۴) پونڈ۔ لیکن محکمۂ جنگلات کا اصلی مقصد عوام کو فائدہ پہنچانا ہے۔ نہ کہ چوبینہ کی فروخت سے نفع اٹھانا خشک سالی میں مویشی محدود جنگلات کے اندر چر سکتے ہیں۔ اور اس طرح بہت سوں کی جان بچ جاتی ہے۔ اور اگر کوئی برا وقت آن پڑے تو لوگ جنگلات کے پھل پھول پر گزارا کر سکتے ہیں۔ سب ملکوں میں نئے جنگلات کی حفاظت ضروری سمجھی جاتی ہے۔ دیگر حکومتیں جو جنگلات کے متعلق کوئی نئی پالیسی اختیار کرنا چاہتی ہیں تو ہندوستان کے حکام جنگلات سے اکثر مشورہ کر لیتی ہیں۔ آتشزدگی سے تباہی پھیلتی ہے اور جنگلات کو اس بلا سے بچانے کے لئے بہت سے نگہبان تعینات رہتے ہیں اس میں بھی کلام نہیں کہ جنگلات کا مقامات گرد و پیش کے موسموں پر بہت اثر پڑتا ہے مرطوب مقامات جنگلات کی بدولت سیلاب سے محفوظ رہتے ہیں۔ اور خشک مقامات میں جنگلات کے

باب۱۵

طفیل سے نمی برقرار رہتی ہے اور زمین کی زرخیزی بڑھتی ہے۔

انتقال اراضی

زراعت پیشہ لوگوں کے ہاتھ سے نکل نکل کر جو زمینیں غیر زراعت پیشہ لوگوں کے قبضے میں جارہی ہیں اور رعایا جو اس قدر قرضدار ہے تو سرکار نے بھی ان معاملات پر توجہ کرنی ضروری سمجھی ۱۸۷۹ء میں ایک قانون پاس ہوا جس کو قانون امداد مزارعین دکن کہتے ہیں اس کا منشا یہ تھا کہ کاشتکار بہ ضمانت اراضی قرض لیں۔ تو ساہوکاران سے بہت زیادہ سود کا مطالبہ نہ کرسکیں۔ نتیجہ کچھ بہت اچھا نہیں نکلا۔ کیونکہ ساہوکار لوگ طرح طرح کے حیلے حوالے کرکے قانون کی گرفت سے بچتے رہے۔ مدت بعد سرکار نے دیکھا کہ پنجاب میں زمین اندیشہ ناک طور پر جلد جلد ایسے لوگوں کے ہاتھ میں منتقل ہوئی چلی جاتی ہے جن کو اس کی اصلاح اور ترقی سے کوئی غرض اور دلچسپی نہیں ہوسکتی۔ جن لوگوں کے ہاتھوں سے زمین نکلی جارہی تھی وہ قرض سے زیر بار ہوچکے تھے اور ان کی تہی دستی خود سلطنت کے حق میں خطرناک تھی۔ بہت غور و فکر کے بعد قانون انتقال اراضی پنجاب سنہ ۱۹۰۰ء میں شاہی مجلس وضع قوانین میں پیش ہوکر منظور ہوا۔ منشا یہ تھا کہ ایک طرف تو چھوٹے چھوٹے میراثی کاشتکاروں کی اپنی زمینیں ساہوکاروں اور بنیوں کی دستبرد سے محفوظ ہوجائیں اور اس کے ساتھ ہی ان کو اپنی زمینوں کی ضمانت پر قرض لینے کا موقع حاصل رہے۔ زراعت پیشہ لوگوں کو قانوناً ممانعت ہوگئی کہ وہ اپنے ہم پیشہ لوگوں کے سوا کسی اور کے ہاتھ زمین فروخت نہ کریں اگر وہ اپنی زمین رہن کرنا چاہیں تو شوق سے زراعت پیشہ لوگوں کے پاس رہن رکھ دیں۔ لیکن اگر وہ غیروں کے ہاتھ رہن کریں مثلاً بنیوں اور ساہوکاروں کے ہاتھ تو بیس سال بعد ان کا قرضہ کالعدم سمجھا جائے گا۔ لین دین کرنے والوں کی طرف سے اس قانون کی مخالفت ہوئی۔ لیکن اس قانون سے یہ ایک بڑا فائدہ پہنچا کہ پنجاب کی عمدہ زراعت پیشہ قومیں باطمینان اپنے بزرگوں کی زمینوں کی مالک بن بیٹھی ہیں کسی کی مجال نہیں کہ ان کی ملکیت میں دست اندازی کرے۔

تقاوی

چند خاص قوانین کے بموجب سرکار مجاز ہے کہ کاشتکاروں کو کنوئیں بنانے۔ تخم خریدنے اور زمینیں درست کرنے کے لئے تقاوی کے نام سے مناسب رقمیں

قرض دے جو بعد کو بذریعہ اقساط سرکار کو وصول ہو جاتی ہیں اور تنگ دستی کی حالت میں یہ اقساط بھی مالگزاری کی طرح معاف یا ملتوی کر دی جاتی ہیں تاکہ کاشتکاروں پر بیجا بار نہ پڑے سرکار جو تقاوی بانٹتی ہے تو اس کا منشا صرف یہ ہوتا ہے کہ کاشتکاروں کو زیادہ سود دینا یا زمین علیحدہ کرنا نہ پڑے۔ لیکن کھیتی باڑی کیلئے جسقدر اصل درکار ہوتا ہے تقاوی اس کا ایک قلیل جزو ہوتا ہے۔ اور آپ اپنی مدد اور آپس میں ایک دوسرے کی مدد کئے بغیر ان کی حالت سدھرنی ممکن نہیں۔ امداد باہمی کی تحریک ہندوستان میں بہت سرسبز ہو رہی ہے۔ سر تھیوڈر ماریسن نے نہایت مختصر الفاظ میں اصلی دقت بیان کر دی ہے اور وہ یہ ہے کہ کاشتکار کو قرضے کی ضرورت رہتی ہے اگر اس کا ملنا دشوار ہے تو ربا خوار کاشتکار کو تباہ کر دیتا ہے اور اگر ملنا سہل ہے تو وہ ادھا دھند قرض لیکر اپنے کو خود تباہ کر ڈالتا ہے کاشتکاروں کی دائمی مقروضی ہندوستان میں کوئی نئی بات نہیں ہے اور نہ دیگر ممالک میں۔

سر فریڈرک نکلسن لکھتے ہیں کہ منرو صاحب نے مدراس میں اور الفنسٹن صاحب نے بمبئی میں انیسویں صدی کے شروع میں اپنی تحریرات میں یہ بات اچھی طرح پر واضح کر دی تھی کہ رعایا سرتاپا قرض میں غرق تھی ایک فصل سے دوسری فصل تک ساہوکار کے دیئے پر بسر ہوتی تھی۔ پیداوار کا ماحصل زائد سود کی مد میں ساہوکار کی نذر ہوتا تھا۔ رہی اصل قرض کی ادائی سو اس کا خیال تک نہیں آتا تھا۔ جرمنی میں بھی غریبوں کی حالت غلامی سے بدتر تھی۔ اپنی ذات پر ان کو کوئی بھروسا نہیں رہا تھا۔ اور اپنی موجودہ قوتوں کی وقعت ان کے دل سے محو ہو تی جاتی تھی ان کی قوت فیصلہ مدھم پڑ گئی تھی اور اولو العزمی اور جرأت کا ولولہ سرد پڑ گیا تھا۔ مسٹر وولف بھی اس واقعہ کی اس طرح تصدیق کرتے ہیں کہ برسوں ہر ایک سے یہی شکایت سنی کہ یہودی لوگ دیہاتیوں کا خون چوس رہے ہیں طرح طرح کے قوانین پولیس کی تنبیہات اور نصیحتیں یہ سب تدبیریں عمل میں آئیں کہ کسی طرح ان کی دستبرد رکے۔ مگر ایک نہ چلی یہی حال اٹلی میں سنا جاتا ہے کہ کاشتکار ساہوکاروں کے ہاتھ میں تھے اور مزید براں وہ اس بات پر بھی مجبور کئے جاتے تھے کہ ناقص سامان نہایت اعلےٰ قیمت پر خریدیں۔ تاکہ ان کے قرضخواہ

باب ۱۵

دکانداروں کو منافع ہو۔

قرضہ امداد باہمی کی انجمنیں

بالآخر تین بڑے محب انسان کھڑے ہوئے شولز اور رفیزن تو جرمنی میں اور لزاٹی اٹلی میں تاکہ غریب کاشتکاروں کو اس مصیبت سے نجات دلائیں اس مشکل کا صرف ایک حل نکلا وہ یہ کہ قرض امداد باہمی کی انجمنیں قائم کی گئیں ہر ایک انجمن کی ترکیب اور فروعات بہت کچھ مختلف ہیں لیکن سب کا بنیادی اصول ایک ہے کاشتکاروں کو بطور خود مناسب شرائط پر قرض نہیں ملتا۔ اور نہ وہ اپنے کو ایسے قرض کا مستحق بنانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اگر کچھ کاشتکار ملکر ایک انجمن بنا لیں تو وہ انجمن البتہ اپنی مجموعی ضمانت پر مناسب شرح سے قرض لے سکتی ہے۔ انجمن میں صرف وہی کاشتکار شریک کئے جاتے ہیں جو محنتی اور معتبر ہوں۔ گویا ایسی انجمن سے معاشی اور اخلاقی دونوں قسم کا فائدہ پہنچتا ہے۔ یورپ میں اس کا بہت اچھا نتیجہ نکلا کاشتکار ساہوکاروں کی غلامی سے آزاد ہوتے جاتے ہیں۔ دیہات میں مایوسی کی جگہ امید پھیل رہی ہے اب کاشتکار کو بآسانی حسب ضرورت قرض مل جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ ساہوکار ہی کا دست نگر ہو یہ تحریک ہندوستان میں بھی پھیل رہی ہے اس کی ابتدا انڈین سول سروس کے ایک رکن سر فریڈرک نکلسن کی کوشش سے نہایت عمدگی کے ساتھ مدراس میں ہوئی۔ انھوں نے اس قسم کی یورپ کی موجودہ انجمنوں کا حال لکھکر یہ بتایا کہ ہندوستان کے حسب حال بنانے کے واسطے ان میں کیونکر ترمیم کرنا چاہیئے نکلسن صاحب کے جوش کا اس بات سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ملازمت ختم ہونے کے بعد وہ پھر ہندوستان آئے اور اپنی تجاویز کی تکمیل میں لوگوں کا ہاتھ بٹایا۔ کچھ سال بعد لارڈ کرزن نے انجمنہائے قرضہ امداد باہمی کا مسودۂ قانون مجلس وضع قوانین میں پیش کرایا جو سنہ ۱۹۰۴ء میں پاس ہوکر قانون بن گیا قانون میں بہت احتیاط برتی گئی ایسی انجمنیں قائم کرنے کی اجازت تو مل گئی۔ مگر قانون میں یہ کچھ نہیں بتایا گیا کہ انجمن کی ترکیب اور ساخت کن اصولوں پر ہونی چاہیئے۔ مقامی حکومتوں کو البتہ یہ اختیار مل گیا کہ وہ اپنے اپنے ہاں ایک رجسٹرار مقرر کریں۔ جو ان انجمنوں کی نگرانی اور اُن کے قیام میں لوگوں کی ہمت افزائی کرتا رہے۔ اس انتظام کا بہت اچھا نتیجہ نکلا۔ وہ یہ کہ ہر صوبے میں وہاں کے لوگوں کی خاص حالت اور ضرورت کی مناسبت سے انجمنیں جاری ہوگئیں اس سلسلے میں

باب ۱۵

سر فریڈرک نکلسن کا بیان قابل درج معلوم ہوتا ہے چنانچہ وہ حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں بنگال میں قرضہ امداد باہمی کی انجمنیں نہایت پابندی کے ساتھ غیر محدود ذمہ داری کے اصول پر قائم ہوتی ہیں - نہ کوئی حصوں کا اصل جمع ہے - نہ کچھ مقسومات تقسیم ہوتے ہیں - انجمن کے ممبر اپنی مجموعی ساکھ کی ضمانت دیتے ہیں - اور اسکی بنا پر جمع کنندوں سے اصل لیکر بطور قرضہ باہم تقسیم کر لیتے ہیں - ممبری صرف گاؤں کے لوگوں تک محدود رہتی ہے - چنانچہ کہتے ہیں کہ بنگال کی انجمنیں دنیا کی ایسی انجمنوں میں سب سے چھوٹی اور غریب ہیں - پنجاب میں ایسی سختی سے اس قاعدے کی پابندی نہیں کی جاتی - وہاں قسطوں کے ذریعے سے لوگ انجمنوں کے حصے خرید سکتے ہیں - اس ترکیب سے بنک میں روپیہ بھی آجاتا ہے اور ممبر انجمن کے انتظام میں عملاً توجہ کرنے لگتے ہیں - صوبۂ متحدہ کی انجمنوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں مرکزی بنک قائم ہوتے ہیں جو بہت نرم شرائط پر بڑے بڑے اصل داروں اور بنکوں سے قرض لیکر ضلع بھر کی ملحق شدہ دیہاتی انجمنوں میں روپیہ تقسیم کر دیتے ہیں - اسی طرح ہر صوبے کی انجمنوں کی خصوصیات مختلف ہیں - اس تحریک کا اصلی منشا تو یہ تھا کہ غریب غربا کو سہولت سے مناسب شرائط پر قرضہ مل سکے - لیکن اب اس نے اور اور شکلیں اختیار کر لی ہیں - مثلاً انجمنہائے امداد باہمی کے ذریعے سے عمدہ اور ارزاں تخم یا سوت - یا آلات خریدنا - یا غلہ - پارچہ وغیرہ زیادہ منافع پر فروخت کرنا - مرکزی بنک اس غرض سے قائم کئے گئے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی انجمنوں کی مجموعی ذمہ داری پر ان کو قرض دیں - بعینہ جس طرح خود انجمنیں اپنے ممبروں کی مجموعی ذمہ داری پر قرض دیتی ہیں - اس لین دین کو قانوناً جائز قرار دینے کے لئے ۱۹۱۲ء میں از سر نو قانون انجمنہائے قرضہ امداد باہمی پاس ہوا - ایک کمیٹی نے ہندوستان کے مروجہ طریق امداد باہمی کی تحقیقات کرنے اور بالخصوص اسکے مالی پہلو کو پیش نظر رکھ کر ایک رپورٹ مرتب کی ہے جو ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی -

تمت

برطانوی حکومت ہند

British Administration

IN

India.

برطانوی حکومت ہند

فہرست اصطلاحات

A

Act	قانون - ایکٹ
Accountant-General	صدر محاسب
Additional Member	زائد رکن
Address (Parliament)	عرضداشت
Advocate-General	اڈوکٹ جنرل
Agent	گماشتہ - کارندہ - ایجنٹ
Allowance	بھتہ - الاونس
Anglo-Indian Community	انگلو انڈین جماعت
Anglo-Saxon	انگلو سیکسن - سکسونی انگریز
Arboriculture	شجر بندی
Assessment	تشخیص مالگزاری یا محصول
Assessor	اسیسر
Assets	اثاثہ
Assize, Justice of	اسائز جج
Atlantic Ocean	بحر اوقیانوس
Auditor	ناظر حسابات
Auditor-General	صدر ناظر حسابات

Autonomy	خود اختیاری

B

Back Bay	بیک بے
Bacon	بیکن صاحب
Bethune College	بیتھیون کالج
Bill	بل۔ مسودۂ قانون
Board	بورڈ۔ مجلس
Board of Control	مجلس نگراں
Budget	موازنہ۔ بجٹ

C

Cabinet	مجلس وزرا۔ کیبنٹ
Cape of Good Hope	کیپ آف گڈ ہوپ
Centralisation	مرکزیت
Central Subjects	امور مرکزی
Chailly, Mr.	چیلی صاحب
Chamber of Commerce	ایوان تجارت
Chancellor	چانسلر
Do of Exchequer	وزیر مال
Do of University	امیر جامعہ
Charter	چارٹر۔ منشور
Chief Commissioner	چیف کمشنر
Chief Engineer	چیف انجنیر
Circular	گشتی۔ سرکلر
City Improvement Trust	محکمۂ آرائش بلدہ
Civil Court	عدالت دیوانی

Civil Service	سول سروس
Civil Service Act	قانون سول سروس
Civil works	تعمیرات
Clive	کلائیو
Coalition Ministry	اتحادی وزارت
Colbert	کولبرٹ
Collector	کلکٹر۔ تعلقدار
Colonies	نوآبادیات
Commonwealth	دولت عامہ
Communal Representation	فرقہ واری نیابت
Compassionate Allowance	رعایتی بھتہ
Concert of Europe	اتحاد یورپ
Conservator of Forests	ناظم جنگلات
Constituency	حلقۂ انتخاب
Constitution	دستور
Contributions	امدادی رقمیں
Co-operative Society	انجمن اتحاد۔ انجمن امداد باہمی
Co-operative Credit Society	انجمن اتحاد قرضہ
Coroner	کارونر۔ مفتش اسباب ہلاکت
Council	کونسل مجلس
Council of State	مجلس مملکت
Countess of Dufferin	کاؤنٹس آف ڈفرن
County	قسمت
Court of Assize	عدالت آسائز
Covenanted Civil Service	معاہدی سول سروس

Credit	اعتبار، رقم واجب الوصول۔ لینی
Creditor	لیندار
Criminal Court	عدالت فوجداری
Criminal Investigation Dept. (C.I.D)	محکمہ خفیہ پولس
Currency	زر
Currency Accommodation	ذخیرہ زر
Customs	کروڑ گیری۔ محصول درآمد و برآمد

D

Debit	رقم واجب الادا۔ دین
Debtor	دیندار
Decentralization	تضعیف مرکزیت
Deputy Commissioner	ڈپٹی کمشنر
Diarchy	دو عملی حکومت
Dicey, Professor	پروفیسر ڈائسی
Director	ڈائرکٹر۔ ناظم
Direct Tax	محصول بالراست۔ یا بلاواسطہ
District Board	مجلس ضلع
District Officer	حاکم ضلع
Dividend	مقسوم
Division	قسمت
Dock	گودی۔ بحری گماشت
Dominion	محروسہ
Double Government	دوہری حکومت
Drawbacks	محصول واپسی
Dundas	ڈنڈاس
Dupleix	ڈوپلے

Dutch	ڈچ - ولندیز

E

East India Bill	ایسٹ انڈیا بل
East India Company	ایسٹ انڈیا کمپنی
East Indies	جزائر شرق الہند
Education	تعلیمات - تعلیم
Effective Charges	کارپرداز مصارف
Electorate	جماعت رائے دہندگان
Elizabeth, Queen	ملکہ الیزبتھ
Estimate	تخمینہ
Excise	چنگی محصول - ملکی پیداوار
Executive	محکمہ انتظامی
Executive Council	مجلس انتظامی
Executive Engineer	اکزیکیوٹو انجینیر
Ex-officio Member	رکن بحیثیت عہدہ

F

Faculty of Advocates	فیکلٹی آف اڈووکیٹس
Famine Relief	امداد قحط
Federal Government	متحدہ حکومت
Finance	مالیات - مالیہ - مال
Finance Department	محکمہ مال
Finance Member	ممبر مال - رکن مال
Financial Statement	مالی کیفیت
Fire Brigade	بند دھارا - اطفائیہ
Foreign Department	محکمہ خارجیہ

Forest	جنگلات
Forest Conservator	ناظم جنگلات
Fox	فاکس
Franchise	حق انتخاب

G

Gold Securities	تمسکات طلا
Gold Standard Reserve	ذخیرہ معیار طلائی
Governor	گورنر
Governor-in-Council	گورنر با جلاس کونسل
Governor-General	گورنر جنرل
Govt. House	ایوان حکومت
Grant Medical College	گرانٹ میڈیکل کالج
Gratuities	انعامات
Guarantee	گارنٹی ۔ ضمانت ۔ کفالت

H

High Court	ہائی کورٹ ۔ عدالت عالیہ
Holy Alliance	اتحاد مقدس
Home Charges	مطالبات وطن یعنی انگلستان
Holy Roman Empire	مقدس سلطنت رومہ
Home Department	محکمہ داخلیہ
Home Exchequer	خزانہ انگلستان
Home Government	حکومت انگلستان
Huguenot	ہیوگناٹ
House of Commons	دیوان عام
House of Lords	دیوان خاص

I

Imperial	امپیریل شاہی
Imperial Council	امپیریل کونسل - شاہی مجلس
Do Service	امپیریل سروس - شاہی خدمات
Do do Troops	رسالہ ہائے شاہی
India Act	انڈیا ایکٹ - قانون ہند
Indian Civil Service	انڈین یا ہندوستانی سول سروس
Indian Council's Act	قانون مجالس ہند
Indian Marine Service	ہندوستانی بحری خدمت
Indian Medical Service	ہندوستانی طبی خدمت
India Office	دفتر وزیر ہند
Indirect Tax	محصول بالواسطہ
Inspector-General	انسپکٹر جنرل صدر مہتمم
Interpellation	سوالات
Intrinsic Value	قدر ذاتی
Islington	اسلنگٹن

J

James Wilson	جیمس ولسن
John Howard	جان ہاورڈ
Judicature	محکمہ عدالت
Junior	جدید الخدمت
Jurisdiction	عدالتی اختیارات
Jury	جوری

L

Land Alienation Act	قانون انتقال اراضی
Land Revenue	مالگزاری
Law Member	قانونی ممبر
League of Nations	مجلس اقوام
Legal Remembrancer	مشیر قانونی
Legislature	محکمۂ قانون
Legislative Assembly	مجلس مقننہ
Legislative Council	مجلس وضع قوانین
Liability	رقم واجب الادا۔ دین۔ ذمہ داری
License	لیسنس۔ اجازت نامہ
Local Board	مقامی مجلس
Local Rates	مقامی رسوم
Locomotive Superintendent	لوکوموٹیو سپرنٹنڈنٹ
Lord Canning	لارڈ کیننگ
Lord Curzon	لارڈ کرزن
Lord Carmichael	لارڈ کارمائیکل
Lord Dalhousie	لارڈ ڈلہاوزی
Lord Lansdowne	لارڈ لینسڈون
Lord Lawrence	لارڈ لارنس
Lord Lytton	لارڈ لٹن
Lord Macaulay	لارڈ میکالے
Lord Mayo	لارڈ میو
Lord Morley	لارڈ مارلے
Lord North	لارڈ نارتھ

Lord Northbrook	لارڈ نارتھ بروک
Lord Ripon	لارڈ رپن
Lord Sandherst	لارڈ سینڈہرسٹ
Lord Wellesly	لارڈ ولزلی
Lord William Bentink	لارڈ ولیم بینٹنک
Louis	لوئی
Lovat Fraser	لوٹ فریزر
Luzatti	لزاٹی

M

Maintenance	داشت
Majority	کثرت
Marine	بحری محکمہ
Mayor's Court	عدالت میر بلدہ
Medical Department	محکمہ طبابت
Medical Relief	طبی امداد
Mediterranean Sea	بحر روم
Metalic Value	قدر فلزاتی
Municipality	بلدیہ - میونسپلٹی

N

Nominal Value	قدر وضعی - قدر متعارفہ
Non-effective Charges	غیر کارپرداز مصارف
Non-official Members	غیر سرکاری رکن
Non-regulation Province	غیر آئینی صوبہ

Notified Areas	رقبہ جات مشتہرہ
Nuisance	امور باعث تکلیف عامہ

O

Official Member	سرکاری رکن
Ordinances	احکام
Original Jurisdiction	عدالت کے ابتدائی اختیارات

P

Parliament	پارلیمنٹ۔ ملکی مجلس
Patronage	مربی گری
Penal Settlement	جرائم پیشہ آبادی
Pension	پنشن۔ وظیفہ
Pilotage	جہازکی رہنمائی
Pitt	پٹ
Plantagenets	پلنٹاجنٹ خاندان
Planters	کوٹھی والے
Police	پولس
Political Department	محکمہ سیاسی
Port Trust	محکمہ بندر
Post	ڈاک
Privy Council	پریوی کونسل
Procedure	دستورالعمل۔ ضابطہ
Proclamation	شاہی اعلان۔ فرمان
Protestant	پراٹسٹنٹ فرقہ
Provincial	صوبہ دار

Provincial Adjustment	صوبہ وار تصفیہ حسابات
Do Rates	رقم سوا - ابواب
Publicity Bureau	محکمہ اطلاعات
Public Debt	سرکاری قرضہ
Public Service	سرکاری خدمات
Public Service Commission	پبلک سروس کمیشن یا سرکاری خدمات کا کمیشن
Public Works	تعمیرات
Puisne Judge	جج ہائیکورٹ - یا رکن عدالت عالیہ

R

Raiffeisen	ریفزن
Reformatory School	اصلاحی مدرسہ
Refunds	محصول بازگشت
Regulating Act	قانون تنظیم
Regulation Province	آئینی صوبہ
Remunerative Debt	قرضہ پیداآور
Reserved Subjects	امور مختصہ
Resident	رزیڈنٹ
Returning Officer	مہتمم انتخابات
Revenue	محاصل
Revenue (Land)	مالگزاری
Royal Army Medical Corps	رائل آرمی میڈیکل کور - یا شاہی فوجی طبی جماعت

Royal Indian Engineering College	رائل انڈین انجینیرنگ کالج۔

S

Sanitation	صفائی
Schulse	شولز
Secretary	سکرٹری معتمد
Secretary of State for Colonies	وزیر نوآبادیات
Secretary of State for India	وزیر ہند
Secretariates	معتمدیاں
Self governing Dominions	بااختیار محروسات
Senate	سینیٹ ـ مجلس رفقا
Senior	قدیم الخدمت
Sinking Fund	ذخیرہ ادائی
Sir Charles Aitchison	سر چارلس اچیسن
Sir Charles Napier	سر چارلس نپیر
Sir Charles Wood	سر چارلس ووڈ
Sir Elijah Impey	سر الیجا امپی
Sir Frederick Nicholson	سر فریڈرک نکلسن
Sir James Lyall	سر جیمس لیال
Sir James Stephen	سر جیمس اسٹیفن
Sir John Strachey	سر جان اسٹریچی
Sir Theodore Morison	سر تھیوڈر ماریسن
Sir Valentine Chirole	سر ولنٹائن شرول
Sir William Hunter	سر ولیم ہنٹر
Sir William Sleeman	سر ولیم سلی مین

Small Cause Court	عدالت مقدمات خفیفہ
Sovereign	حکومت اعلیٰ
Sovereignty	رتبۂ اعلیٰ حکومت
Standing Committee	مستقل کمیٹی
Statute	آئین
Statutory Civil Service	آئینی سول سروس
Stock	اسٹاک۔ تمسک۔ حصہ
Sub-divisional Officer	حاکم علاقہ
Subordinate Court	عدالت ماتحت
Subordinate Service	ماتحت خدمت
Suffrage	حق انتخاب
Supplementary Question	زاید سوال
Supreme Govt	حکومت عالیہ
Syndicate	سنڈیکیٹ۔ مجلس انتظامی

T

Tax	ٹکس۔ محصول۔
Telegraph	تار
Tenure of Land	حقیت یا حقوق اراضی
Traffic Manager	ٹریفک مینجر
Tribute	باج۔ خراج
Tolls	محصول راہداری
Tonnage	ٹنج۔ گنجایش وزن جہاز
Transferred Subjects	امور مفوضہ

U

Union Government	متحدہ حکومت
Union of South Africa	اتحاد جنوبی افریقہ
Unitary Government	منفردہ حکومت
Unremunerative Debt	قرضہ غیر پیداآور

V

Vasco De Gama	واسکوڈے گاما
Veto	اختیار منسوخی
Vice Chancellor	وائس چانسلر
Viceroy	وائسرائے ۔ نائب شاہ
Victoria Technical Institute	وکٹوریا ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ

W

War Council	مجلس جنگ
Warrant	وارنٹ ۔ حکمنامہ گرفتاری
Warren Hastings	وارن ہیسٹنگس
Water Revenue	محاصل آبرسانی
Water-supply	آبرسانی
Westminster	ویسٹ منسٹر
Wheel Tax and Tolls	محصول سواری وراہداری
William Pitt	ولیم پٹ

صحت نامۂ برطانوی حکومت ہند

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲۱	۳۰	۲۰
۶	۶	پڑیل	پڑیں
۲۶	۲۲	ذمہ دار	اور ذمہ دار
۳۹	۱	مسلۂ پر	مسئلہ پر سنہ ۱۸۸۹ء میں
۵۵	۱۲	تعلق	مستقل تعلق
۵۶	۱۰	جاکم	حاکم
//	۱۶	اوران	اوران کے بعد
۶۳	۲۲	۱۳۴۸۲۴۴۳	۱۳۴۷۲۴۴۲
۶۶	۹	اس طرح	اس طرح پر
//	۱۰	طرف	طرف سمندر سے
۸۹	۳	پڑتا ہو	پر پڑتا ہو
۹۲	۱	تخفیف	یا تخفیف
۱۲۰	۱۴	استغفا	استعفا
۱۴۰	۵ حاشیہ	سنہ ۸۵۴ - ۱۹۰۱ء	سنہ ۱۸۵۴ - ۱۹۰۱ء
۱۴۵	۲۳	دو شعبہ	دو شعبے
۱۵۰	۱۳	ان کے	ان کو
۱۵۹	۱۲	ابرساتی	آبرسانی

تمت

DUE DATE